مثنوی مولانا روم

جلد پنجم

مترجم

سید احمد ایثار

مثنوی مولانا روم

جلد پنجم

مترجم

سید احمد ایثار

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔110025

پہلی اشاعت :
تعداد :
قیمت : روپے
سلسلہ مطبوعات :

Masnavi Maulana Room

Translated by: Syed Ahmad Esar

ISBN :

پیش لفظ

افراد و اجتماع کی ترقی آگہی اور معلومات سے مشروط ہے اور آگہی کے تمام دروازے کتابوں کے ذریعے ہی کھلتے ہیں۔ کتابیں ہمیں روشنی کی ایک نئی دنیا سے روشناس کراتی ہیں اور ہمارے احساس و اظہار کو تحریک عطا کرتی ہیں۔ مگر صارفی معاشرت نے ہماری ترجیحات بدل دی ہیں۔ کتابوں سے ذہنوں کا رشتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ ڈیجیٹل ٹکنالوجی کی وجہ سے متبادل قرأت کی ایک نئی صورت جنم لے رہی ہے۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں کی معنویت کم نہیں ہوئی بلکہ کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ مطبوعہ کتابوں کے لمس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ای بکس نے گو کہ قاری کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا ہے مگر مطبوعہ کتابوں سے آج بھی دنیا کی بڑی آبادی کا رشتہ قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ حسب سابق جاری و ساری ہے۔

علمی اور تہذیبی ورثے کا تحفظ ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے اور ہمارے ارباب نظر نے اس کے تحفظ کے لیے مختلف صورتیں بھی نکالی ہیں۔ قومی اردو کونسل بھی ایک ایسا ادارہ ہے جس نے علمی اور تہذیبی وراثت کے تحفظ کے لیے مختلف علوم و فنون کی نہ صرف کتابیں شائع کی ہیں بلکہ ''ای کتاب'' کے ذریعے بھی اس کے تحفظ کی ایک نئی صورت نکالی ہے۔ قومی اردو کونسل نے

جہاں لسانیات، ادبیات، تکنیکی و سائنسی علوم، ریاضیات، شماریات اور دیگر علوم کی فرہنگ و اصطلاحات، کلاسیکی ادب پاروں، نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم رکھا ہے وہیں ''ای کتاب'' اور'' ای لائبریری'' کے ذریعے اہم کتابوں کے تحفظ کی بھی کوشش کی ہے۔ کونسل نے ذولسانی (اردو اور انگریزی) ایپ ''ای کتاب'' تیار کیا ہے جس میں گلوبل لینگویج سپورٹ کے علاوہ انٹر یکٹو فہرست کے ذریعے مطلوبہ باب تک رسائی اور الفاظ کے معانی دیکھنے کی سہولت بھی موجود ہے۔ کونسل سے شائع شدہ اہم کتابیں اس کی ویب سائٹ (ای لائبریری) پر موجود ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کونسل کی اہم مطبوعات سے استفادہ کر سکیں۔ قومی اردو کونسل نے کم قیمت پر اردو زبان و ادب کا سرمایہ شائقین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور کونسل اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہے کہ اس کی کتابیں صرف برصغیر نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ کونسل ترجیحی طور پر ان کتابوں کی اشاعت کرتی ہے جس کے ذریعے ہم حیات و کائنات کے رموز و اسرار، آداب زندگی اور قرینۂ اظہار سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اساتذہ اور طلبا کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ثابت ہوگی۔

شیخ عقیل احمد

ڈائرکٹر

فہرست

مقدمہ

بیسویں صدی کے تیسرے دہے کا وہ کون سا سال تھا یاد نہ رہا۔ بنگلور چھاؤنی کی میسور لانسرز کی مسجد کے برابر کھلے میدان میں وعظ کی محفل کا انعقاد ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ حضرت قاضی سید نصیر الدین حسینی چشتی القادری وعظ فرما رہے تھے۔ قاضی صاحب کی خوشنوائی اتنی جاں فزا کہ ہاتھی بھی سنے تو جھومنے لگے۔ انھوں نے دوران وعظ اپنی مترنم آواز میں یہ شعر سنایا ؎

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدن تن جاں بداں

مثنوی معنوی کا شعر، معرکتہ الآرا صوفیانہ تذکرہ جسم وجاں کی ایک جھلکی ، مٹھاس سے مملو فارسی زبان، بجتے ہوئے الفاظ، ج نون، ت جیسے بہشتی حروف کی تکرار، اس پر حضرت والا کی سریلی صدا، مستی کا عجیب عالم تھا، ذہن کی سادہ تختی پر شعر نقش کالحجر بن گیا۔ خوشی کی انتہا اس بات پر کہ فارسی زبان کا اولین شعر میرے ذہن میں بیٹھ گیا۔ شعر کے معنی کی وسعت معلوم نہ گہرائی۔ اس سے کچھ مطلب نہ تھا۔ قاضی صاحب کی تشریح پر جو کچھ بھی سمجھا وہی بہت تھا۔ بار بار دہرایا۔ آج بھی اسے دہراتے اور معنی پر غور کرتے جان، جسم اور باہمی حرکت کے نتائج جاں افزا بن جاتے ہیں۔

صاحبِ مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی وشاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ ددھیال کی طرف سے آپ کا نسب خلیفہ اول، امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ننھیال کی طرف سے حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ اس خاندانی شرافت کے علاوہ آپ کے آبا واجداد تحصیل علم دینی میں محنت شاقہ اور حصول مراتب میں درجہ کمال رکھتے تھے، جس کے باعث آپ کے دادا حضرت حسین الخطیبی کو سلطان خوارزم شاہ نے اپنی دامادی میں لینے کو ایک اعزاز سمجھا اور اپنی بیٹی 'ملکہ جہاں' سے عقد کروادیا۔ حضرت بہا الدین ولد انھی کے فرزند اور مولانا روم کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت بہاالدین ولد اپنے اسلاف کی طرح علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے اور ان کی مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ دنیوی علائق سے دوری اختیار کرلی۔ انجام یہ کہ ایک شب خواب میں ایک مجلس آراستہ پائی جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے اور حضرت بہاالدین ولد آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے تین سو (300) مفتیان شہر کا ایک ہجوم تھا۔ اس مقدس مجلس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آج سے بہاالدین ولد سلطان العلما کے نام سے پکارے جائیں گے۔ دوسرے دن صبح وہ تین سو (300) مفتیانِ شہر جمع ہوکر بہاالدین ولد کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے کے لیے چلے۔ وہاں بہاالدین نے بھی اس خواب کی تصدیق کی۔

غرض مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف نجیب الطرفین تھے بلکہ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ خود مولانا میں بھی بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ کبھی کبھی تین تین دن تک کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے۔ آپ کی عمر شاید چھ برس تھی۔ مولانا رئیسوں کے بچوں کے ساتھ کوٹھے پر کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے نے کہا کہ آؤ اس چھت سے اس چھت پر کودیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو کتے بلیوں کا کھیل ہوا۔ اگر روحانی قوت ہو تو آؤ آسمان پر چلیں، ستاروں اور ملکوت کی سیر کریں۔ اتنا کہتے ہوئے نظروں سے غائب ہوگئے۔ یہ دیکھ کر بچے چلانے لگے تو فوراً آموجود ہوئے، اور کہنے لگے کہ جب میں تم سے باتیں کررہا تھا تو سبز پوشوں کی ایک

جماعت آئی، مجھے اٹھالے گئی، بروج آسمانی اور عجائبات عالم روحانی کی سیر کرائی اور تمھارے چلانے کی صدا سن کر یہاں لا کر پہنچا دیا۔

سلطان العلما بھی آپ کے شاندار مستقبل سے بخوبی آگاہ تھے۔ پیار کے ساتھ احتراماً خداوندگار، یا آقا کے نام سے خطاب کرتے۔ اور کہتے تھے کہ جب تک میں زندہ رہوں کوئی میری ہمسری کرنے نہ پائے گا۔ البتہ میرے بعد خداوندگار میری ہمسری کیا مجھ پر سبقت لے جائیں گے۔

610ھ میں بلخ سے ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ تین سو اونٹوں پر سوار مہاجرین بلخ سے بغداد کی جانب جا رہے تھے۔ نیشا پور کے قریب پہنچے تو خواجہ فریدین الدین عطار نے دیکھا کہ مولانا روم باپ کے پیچھے آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو نہر کے پیچھے سمندر آ رہا ہے! آنے کے بعد ان کی پیشانی پر بلند بختی کے آثار پائے۔ دعاؤں کے ساتھ اپنا 'پند نامہ' انھیں عنایت فرمایا۔ قافلہ عازم سفر حج تھا۔ یہ خوش قسمتی کہ بچپن میں ہی مولانا کو حج جیسے فریضہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ بغداد پہنچتے وقت یہ پوچھا گیا تھا کہ کون ہیں اور کدھر سے کدھر کو جا رہے ہیں۔ سلطان العلما نے فرمایا ''من اللّٰہ والی اللّٰہ ولاحولا قوۃ الا باللّٰہ''۔ شہاب الدین سہروردی نے جان لیا کہ وہ سلطان العلما کا ہی قافلہ ہے۔ بغداد میں دو تین مہینے قیام کے بعد کوفے سے گزرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قصد سے آغاز سفر کیا۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ میں زیارت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور دمشق اور شام سے گزرتے ہوئے برسوں بعد لارندہ پہنچے۔ لارندہ کے والی امیر موسیٰ نے انھیں ٹھہرایا۔ وہاں مدرسہ بنایا اور سکونت اختیار کی۔ لارندہ سلطنت روم سے ملحق تھا۔ چونکہ سلطان روم شراب پینے اور چنگ سننے کا عادی تھا اس لیے سلطان العلما نے امیر موسیٰ سے آپ کی وہاں موجودگی کی خبر اخفا میں رکھنے کو کہا۔

سلطان العلما کی آمد سے قبل حضرت خواجہ شرف الدین سمرقندی مغلوں کے فتنے سے بچنے کے لیے لارندہ آ کر مقیم ہو چکے تھے۔ دونوں مہاجرین کے خاندانوں میں ہم وطنی کا تعلق تھا اور کچھ دن بعد یہ تعلق رشتہ داری میں بدل گیا۔ مولانا روم کی عمر اس وقت سترہ، اٹھارہ سال تھی۔ خواجہ شرف الدین کی ایک بیٹی گوہر خاتون تھی۔ اس کا عقد مولانا سے کیا گیا۔ تقریباً چار سال کا

عرصہ لارندہ میں گزر گیا اور مولانا کے دو فرزند سلطان ولد اور علاالدین اسی مقام پر پیدا ہوئے۔ نہ معلوم یہاں سلطان العلما کے قیام کی خبر سلطان علاالدین کیقباد کو کیسے پہنچی کہ سلطان نے غضب ناک ہو کر امیر موسیٰ کو ایک تہدید نامہ لکھا کہ ان کی آمد کی خبر کیوں نہ دی۔ سلطان کو اس کے کچھ امرا نے سلطان العلما کی عظمت اور فیوض کے باب میں معلومات فراہم کی تھی سلطان خود ان کا معتقد ہو گیا اور آپ سے ملنے کا متمنی تھا۔ سلطان نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ (سلطان العلما) قونیہ میں مستقل قیام کریں گے تو وہ شراب نوشی اور چنگ سننا ترک کر دے گا۔

امیر موسیٰ نے یہ بات آپ کو بتائی تو سلطان العلما قونیہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سفر شروع ہو گیا اور آپ 626 کو قونیہ پہنچ گئے۔ اس طرح بلخ سے قونیہ پہنچنے تک جملہ پندرہ برس کا عرصہ لگا۔ بادشاہ اپنے امرا کے ساتھ آیا اور سلطان العلما کا مرید ہو گیا۔

مولانا روم کی تربیت: حضرت سلطان العلما نے مولانا کے بچپن ہی میں حضرت برہان الدین ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کو، جو ان کے مرید خاص تھے، مولانا کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ لیکن بلخ کو ترک کرتے وقت برہان الدین ترمذ چلے گئے۔ لہٰذا مولانا شروع سے وصال تک اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انھی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ 628ھ میں حضرت سلطان العلما کا انتقال ہوا تھا۔ قونیہ میں دو برس قیام کے بعد بیمار ہو گئے۔ بادشاہ عیادت کو آیا اور خوب رویا۔ اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ تخت کو زینت بخشیں اور وہ خود سپہ سالار بن کر فتوحات کی طرف توجہ کرے گا۔ سلطان العلما نے فرمایا کہ میں تو عالم شہادت سے عالم سعادت کی طرف سفر کر رہا ہوں۔

حضرت سلطان العلما کے انتقال کے بعد سید برہان الدین محقق ترمذی قونیہ آئے۔ مولانا روم سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ آپ کے والد صاحب قال ہی نہیں صاحب حال بھی تھے اور تم قال میں اپنے والد سے بھی بڑھ گئے ہو، بس حال کی طرف توجہ کی ضرورت ہے تاکہ آپ والد کے پورے وارث اور جانشین بن سکیں۔ جب مولانا دائرہ ولایت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے تو برہان الدین بھی فارغ ہو گئے۔ سید صاحب 629ھ میں قونیہ آئے اور 637ھ میں انتقال فرمائے۔ یہ آٹھ نو سال کا عرصہ ہی قونیہ میں گزرا تھا۔

630ھ میں مولانا روم بغرض حصول تعلیم حلب کو جا رہے تھے۔ برہان الدین بھی آپ کے ہمراہ قیصریہ کو چلے۔ قیصریہ آپ کا مرغوب شہر تھا اور آپ وہاں رک گئے۔ مولانا کے غیاب میں قونیہ جاتے آتے رہے۔ قیصریہ میں دوران قیام شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے رہے۔ حلب میں تحصیل علم کے دوران مولانا کی استعداد کا یہ عالم تھا کہ جو بھی مسئلہ کسی سے حل نہ ہو پاتا وہ خود حل کر دیتے اور ایسے وجوہ بیان کرتے جو کسی بھی کتاب میں نہ ہوتے۔ حلب میں آپ نے کمال الدین ابن عدیم سے استفادہ کیا۔

ایک دن حلب میں مدرسے کے دربان نے کمال الدین سے شکایت کی کہ مولانا روم آدھی رات کو باہر چلے جاتے ہیں جبکہ دروازہ بند ہی رہتا ہے۔ کمال الدین کو تردد ہوا۔ ایک رات خود پوشیدہ طور پر ان کے پیچھے چل پڑے۔ مسجد خلیل الرحمٰن کے پاس ایک قبہ نظر آیا جہاں کچھ سبز پوشوں نے مولانا کا استقبال کیا۔ یہ دیکھ کر کمال الدین بے ہوش ہوگئے۔ جب اٹھے تو قبہ کا کوئی نشان نہ تھا۔ سرگرداں پھرتے رہے۔ شہر میں ہلچل مچ گئی۔ بالآخر مولانا ہی سے ان کا پتہ ملا۔ نتیجے کے طور پر مولانا سے کمال الدین کا اخلاص بڑھ گیا اور مرید ہوگئے۔ جب حلب میں مولانا کا شہرہ بہت ہوگیا تو دمشق چلے گئے۔ وہاں مدرسہ قدسیہ میں قیام کیا اور جس کمرے میں آپ ٹھہرے تھے وہ خضر علیہ السلام کے نام سے منسوب ہوگیا۔ کیونکہ مولانا سے ملنے وہاں حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے۔ دمشق میں آپ کی صحبت حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، شمس الدین حموی، شیخ اوحد الدین کرمانی جیسے بزرگوں کے ساتھ رہی۔

ایک روایت ہے کہ مولانا دمشق کے میدان میں سیر کر رہے تھے۔ ایک عجیب الہئیت شخص سیاہ نمدہ اوڑھے ہوئے مولانا کے قریب آیا، دست مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ ''اے صراف عالم مرا دریاب'' اور مولانا کے متوجہ ہونے سے پہلے غائب ہوگیا۔ وہ شمس تبریزی تھے۔

دمشق میں مولانا کا قیام چار برس رہا۔ قونیہ کو واپسی کے دوران قیصریہ میں سید برہان الدین کے ساتھ شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے۔ چالیس چالیس دن کے تین چلے سید برہان الدین ترمذی کے ساتھ کیے اور سید صاحب کی اجازت سے قونیہ روانہ ہوئے۔

مولانا میں سب سے بڑی تبدیلی اس وقت آئی جب 642ھ میں شمس الدین تبریزی سے ملاقات ہوئی۔ شمس قونیہ میں سرائے کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر سے مولانا گھوڑے پر

سوار آئے۔ شمس اٹھے اور لگام تھام کر پوچھا کہ کس کا مقام بڑا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا بایزید بسطامی کا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "ماعر فناك حق معرفتك" اور بایزید کہتے ہیں "سبحانی مااعظم شانی "اور"لیس فی جبی الا اللّٰه"۔ سوال سن کر مولانا کے ہوش اڑ گئے۔ گھوڑے سے اترے اور سنبھل کر فرمایا "بایزید کی پیاس ایک ہی گھونٹ سے بجھ گئی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاس کیا بجھتی، دم بہ دم زیادہ کی طالب تھی۔"

شمس تبریزی سے ملاقات کے بعد مولانا رومی نے درس وتذکیر بالکل ترک کر دیا۔ پھر کبھی وعظ نہ کہا۔ شمس نے سماع اختیار کرنے پر زور دیا۔ شمس کو شاعری کا شوق تھا اور ان کے زیر اثر آپ نے بھی شاعری شروع کی۔ مولانا، شمس کی صحبت میں اس قدر کھو گئے کہ شاگردوں اور مریدوں سے تعلقات ختم ہو گئے۔ صورت دکھانی بھی بند کر دی۔ یہ بات شاگردوں کو اتنی گراں گزری کہ شمس تبریزی کے دشمن ہو گئے۔ اور ان سے بدسلوکی کرنے لگے۔ شمس تبریزی اسے برداشت نہیں کر سکے اور یکا یک غائب ہو گئے۔ ادھر مولانا نے ان کی جدائی میں ماتم سرائی شروع کر دی۔ چاروں طرف تلاش کے باوجود پتہ نہ چلا۔ اب مولانا کی زبان سے اشعار کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ دن بدن حالت مزید بگڑتی چلی گئی۔ ایسے میں دمشق سے مولانا کو شمس کا ایک خط موصول ہوا۔ شمس کے عشق وشوق میں سماع کی طرف متوجہ ہو گئے اور غزلیں بھی کہنے لگے۔ جن لوگوں نے شمس سے بدسلوکی کی ان سے التفات ترک کر دیا اور جو شرارت میں شامل نہ تھے ان کی طرف التفات کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر بدسلوکی کرنے والوں نے شمس کی مخالفت چھوڑ کر معافی چاہی۔ آخر میں مولانا سلطان ولد کے ہاتھ ان کو بلایا، ایک خط اور کچھ رقم بطور نذرانہ روانہ کی۔ دمشق پہنچ کر سلطان ولد نے خط اور رقم پیش کی تو بولے "مجھے سیم وزر سے فریب دیتے ہو؟ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت کا پیغام مجھے کافی ہے۔" یہ کہہ کر قونیہ کی طرف چل دیے۔

پہلی مرتبہ 643ھ میں قونیہ کا رخ کیا تھا۔ اب 645ھ میں روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ کچھ دن خوش رہے۔ مولانا کی پروردہ ایک لڑکی کیمیا خاتون کا ہاتھ مانگا تو مولانا نے بخوشی ہاں کہہ دیا اور ان سے عقد کرا دیا۔ اس مرتبہ مولانا کے دوسرے فرزند شمس کی قیام گاہ سے گزر کر گھر آنے لگے تو شمس نے اعتراض کیا۔ انھیں برا لگا، جس کی خبر پا کر شر پسندوں کو فتنے کا موقع ہاتھ آیا۔

بے ادبی شروع کی۔ آپ بھی یہ کہنے لگے کہ اب کی بار جاؤں گا تو پھر کسی کو کبھی پتہ نہ لگے گا۔ اس درمیان کیمیا خاتون کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دن بعد شمس تبریزی اس طرح غائب ہوئے کہ پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ کہتے ہیں کہ ظالموں نے ان کو قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا۔ بہر حال اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ چاروں طرف تلاش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر خود مولانا نے دمشق کا سفر اختیار کیا۔ حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین بنایا۔ یہ سفر 645ھ میں ہوا تھا۔

صلاح الدین زرکوب: دمشق سے واپسی کے بعد مولانا نے کچھ خاموشی اور سکون اختیار کر لیا اور شمس تبریزی کے وجود کو اپنی ذات میں محسوس کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد حضرت صلاح الدین زرکوب کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حالانکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھے پھر بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ حضرت سید برہان الدین محقق کے مرید تھے۔ اس رو سے مولانا کے پیر بھائی ہوئے اور بعد میں مولانا کی کرامت دیکھ کر ان کے مرید بھی ہو گئے۔ لیکن مولانا کا سلوک ایسا ہوتا کہ دیکھنے والوں کو صلاح الدین پر پیر کا گمان ہوتا۔ غرض مولانا کو کسی نہ کسی صحبت کی ضرورت تھی۔ صلاح الدین نے دس برس جانشینی نبھائی اور 657ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حسام الدین چلپی: صلاح الدین کے بعد مولانا نے حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ آپ ہی ہیں جنھوں نے مثنوی شریف، جو دنیا کی عظیم ترین مشہور عالم تصنیف ہے، کی جانب مولانا کو تحریک دلائی۔ خود مولانا مثنوی شریف میں بار بار پورے خلوص و احترام کے ساتھ ان کو خطاب فرماتے ہیں۔

مولانا کا انتقال: مولانا روم 672ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت سے متصف اور رواداری میں لاثانی تھے۔ جب آپ کا جنازہ تدفین کے لیے نکلا تو بلا لحاظ قوم سوگوار لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ یہودی اور عیسائی توریت اور انجیل پڑھتے ہوئے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کو کوئی روک نہ سکا، کیونکہ فتنہ ہو جانے کا ڈر تھا۔ قسیسین کہتے تھے کہ ہم نے انبیائے سابقین کو انھی کے بیان سے سمجھا اور اولیا کی روش بھی انھی کی روش سے جانا اور یہ کہ اگر وہ مسلمانوں کے محمد وقت تھے تو وہ ہمارے عیسیٰ اور موسیٰ تھے۔ تابوت صبح کو نکلا اور شام کے قریب قبرستان پہنچا۔ راستے میں چھ مرتبہ بیرونی تابوت بدلا گیا اور لوگ لکڑیاں توڑ کر بطور تبرک لے گئے۔ (صاحب المثنوی)

مولانا کو اس بات کا دکھ تھا کہ انھوں نے اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی ہے۔ لیکن ان کی چھوڑی ہوئی یادگاریں خصوصاً مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) کیا کم ہیں۔ یہ بات تو پہلے ہی بتادی گئی ہے کہ مولانا کی شاعری پر حضرت شمس کی صحبت کا اثر ہے۔ آپ اس فن میں شہسواران ادب کو پیچھے چھوڑ کر کوسوں دور آگے نکل گئے۔

دیوان شمس تبریزی: یہ ایک ضخیم دفتر ہے جو غزلیات اور رباعیات وغیرہ اصناف سخن پر مشتمل ہے اکیاون ہزار (51,000) اشعار پر محیط ہے۔ اس میں مراثی بھی ہیں اور دیگر اصناف سخن کی منظومات بھی۔ اس میں شمس تبریزی کے عشق وجدائی کے حالات کے بیانات پائے جاتے ہیں۔

مثنوی معنوی: یہ مولانا روم کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم علیہ السلام کی رہبری وہدایت کے کام آئے گا۔ (بحوالہ سوانح مولانا روم مولفہ مولانا شبلی۔ مفتاح العلوم)۔ یہ علمی وعملی دینیات یعنی فقہ وتصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ فقہ اور تصوف میں کوئی غیریت نہیں۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ اور ''یہ اللہ کی سب سے بڑی فقہ، نورانی شرع اور واضح برہان ہے۔'' بالفاظ دیگر علم دین پر عمل کرنا ہے۔ اس سے شریعت کی تکمیل ہوتی ہے۔

مولانا شبلی نے سورہ نور کی آیت ''مثل نورہ کمشکوٰۃٍ'' سے تشبیہ دی ہے اور آگے چل کر ''جنان الجنان'' یعنی دلوں کی جنت کہا ہے۔ جس کے میوے پاک لوگ کھاتے اور پانی پیتے ہیں اور آزاد لوگ سیر وتفریح کر کے خوش ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گویا مصر کا دریائے نیل ہے کہ قوم موسیٰ کے لیے آب زلال اور فرعونیوں کے لیے خون ہوجاتا ہے۔

اس سے لوگ گمراہ بھی ہوجاتے ہیں اور ہدایت بھی پاتے ہیں۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش اور غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی اور گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو رفع کرتی ہے۔ رزق کو فراخ کرتی ہے اور پاکیزہ اخلاق سکھاتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو بزرگوں اور نیکوکاروں کے ہاتھوں میں رہے گی۔ "لایمسّہَ الّا المُطھرون"۔ اللہ اس کی حفاظت کرے گا۔ اور کہتے ہیں کہ اس طرح یہ کتاب اور بھی کئی صفات کی حامل ہے۔ (تلخیص)

مثنوی شریف ایک بے حد طویل نظم ہے، جو 27720 اشعار پر مشتمل ہے۔ زبان و بیان سادہ اور معنی تہہ دار پائے جاتے ہیں۔ مثنوی کی بحر دلکش اور جنت گوش ہے۔ ترنم سے پڑھتے ہی لوگ مست و بے خود ہو جاتے ہیں۔ یہ مثنوی صنائع و بدائع سے آراستہ و پیراستہ ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ بے شمار اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ مثنوی گویا تصوف کا ہدایت نامہ ہے۔ صوفیا کی مجالس میں مثنوی کے پڑھنے، سنانے اور سمجھانے کا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے۔ خود کتاب میں مولانا کا دعویٰ ہے کہ ''میرے بعد یہ کلام شیخ کا کردار ادا کرے گا اور تا دیر باقی رہے گا۔'' اس کتاب کی حکایات خود مولانا اور ان کے مریدوں کے واقعات سے ماخوذ ہیں۔ مولانا خود کہتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس کتاب کے جملہ بیانات وحدت الوجود کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ جا بجا ''مارمیت اذ رمیت'' کی صدا گونجتی ہے۔ پھر بھی جبر و اختیار کے درباب تقابلی بحث میں اختیار اور جہد کو فوقیت دیتے ہیں:

گر تو کل می کنی دو کار کن
کسب کن و تکیہ برجبار کن

اور ؎

گفت پیغمبر بآواز بلند
بر توکل پایہ اشتر بند

مثنوی کے اشعار کو خون دل کی پیداوار کہتے ہیں جو پستان جاں میں پہنچ کر دودھ کی شکل اور لذت پیدا کرتے ہیں۔ اس کے لیے کسی چشندہ یعنی شیر خوار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ دودھ آسانی سے بہہ نکلے۔ ؎

ایں سخن شیر ست در پستان جاں
بے چشندہ خوش نمی گردد رواں

فرماتے ہیں کہ خالق و مخلوق کے درمیان جان کا پنہانی رشتہ ہے۔ جان حرکت کا سامان ہے

جس سے کائنات کا ہر ذرہ مستقل طور پر متحرک۔ جیسے "فی فلکٍ یسّبحُون" اپنے دائرہ حرکت میں گھوم رہا ہے کبھی جاں جسم میں تبدیل ہوتی ہے کبھی جسم جان میں، جو امر کن کا کرشمہ ہے ؎

گفت باجسم آیتے تاجاں شد او
گفت باخورشید تارخشاں شد او

جسم کو حکم ہوتا ہے کہ جان بن جائے اور سورج کو حکم ہے کہ چمکنے لگے۔ یعنی سارے کاروبار دنیوی کا رشتہ آسمانوں سے ہے۔ مولانا کے مرید معنوی علامہ اقبال جاوید نامہ میں اہل مریخ کی موت کو جسم کے جان میں جذب ہو جانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ پیام مشرق کی رباعی نمبر 152 دیکھیے کہتے ہیں ؎

بجان من کہ جاں نقش تن انگیخت	فارسی مری جاں کی قسم جاں سے بنا تن
ہوائے جلوہ ایں گل رادر رو کرد	ہے ذوق جلوہ سے اس کی دو رنگی
ہزاراں شیوہ دارد جان بے تاب	ہزاروں رنگ ہیں بے تاب جاں کے
بدن گردد چو بایک شیوہ خو کرد	تعین سے ہوئی تخلیق تن کی

غرض یہ کائنات جان اور تن کے گوناگونی مظاہر کے سوا اور کیا ہے۔ اور جان بھی اسرار باری تعالیٰ سے ہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قیصر روم کا ایلچی آتا ہے۔ خلیفہ وقت کو ایک نخل کے سایے میں لیٹے ہوئے دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ احترام و ہیبت کے ملے جلے احساسات دل میں لیے ہوئے ایک فاصلے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سوچتا ہے کیسے کیسے شہنشاہوں کے دربار میں گیا ہوں لیکن یہ خوف یہ گھبراہٹ کہیں نہیں دیکھی۔ یہ ہستی کچھ اور ہی ہے۔ بیداری کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بلا کر پاس بٹھا لیتے ہیں۔ وہ آپ کی گفتگو سن کر کچھ اور ہی عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ سفارت کے فرائض کو پس پشت ڈال کر ایمان لے آتا ہے۔ تاریخی واقعات بیان کرتے ہوئے مولانا روم نے معنویت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مولانا روم ایسے ہی حق و صداقت کے پیکروں اور للّٰہیت کے شیدائیوں کی سیرت کو اپنانے کے لیے پیش کرتے ہیں تاکہ دنیا امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ قیصر روم کا ایلچی بھی حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر حیران وششدر کہ کیا دنیا میں ایسی بھی ہستیاں ہیں کہ جان کے مانند نظروں سے اوجھل پائی جاتی ہیں۔ مولانا روم کی قادر الکلامی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ معرکتہ الآرا لاینحل مسائل کا حل دو دو لفظوں میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

زندگانی کے باب میں فرماتے ہیں ؎

زندگانی آشتی ضد ہاست
مرگ آں اندرمیان شاں جنگ ہاست

یعنی زندگی اضداد کے درمیاں آشتی وصلح اور موت انھی کے بیچ جنگ وتباہ کاری ہے۔

انسان کون ؎

آدمی دیدست وباقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

آنکھ کی پتلی کو بھی انسان کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں آدمی وہ ہے جو حقایق عالم کا ادراک کر سکے اور خالق کائنات کی قدرت دیکھے اور پہچان سکے۔

خالق کائنات کیوں نظر نہیں آتا ؎

نور حق رانیست ضدے در وجود
تا بضد او تواں پیدا نبود

چونکہ نور الٰہی کے مقابل کوئی ضد پیدا نہیں اس لیے نور الٰہی نظروں سے غائب ہے۔

قرآن کیا ہے ؎

ہست قرآں حالہائے انبیاء
ماہیان پاک بحر کبریا

قرآن پاک دریائے کبریا کی مقدس مچھلیوں یعنی انبیائے پاک کے واقعات وحالات کا بیان ہے۔

خالق ومخلوق کی قربت ؎

مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

وہ بادشاہ کی آواز ہے۔ جو بندہ شاہ کے حلق سے نکل رہی ہے۔

حیوان اور انسان میں فرق ؎

مہر و رقت وصف انسانی بود
خشم و شہوت وصف حیوانی بود

جس کسی میں محبت ونرمی ہووہ اوصاف انسانی سے متصف ہے۔اس کے برعکس غصہ وشہوت کا جس کسی کے اوصاف میں غلبہ ہووہ حیوان ہے۔

صحبت کا اثر ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالع ترا طالح کند

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرلے تو نیکوکار بنے اور بدکاروں کی صحبت میں بدکار بنے

ایسے ہی بے شمار اقوال ہیں جو مثنوی کے بحرِ معنوی کے گوہر آبدار بن کر جگمگا رہے ہیں۔

مثنوی شریف امن اور انسانیت کا الہامی صحیفہ ہے۔ اس میں مادی، روحانی اور اخلاقی موضوعات کی بھرمار ہے۔ الفاظ ومعنی شیر وشکر بن کر ذہن میں حل ہوتے نظر آتے ہیں اور قاری پر سرور ومستی کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ یہ مثنوی کی خاص خصوصیت ہے۔ یہ کلام الہامی زبان سے آراستہ ہے۔ اس کے بارے میں مولانا خود فرماتے ہیں کہ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھ سے کہلوایا جارہا ہے۔

اب تک اس انسانی معاشرے کے سدھار کے لیے کتنے پیغمبر آئے، کتنے صحیفے لائے، امن، سلامتی اور عدل وانصاف کے پیغامات سنا کر جگایا، لیکن یہ انسان جاگتا بھی ہے تو پھر کچھ ہی دیر بعد سو جاتا ہے:

ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

مادیت کے مارے انساں روحانیت سے بیگانہ ہوجاتے ہیں اور اپنی حرص وشہوت کی آگ میں خود جل کر دنیا کو جلا دینے پر ڈٹ جاتے ہیں۔ تیروں کی سرسراہٹ کا زمانہ گیا۔ تیغ وتفنگ کی

ریس بھی ہار گئی۔ نئی نئی تحقیقات ہونے لگیں اور ذرات کی باری آئی تو ان کو توڑ کر ان کے اندر قدرت کی مقید کردہ جوہری قوت کا غلط استعمال کر کے ہیروشیما اور ناگاساکی کی قیامت خیز تباہی کا نمونہ دکھلایا گیا۔ آج ہر طرف میزائیلوں کی ریس جاری ہے تاکہ گھر بیٹھے دور دور کے مقامات اور آبادیوں میں معصوموں، بھلوں بروں سب کو بلا امتیاز موت کے گھاٹ اتار دیں۔ 21 ویں صدی میں اسلامی ممالک ظالموں اور غارت گروں کا خصوصی ہدف بنے ہوئے ہیں۔ آج کل شام و عراق میں نسل کشی جاری ہے۔ آج بھی انسان دوست دانشمندوں کے ادارے اس پر روک لگانے میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کامیاب ہو جائیں۔

مثنوی شریف کی تصنیف کو آٹھ سو سال پورے ہوئے۔ مولانا روم کا دعویٰ کہ یہ کتاب زندہ ہے زندہ رہے گی، انسانوں کی ہدایت کے کام آئے گی، سچ ہوا۔

اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو نے 2007 میں مثنوی کی آٹھ سو سالہ سالگرہ کا اہتمام کیا تو انجانوں کو ہوش آیا اور لوگوں کی توجہ اس طرف مائل ہوئی۔ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی مثنوی مولانا روم کی دھن لگی۔

سال 2004 میں بنگلور شہر میں The World Sufi Centre کی بنیاد ڈالی گئی سوائے ماہ رمضان کے بلاناغہ ماہانہ مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ جناب سید لیاقت پیران مرکزی عدلیہ کے وظیفہ یاب جج ہیں وہ صوفی سنٹر کے مستقل رکن اور سرپرست ہیں۔ ماہانہ رسالہ "صوفی ورلڈ" کے مدیر و مولف ہیں۔ ان کے مکان پر مسلم و غیر مسلم، ملکی و غیر ملکی دلدادگان تصوف اور رومی روحمۃ اللہ علیہ خاص بیٹھکوں میں حاضر ہونے لگے ہیں۔ اللہ اس میں برکت عطا فرمائے۔

لگتا ہے قرآن پاک اور مثنوی شریف کی عام اشاعت کے دن آ گئے! کاش ان صحیفوں کے تراجم اور شرحیں سب کو ان کی اپنی زبانوں میں حاصل ہوں۔ مثنوی کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے خوب فرمایا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

اور یہ بھی کہا کہ "نیست پیغمبر و لے دارد کتاب۔"

میں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر بشیر احمد خاں، کیلی فورنیا، لاس اینجلس سے سنا ہے کہ وہاں کوئی صاحب مثنوی پر کام کرتے ہوئے اس کے پیغامات کو عام کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اور امریکنوں میں رومی کی طرف رغبت بڑھتی جا رہی ہے۔

میں نے مثنوی کے اردو میں منظوم ترجمے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ سب سے پہلا فارسی شعر جو اتفاقاً مجھے ازبر ہو گیا وہ مولانا کی مثنوی کا ہی شعر تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ علامہ اقبال جن کی ساتوں فارسی کتابوں کا میں نے منظوم اردو ترجمہ کیا ہے، وہ خود کو مولانا کا مرید معنوی تصور کرتے تھے۔ اسی باعث میں علامہ کے ترجمے کے بعد 1982 میں مثنوی کی طرف متوجہ ہوا، اور 1992 تک پانچ جلدوں کا ترجمہ کیا۔ پہلی جلد مع متن اور باقی بلا متن۔ 2014 میں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد پہلی چار جلدوں کے تراجم کو متن سے جوڑا، اور چھٹی جلد کو مع متن 2016 میں پورا کیا۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لیکن چاٹ جو لگ گئی سو کام کرتے چلا گیا۔ اس کام میں مولانا قاضی سجاد حسین کا نثری ترجمہ اور مولانا مولوی محمد نذیر صاحب چشتی نقشبندی کی مفتاح العلوم سے کافی مدد حاصل ہوئی۔ پھر بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کوئی کام کیا ہے۔ البتہ کچھ کام کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ خداوند تعالیٰ میری محنت کو قبول فرمائے۔ آپ بھی دعا کیجیے۔

نوٹ: ضرورت شعری کے پیش نظر بعض الفاظ کو تخفیف کے ساتھ برتا گیا ہے۔ مثلاً:

گواہ	کے لیے	گواہ	چاہ	چہ
کوہ		کہ	کوتا	کوتہ

کم مایہ ناچیز
سید احمد ایثار

تمہید: خطاب بہ حسام الدین

نورِ انجم شمع حسام الدین اب
دفترِ پنجم کی کرتے ہیں طلب

اے ضیاء الحق حسام الدینؒ شاد
اے کہ اربابِ صفا کے اوستاد

گر نہ ہوتے لوگ محجوب و کثیف
اور نہ ہوتے دائرے تنگ اور ضعیف

حق تمھاری مدح کا کرتا ادا
اور نہ کرتا بات کچھ اس کے سوا

کیوں ممولا کھائے لقمہ باز کا
تیل پانی کو جدا کرنا پڑا

قیدیوں میں رہ گئی تیری ثنا
میں کروں گا در حضورِ اولیا

دھوکا تیری شرح در اہلِ جہاں
رازِ عشق اندر مرے دل کے نہاں

مدح ہے تعریف و تخریقِ حجاب
کب ہے محتاجِ تعارف آفتاب

مدح سے سورج کی مطلب ہے یہی
قابلِ نظّارہ ہیں آنکھیں مری

ذم ہے سورج کی مذمت اپنی ہی
یہ کہ آنکھیں اندھی اور بد ہیں مری

بخش اس کو جو ہے حاسد در جہاں
وہ ہے حاسدِ آفتاب کامراں

کون چھپ سکتا ہے اس کی آنکھ سے
تازگی بوسیدہ کو اس سے ملے

نہ گھٹائے اس کا نورِ بے شمار
نہ مٹائے اس کی وقعت یا وقار

جو بھی حاسد ہے بزرگوں کا اُسے   مرگِ جاویداں حسد اس کا بنے
ماورائے عقل ہے رتبہ ترا   عقل میں دم کب ہے تیری شرح کا
عقل گو معذور ہے اظہار سے   ایک جنبش عاجزانہ چاہیے
جو بھی شئے پوری طرح حاصل نہ ہو   چھوڑی جائے گی نہ پوری جان لو
گو نہیں پی سکتے طوفانِ سحاب   ترک کیوں کر ہو سکے گا شرب آب
آبِ دریا پی نہیں سکتے تمام   تابہ حدِّ تشنگی پینا ہے جام
راز لانا درمیاں مشکل ہے گر   یادیں تازہ اس کے چھلکے ہی سے کر
تیرے آگے باتیں چھلکا ہیں بجا   مغز اہلِ فہم کو کافی ملا
عرش کی نسبت فلک نیچے سہی   خاک کی نسبت سے اونچا ہے وہی
وصف کی ہے میں نے تا وہ راہ پائیں   اور بعدِ فوت پچھتانے نہ پائیں
نورِ حق اور آپ ہیں جذّابِ جاں   خلق وقف ظلمت و وہم و گماں
چاہیے تعلیم نورِ نیک وہ   سرمہ تا نادیدہ گوں کے حق میں ہو
سخت کوشش جو کرے وہ نور پائے   ورنہ جیسے ظلمتوں میں چھپ جائے
نور حاصل کر حریفِ تیز کوش   جستجو ظلمت میں کیوں مانندِ موش
رات میں محوِ تگ و دو کم نظر   مشعلِ ایماں سے ہیں وہ دور تر
نکتے یہ دشوار ہیں باریک ہیں   دیں ندیدہ، ان کے دل تاریک ہیں
ٹھیک کرلیں اپنے تار و پود کو   آنکھ وا خورشید کے آگے نہ ہو
ڈالیاں جوں نخل لانے سے رہا   موش جوں سوراخیں کرتے چل دیا

تفسیر ''فَخُذْ اَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ'' پکڑو چار پرندے پھر ان کو اپنی طرف بلاؤ

چار خو اِنساں کا دل دیتی ہیں داب   عقل پر ہے ان سے چومیخا عذاب
تو خلیل وقت، تو خورشید وار   چار یہ طائر ہیں رہزن ان کو مار

ان میں ہر اک مرغ کوّے کی مثال
عقل کا دیدہ وہ لیتے ہیں نکال

چار وصفِ تن یہ مرغانِ خلیل
ذبح ہو جائیں تو جاں پائے سبیل

نیک و بد سب سے خلاصی کے لیے
سر قلم کر پاؤں چھوٹے بند سے

سب تو ہی، یہ سارے اجزا ہیں ترے
ان کے پاؤں ہیں بندھے تو کھول دے

تجھ سے ہوگا سارا عالم روح زار
پیچھے سو لشکر کے حامی اک سوار

بستے ہی اس تن کے اندر چار خُو
نام ان کا چار مرغِ فتنہ جو

چاہے سب کے واسطے عمرِ ابد
کاٹ سر چاروں کا یہ ہیں شوم و بد

پھر انھیں کر زندہ ازروئے دِگر
تا نہ ہوں ان کے لیے وجہِ ضرر

مرغِ باطن چار ہیں وہ راہزن
دل کو لوگوں کے بنائے ہیں وطن

گر دلوں پر حکمرانی ہو تری
ہے خلیفۂ حق بدوراں خود تو ہی

قتل کر ان چار مرغِ زندہ کو
جاوداں کر خلقِ ناپائندہ کو

مور، بط، کوا بھی مرغا خانگی
گھر ہے ان چاروں کا نقشِ آدمی

حرص بط شہوت ہے مرغ خانگی
جاہ مور اور کوّا میں پن کا دھنی

کوّے کا میں پن بڑا امید ساز
طمع یہ پائے گا وہ عمرِ دراز

حرص بط ہے چونچ مٹی میں دھنسی
چھانتی ہے خشک و تر اندر چھپی

چپ نہیں اک لمحہ بھی اس کا گلا
چاہیے اس کے لیے بس حکم ''کھا''

اک لٹیرے کی طرح وہ گھر کو ڈھائے
جو بھی دیکھے زود تھیلے میں دبائے

خوب و ناخوب اپنی جھولی میں بھرے
دانے موتی کے ہوں یا ہوں وہ چنے

یوں نہ ہو آئے کوئی باغی دِگر
اپنی جھولی میں بھرے جو خشک و تر

تھوڑی فرصت، وقت کم اور دل میں ڈر
جو ملا اس کو سمیٹا زود تر

کچھ بھروسہ اپنی قوت پر نہیں
ڈر نہ آجائے دگر ڈاکو کہیں

چوں کہ مومن کو ہے عقبیٰ کا یقیں
لے گا وہ غارت سے بھی چن کر وہیں

خوف لٹنے یا لٹیرے کا نہیں
دشمنوں پر قہرِ حق کا ہے یقیں

مطمئن خود اپنے ہمراہوں سے بھی
اور مزاحم سے نہ ہوگا کچھ کبھی

ہے نشاں عدلِ شبر ''ضبطِ حشم''
ایک دیگر پر نہیں کرتا ستم

پرسکوں سب ان میں بے چینی نہیں
ہر کسی کو حظ اٹھانے کا یقیں

پُر تامّل اور با صبر و شکیب
چشم سیر و با اثر اور پاک جیب

ان کی دیری پرتوِ رحمٰن ہے
غل غپاڑہ شادیِ شیطان ہے

فقر سے شیطاں دلاتا ہے حذر
صبر کے پاؤں کو رکھّے کاٹ کر

سن ذرا قرآں سے شیطاں کی وعید
فقر سے تنبیہ کرتا ہے شدید

بد کھائے، کھائے بد اور ہو خراب
نے تحمل، نے مروّت، نے ثواب

کھائے کافر سات پیٹوں کی غذا
دین و دل کمزور پیٹ اس کا بڑا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث اَلْکَافِرُ یَاکُلُ فِیْ سَبْعَۃِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤمِنُ یَاکُلُ فِیْ مَعِیَ وَاحِدٍ کے وارد ہونے کا سبب کہ کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک انتڑی میں کھاتا ہے

چند کافر آپؐ کے مہماں جو تھے
مسجدِ نبوی میں آئے دن ڈھلے

اے شہاؐ ہم آپ کے ہیں میہماں
آپ مہماں دارِ سکّانِ جہاں

دور سے آئے ہوئے ہم بے نوا
فیض کا چھڑکاؤ ہو ہم پر ذرا

اپنے ان یاروں کو دیکھے مصطفیٰؐ
دست گیر جملہ شاہان و گدا

بولے ان کو بانٹ لو اے دوستو
میری خو سے مجھ سے تم معمور ہو

جسم ہر لشکر کے ہیں شہ سے بھرے
شاہ کے اعدا پہ تیغ ان کی چلے

جنگ کرتا ہے تو خشم شاہ سے
ورنہ کیوں تلوار بھائی کے لیے

گرز دس من کا چلائے بھائی پر
شاہ کے ہی غصہ کا ہے وہ اثر

شہ کی اب جاں سارے لشکر میں رواں
جاں جوں پانی تن کی نس نس میں دواں

روحِ شیریں ہے اگر اس شاہ کی
ہوں گی نہریں میٹھے پانی سے بھری

دینِ شہ، دینِ رعیّت ہے سدا
اس طرح فرمائے شاہِ دوسراؐ

ایک مہماں ہر صحابی نے لیا
ان کے اوپر ایک سرکش تھا بڑا

بس وہ بھاری جسم والا رہ گیا
جیسے تلچھٹ بیچ کے مسجد میں رہا

لے گئے اس کو نبیؐ جو بچ رہا
سات دودھی بکریوں کا گلہ تھا

بکریاں تھیں دودھی دوہنے کے لیے
خوان جب بھی کھانا کھانے کو بچھے

روٹی، سالن اور وہ جو کچھ بھی تھا
قحط کا مارا سبھی چٹ کر گیا

جملہ اہلِ بیت غصہ ہوگئے
طمع وابستہ تھی ان کی دودھ سے

پیٹ اس پیٹو کا طبلہ ہوگیا
کھانا اٹھاروں کا تنہا کھا چکا

اور جب سونے کو حجرے میں چلا
باندی نے در بند غصّہ سے کیا

کنڈی باہر در کی اس نے ڈال دی
کیوں کہ اس پر غصہ تھی، رنجیدہ بھی

صبح تک کافر وہ آدھی رات سے
درد کھایا رفعِ حاجت کے لیے

بھاگا در کی سمت بستر چھوڑ کر
کھولنا چاہا تو پایا بند در

ہر طریقہ آزمایا کھولنے
پھر بھی دروازہ نہ پایا کھولنے

تھا تقاضے پر تقاضہ تنگ گھر
کچھ علاج اس کا نہ آتا تھا نظر

آخر اک تدبیر ٹھانی سوگیا
خواب میں تنہا تھا وہ ویرانہ تھا

اس کے ہی باطن میں وہ ویرانہ تھا
خواب اس کو وہی دِکھنے لگا

دیکھا ویرانے میں تنہا تھا وہی
خود کو حاجت سے کیا اس نے بری

جاگ کر دیکھا وہ اپنا جامۂ خواب
ہوگیا بے تاب بستر تھا خراب

دل میں چیخیں بار بار اٹھنے لگیں
ہائے رسوائی کہ چھپنے کی نہیں

خواب سے بدتر یہ بیداری مجھے
نیک عمل ابتر مرا بدکاری سے

اے ہلاکت اے تباہی دی صدا
شور کافر جس طرح روزِ جزا

مضطرب کب ہوگا شب کا خاتمہ
تا سنے دروازہ کھلنے کی صدا

جوں کماں سے تیر غائب ہو شتاب
تا نہ ظاہر اس کا ہو حالِ خراب
طول ہے قصہ کروں میں مختصر
غم سے چھوٹا ہوگیا باز در

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان کے لیے حجرے کا دروازہ کھولنا اور اپنے آپ کو چھپالینا تاکہ وہ دروازہ کھولنے والے کی پرچھائیں کو نہ دیکھے اور شرمندہ ہو اور بے دھڑک باہر چلا جائے

کھولے دروازہ سحر دم مصطفیؐ
کھل گئی گمراہ کو رخصت کی راہ
کھول کر دروازے کو خود چھپ گئے
تاکہ وہ شرمندگی سے بچ سکے
آئے گستاخانہ تا باہر چلے
کس نے در کھولا نہ ہو معلوم اُسے
چھپ گئے دیوار کے پیچھے و یا
خود چھپایا ان کو دامانِ خدا
صبغت اللہ گاہ پوشیدہ کرے
پردۂ بے کیف ناظر پر پڑے
تا نہ ہو پہلو میں دشمن کو جگہ
قدرتِ یزداں سوا، اس سے سوا
رات اس کا حال دیکھے مصطفیؐ
پر تھا مانع ان کو فرمانِ خدا
صبح سے پہلے وہ رستہ نا کھلے
تا فضیحت سے نہ چہ میں جا گرے
پر یہ حکمت تھی یہ تھا حکمِ خدا
کہ ہو اس کو علم اپنے حال کا
دشمنی خود دوستی اکثر ہوئی
باعثِ تعمیر بربادی ہوئی
دیکھا جب کافر نے دروازہ کھلا
گھات سے آہستہ بھاگے چل پڑا
لتھڑا ناپاکی میں جامہ اک فضول
لایا قصداً بعد میں پیشِ رسولؐ
دیکھو مہماں نے تمھارے کیا کیا
ہنس دیے اُس پر محمدؐ مصطفیٰ
بولے لے لے آفتابہ جا ابھی
اپنے ہاتھوں سے میں دھو ڈالوں سبھی
ہر کوئی کہتا تھا از بہرِ خدا
ہیں ہمارے جسم و جاں تم پر فدا
بولے وہ دھوئیں گے اس کو چھوڑیے
کام ہاتھوں کا ہو کیوں دل کے لیے
عمرِ والاؐ کی قسم کھائے خدا
اور کرسیِ خلافت کی عطا

جیتے ہیں ہم تیری خدمت کے لیے کاہے کو ہم تو اگر خدمت کرے
بولے ہاں پر اہمیت ہے وقت کی میرے خود دھونے میں حکمت ہے بڑی
چپ ہوئے سن کر کہ ہے قولِ نبیؐ دیکھیں کیا ہے بات اس میں بھید کی
جدّ سے پس آپ ہی حدث دھوتے رہے امرِ حق کب تھا دکھاوے کے لیے؟
کہہ رہا تھا دل انھیں دھو اس کو تُو کیوں کہ اس میں حکمتیں ہیں تو بتو

اس مہمان کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اس وقت واپس آنے کا سبب جس وقت وہ سنے ہوئے نہالچوں کو اپنے دست مبارک سے دھورہے تھے اور اس کا اپنے اوپر اور اپنی حالت پر شرمندہ ہونا اور کپڑے پھاڑنا رونا اور مسلمان ہوجانا

بت تھا اس کافر کے پاس اک یادگار اس کو گم پاکر ہوا وہ بے قرار
بولا کل جس جائے کی ہے شب بسر بت کو چھوڑا بھول کر میں نے اُدھر
حرص سے شرمندگی جاتی رہی اژدہا ہے حرص، ہوتی ہے بڑی
بس کہ اس بت کے لیے بھاگے چلا مصطفیٰؐ کے گھر میں وہ پایا گیا
چشمِ بد دور آپؐ ہی وہ گندگی دھو رہے تھے دستِ اقدس سے نبیؐ
بھولا ہیکل اور چلّانے لگا چاک وحشت سے گریباں کو کیا
پیٹا سر کو منھ کو دونوں ہاتھ سے سر لگا دیوار و در سے پھوڑنے
یوں کہ ناک اور سر سے خوں بہنے لگا مصطفیٰؐ کو رحم اس پر آگیا
اس کے نعروں سے کھنچ آئے لوگ ادھر لب پہ کافر کے تھا جاری الحذر
سر کو پیٹا بولا اے بے عقل سر کوٹا سینہ کہہ کے اے بے نور گھر
گر کے سجدے میں اے کُل زمیں شرم کا مارا ہوا ہے کمتریں
ہو سراپا آپ اس کے حکم پر جز و میں باغی و ظالم سر بسر
آپ کُل ہوکر بھی ڈر اللہ کا جزو میں اور کافر و سرکش ہوا
دیکھتا ہر لمحہ سوئے آسماں میں ہوں بے رو، قبلہ وہ بہرِ جہاں

جب تڑپ اور لرزہ حد سے بڑھ گیا
بھینچ کر اس کو سنبھالے مصطفیٰؐ

اس کو تھامے اور کیں دلجوئیاں
دی بصارت اور فہم حق رساں

تا نہ روئے ابرِ گلشن کیوں ہنسے
کیسے دودھ ابلے جو بچہ رو نہ دے

تو نہ جانے دایہ اور دایوں کو بھی
دودھ بے گریہ نہیں دیتیں کبھی

خوب رونے کے لیے حق نے کہا
دودھ اپنے فضل سے ٹپکائے گا

تابشِ خورشید یارانِ سحاب
ہیں ستو دو تاروں کو دیتے ہیں تاب

ہے ضرورت دھوپ کی بارش کی بھی
ورنہ تن کیوں ہوں گے موٹے اور قوی

دیکھنے پاتے نہ ہرگز چار فصل
یہ جلن اور گریہ گر ہوتے نہ اصل

گرمی و سورج و گریہ ابر کا
ان سے با رونق ہے دنیا کی فضا

آفتابِ عقل کی تابش رہے
اور برستی آنکھ کی بارش رہے

چشم تر جوں طفل تجھ کو چاہیے
روٹی مت کھا تیرا بچپن چھین لے

جسم کو اس سے بہارِ جاوداں
اور اس سے شاخِ جاں رہنِ خزاں

تن کی شادابی خزاں سے بہرِ جاں
اس کو گھاٹا اور اسے قوت رساں

قرض دے اللہ کو زورِ بدن
تاکہ ہو اس سے زمینِ دل چمن

قرض دے اور جسم کے لقمے گھٹا
پائے تا ان دیکھے چہرے کی لقا

جب کہ فضلہ سے بدن خالی ہوا
موتیوں سے مُشک سے بھر جائے گا

تن جو فضلہ سے خلاصی پائے گا
حق سے پاکی پانا ہے اس کی جزا

دیو دھمکاتا ہے تجھ کو ہاں وہاں
ہوگا رسوا اور بنے صید غماں

گر ہوس میں جسم کو پگھلائے گا
تو پشیماں ہوگا اور غم کھائے گا

کھالے یہ ہے گرم و داروئے مزاج
پی اسے لے نفع دے گا ، یہ علاج

یہ بدن تیرا سواری ہے تجھے
اس کی عادت خوب ہے اس کے لیے

خو جو بدلے اس میں پائے گا زیاں
اس سے پیدا ہوں گی سو بیماریاں

خلق کو دیتا ہے ایسی دھمکیاں
ایسے منتر سیکڑوں اس کے یہاں

خود کو جالینوس کرلیتا ہے وہ
تا کہ دھوکہ دے وہ تیرے نفس کو
وقتِ درد و غم ہے اس میں فائدہ
یوں فریب آدمؑ کو گندم سے دیا
کرتا ہے افسوس بھی، ہیہات بھی
کھولنے دے گا نہ منھ تجھ کو کبھی
جیسے لب گھوڑے کے باندھیں وقتِ نعل
کر دکھائیں سنگ بے وقعت کو لعل
تجھ کو پکڑے اسپ کو جوں کان سے
اور چلے کھینچے کمائی کے لیے
نعل شک کی تیرے پاؤں میں جڑے
تا کہ تو چلنے نہ پائے درد سے
نعل تیری ہے تردد وقتِ کار
یہ کروں یا وہ کروں میں ہوشیار
کام وہ کر جو ہے مقبولِ نبیؐ
وہ نہ کر کرتا ہے جو پاگل کوئی
حُفَّتِ الْجَنَّةُ تو جنت ہے ڈھنپی
ناخوشی سے تا زیادہ ہو خوشی
حیلے منتر سیکڑوں معلوم اسے
ٹوکری میں اژدہوں کو بھی بھرے
روکتا ہے بند سے سیلِ رواں
کھیل اسے جو بھی ہو استادِ زماں
کوہ کو جوں کہ بہائے لے چلے
اور نمائش اپنے غلبہ کی کرے
عاقلوں سے عقل کی یاری رہے
باہمی میں مشورت سے کام لے

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عرب مہمان کو نوازنا اور اس کو اضطراب اور رونے اور اس نوحہ سے تسکین دینا جو وہ شرمندگی اور ندامت و ناامیدی کی آگ کی وجہ سے اپنے اوپر کررہا تھا

اس سخن کی حد نہیں ہے، وہ عرب
لطف شہ تھا اس کو حیرت کا سبب
بے خرد، دیوانہ ہوجانے کو تھا
تھاما اس کو دستِ عقلِ مصطفیٰؐ
بولے آنے ، آگیا ویسے ہی وہ
جیسے گہری نیند سے جاگ اٹھا ہو
بولے سودا چھوڑ خود میں آ ذرا
تجھ سے ہونے ہیں بہت کام اس جگہ
پانی چھڑکے منھ پہ وہ کہنے لگا
کلمہ دینِ حق کا پڑھوا دو ذرا
تا گواہی دے کے باہر آؤں میں
اور آبادی سے صحرا جاؤں میں

یہ ہے قاضیِ قضا کا آستاں   یہ تو ہے قالو بلیٰ کا امتحاں
جو بلا بولے تھے اس کا امتحاں   ہیں گوا سب قول وفعل اپنے یہاں
کیوں رہیں قاضی کے در پر بندلب   کیا گواہی کو نہیں آئے ہیں سب
در پہ قاضی کے یوں ہی کب تک بھلا   دے دے پہلے ہی شہادت اے گوا
تجھ کو لائے ہیں یہاں پر اس لیے   کہ شہادت دے بغاوت سے بچے
اپنے غصہ میں ہے تو کھویا ہوا   مہر بر لب، دست بستہ مبتلا
دے نہ جب تک تو گواہی اے شہید   اس جگہ سے چھوٹنے کی کیا امید
کام اک لمحہ کا یہ کر گذر   نہ بڑھا پہ کام تو ہے مختصر
چاہے لے سو سال چاہے لمحہ بھی   خوش ہو لوٹا کر امانت آپ ہی

اس کا بیان کہ نماز، روزہ وحج اور ظاہری تمام چیزیں باطنی نور کی گواہ ہیں

یہ نماز و روزہ و حج و جہاد   سب شہادت ہے براہِ اعتقاد
یہ زکوٰۃ، ہدیہ، حسد سے احتراز   اپنے باطن پر گواہی ہے براز
میزبانی خوان اظہار عجز کا   اے بزرگو ہم تمھارے ہیں بجا
ہدیہ، تحفے اور نذرانے سبھی   ہے نشان اس کا کہ تم سے ہے خوشی
دینے والا مال ہی دے یا دعا   سمجھے اندر اپنے ہیرا ہے چھپا
میری دولت کیا ہے تقویٰ یا سخا   یہ زکوٰۃ و روزہ ہیں اس کے گوا
در حقیقت روزہ ہے ترکِ حلال   ناروا سے پھر تو قربت ہے محال
اور زکوٰۃ اس کی گواہ جو مال دے   مال اہلِ دیں کا کیوں چوری کرے
وہ اگر جتلائے ہوں دونوں گوا   ہوں گے زخمی پیشِ انصافِ اللہ
ہے شکاری گو کرے دانہ نثار   رحم وہ کاہے کا، ہے مہرِ شکار
بلّی روزوں میں رہی ہے روزہ دار   ڈھونگ سونے کا کرے بہرِ کار
بدظن اس کی ٹیڑھ سے تو میں کئی   صائم و اہلِ سخا رسوا سبھی

گرچہ اس میں پائی جاتی ہے کجی
فضلِ حق کر دے گا پاک اس کو سبھی

اس کی رحمت کو ہے سب پر برتری
مات عطائے نور سے خود بدر بھی

صاف اس کی سعی کو حق نے کیا
غسل اس کو اپنی رحمت سے دیا

اپنی غفاری وہ تا ظاہر کرے
سب گناہ اس کی خطائیں بخش دے

پانی کا تمام ناپاکیوں کو پاک کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کا پانی کو ناپاکی سے پاک کرنا

پانی برساتا ہے اللہ ابر سے
تاکہ ناپاکوں کو پاکی مل سکے

مفت ہوجائے اگر پانی نجس
جس کے باعث ردکرے پانی کوحِس

اس کو بحرِ صاف میں ڈالے خدا
تاکہ ہو پانی سے پانی با صفا

سالِ دیگر آئے با ناز و ادا
تھا کہاں؟ بولے بہ بحرِ پُر صفا

میں نجس ہوکر گیا، آیا ہوں پاک
پائی خلعت میں نے آیا سوئے خاک

اے پلیدو آؤ میرے پاس ہاں
خوئے حق اپنا کے آیا ہوں یہاں

سب پلیدی آپ کی لے لوں گا میں
بھوت کو پاکی مَلَک کی دوں گا میں

ہوکے آلودہ اسی جا جاؤں گا
پاکی اصلِ اصل میں میں پاؤں گا

گندی گدڑی جائے گی سر سے اتر
پاک خلعت دے گا وہ بارِ دگر

کام اُس کا یہ ہے اور میرا یہی
کارِ رب یہ عالم آرائی سبھی

گندگی ہم سے نہیں ہوتی اگر
کرتا پانی کارنامہ یہ کدھر

کرکے چوری لائیں زر کی تھیلیاں
پھرتا ہرسو ہوں کہ مفلس ہے کہاں

تاکہ ہریالی پہ برسائے اسے
بے وضو کا چہرہ تا دھلوا سکے

بوجھ اٹھائے سر پہ اک عمّال سا
میں چلاؤں کشتیِ بے دست و پا

ہیں دوائیں بے شمار ان میں نہاں
کہ دوائیں ان سے پیدا ہیں یہاں

ہر دلِ دانہ ہے ہر اک دکھ کی جاں
جوں دوا خانہ ہے دھارے میں رواں

اس سے پلتے ہیں زمیں والے سبھی
اور چلنے کی سکت پیاسوں کو بھی

پانی کا گدلا ہونے کے بعد حضرت حق تعالیٰ سے مدد چاہنا اور اللہ تعالیٰ کا پانی کی دعا قبول کرنا

بے نوا بن کر وہ حیرت میں چلے — جیسے ہم حیراں زمیں میں ہو رہے
اس کے باطن سے یہ آئے گی صدا — جو دیا، سب دے دیا، ہوں پھر گدا
پاک و ناپاک ہوگئے سب مستفید — دینے کو داتا ابھی ہے کچھ مزید
ابر کو بولے کہ جا اچھی جگہ — بولے سورج سے اسے اوپر اٹھا
مختلف رستوں پہ لے جائے اُسے — بحر بے حد تک وہ تا پہنچا سکے
آب یہ ہے آبِ جانِ اولیا — جو تمھاری تیرگی کو دھوئے گا
غسلِ اہلِ فرش سے دھوون جو ہو — عرشِ پاکی بخش کو جائے گی وہ
لاتی ہے دامن کو پھیلائے ہوئے — لائے پاکی دُر لٹانے کے لیے
سب کو کرتا ہے تیمّم سے رہا — طالبان قبلہ کو قبلہ ملا
خلق سے مِل جل کے جب ہو پُرملال — ہے سفر کا وقت اَرحنا یا بلال
چڑھ بلالِ خوشنوا مینار پر — کارواں میں کردے اعلانِ سفر
جاں سفر میں ہے بدن اندر قیام — اس لیے رخصت پہ کہتی ہے سلام
یہ مَثَل ہے واسطہ بہرِ کلام — واسطہ لازم ہے بہر فہم عام
جائے کیوں وہ آگ میں بے واسطہ — اک سمندر ہے، نہ چاہے رابطہ
اک ذریعہ چاہیے لو حمام کا — تا اٹھائے آگ سے تو فائدہ
آگ میں جانا ہو گر مثلِ خلیلؑ — ہے نبی حمام اور آیت دلیل
سیری دین اللہ کی لیکن بشر — جز بہ ناں ہو سیر ممکن ہے کدھر
لطف ہے حق سے ہی لیکن اہلِ تن — ہوں گے حظ نادیدہ بے صحنِ چمن
بیچ سے تن کا جو ہٹ جائے حجاب — پیرہن سے پائے نورِ ماہتاب

بیرونی قول وفعل کا دل اور اندرونی نور پر گواہی دینا

یہ ہنر پانی کے اندر ہے بجا — اس کے باطن میں ہے نورِ حق بھرا
قول بھی افعال باطن پر گوا — حال باطن کا تو ان سے پائے گا
سیَر سے ظاہر نہ ہو گر اندروں — بولِ علت جانچ کر دیکھ از بروں
بول قول و فعل جوں رنجور کے — جیسے برہاں چارہ گر کے واسطے
وہ طبیبِ روح چھانے جان کو — پہنچے جاں کی راہ سے ایمان کو
قول وفعل ان کے لیے کس کام کے — قلب کے جاسوس وہ ڈر چاہیے
اس کے قول و فعل کا شاہد وہی — اس کی دریا سے ہے کیا وابستگی
قول وفعل اس کے ہیں خود اس کے گوا — دیکھ وہ دریا سے ہے کیوں کر مڑا
دیکھ اس کے قول کو افعال کو — دل میں اپنے رکھتا ہے کیا راز جو
کس قدر روشن ہے کیا اس کا مقام — وہ سخی ہیں یا کہ ہے دانہ بدام
دور رہ اس سے شکاری ہے اگر — ہو نہ مفتوں اس کے قول وفعل پر
گر ہے سچا ہاتھ سے اس کو نہ دے — تا نہ دریاؤں میں پہنچائے تجھے

اس کا بیان کہ وہ خدائی نور جو خود کو عارف کے باطن سے بغیر عارف کے فعل کے اور بغیر عارف کے قول کے لوگوں پر ظاہر کرے وہ اس نور سے بڑھا ہوا ہے جو اس کے فعل اور قول سے ظاہر ہو جیسا کہ جب سورج نکلتا ہے تو اس کو مرغے کی اذان اور مؤذن کے بتانے اور دوسری علامتوں کی ضرورت نہیں ہوتی

نور سالک کا جو ہے حد سے سوا — دشت و صحرا میں سبھی ہے وہ بھرا
کس لیے اس کی شہادت کو گوا — در تکلف و دلیری و سخا
اس کے گوہر کی چمک ہے خود نما — مکر کو اس میں نہیں کوئی جگہ
تو گواہی قول و فعل ان سے چاہ — دو جہاں اس سے ہیں جوں گل لب کشا

یہ گواہی کیا ہے اظہارِ نہاں — قول یا ہو فعل یا وہم و گماں
راز جوہر کا عرض سے ہے عیاں — ہے عرض گزراں و جوہر جاوداں
کب تلک زر کا کسوٹی پر نشاں — زر ہے نامی ہوگا بے شک و گماں
یہ نماز اور یہ جہاد اور یہ صیام — سب فنا ، باقی رہے جاں نیک نام
جاں سے قول وفعل ہوتے ہیں عیاں — یہ ہے آمر حق پہ جاں کا امتحاں
ٹھیک عقائد ہیں مرے یہ ہے گواہ — شاہدوں کے درمیاں ہے اشتباہ
تزکیہ لازم گواہوں کے لیے — تزکیہ اخلاص، اقامت ہے اسے
حفظ لفظوں کا ہو قولی کے لیے — حفظ پیماں کا ہو فعلی کے لیے
گر غلط ہو قولِ قائل ہوگا رد — اور فاعل ہو غلط اور تو ہے بد
قول وعمل دونوں میں یکسانی رہے — تا پسند اہلِ زماں کو آسکے
منتشر کوشش تناقص کا سبب — سینا دن بھر پھاڑ دینا وقتِ شب
نا برابر شاہدی کس کام کی — حکم ہوگا بر بنائے دوستی
کرتے ہیں قول وعمل باطن عیاں — فاش دونوں کرتے ہیں سرِّ نہاں
تزکیہ پر شاہدی مقبول ہو — ورنہ پھر انجام بس ٹھہرے رہو
وہ بھی جھگڑیں تو کرے جھگڑا اگر — ساتھ ان کے انتظاری تو بھی کر

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مہمان پر کلمۂ شہادت پیش کرنا

اس سخن کی حد نہیں آخر رسولؐ — پیش ایماں کردیے بہرِ قبول
اس شہادت کی ہیں اچھی برکتیں — کھل گئیں، اس کی جو کچھ تھیں بندشیں
ہوگیا مومن تو بولے مصطفیٰؐ — آج کی شب بھی تو مہماں ہے مرا
بولا مہماں ہوں ابد تک آپؐ کا — میں جہاں بھی جاؤں ٹھہروں جس جگہ
میں رہا کردہ غلام اور پاسباں — دوجہاں میں آپ ہی کا میہماں
جو قبولے گا کسی دیگر کا خواں — حلق اس کا چیر دیں گی ہڈیاں

جو بھی جائے سوئے خوانِ دیگراں — دیو ہم مشرب بنے اس کا وہاں

جو تری ہمسائیگی سے دور جائے — بھوت اس کو اپنا ہمسایہ بنائے

یا بنا تیرے جو راہِ دور لے — بھوت ہم سفرہ و ہمراہی بنے

یا کوئی اک عمدہ گھوڑے پر چڑھے — اپنا حاسد، دیو پیچھے چل پڑے

یا خود اس کی نازنیں بچہ جنے — بھوت نسل افزائی میں شامل رہے

حق نے قرآں میں کہا پہلے ہی ٹھیک — ان کے مال، اولاد میں ہوجا شریک

ان مقاماتِ نوادر میں جو تھا — بھید علیؑ سے مصطفیؐ نے کہہ دیا

یا رسول اللہؐ رسالت کا مقام — آپ سے ظاہر ہوا ہم پر تمام

لطف دو سو ماؤں سے ملتا نہیں — مہرباں عاذر پہ یوں عیسیٰؑ نہیں

موت سے تم نے بچائی میری جاں — زندہ ہوکر مرگیا عاذر جہاں

شب عرب آپؐ ہی کا مہماں ہورہا — بکری سے دودھ اس کو آدھا بس ہوا

بولے پھر کھالے چپاتی، دودھ پی — بولا سیری ہے قسم اللہ کی

ہے تکلف کی نہ حاجت شرم کی — ہوگیا ہوں سیر تر کل شب سے بھی

پڑگئے حیرت میں اہلِ بیت سب — شمع قطرہ تیل سے ہے تا بہ لب

وہ تو تھی جیسے ابابیلی غذا — ایسا ہاتھی سیر اس سے کیوں ہوا

محو کھس پُھس میں تھے سارے مردوزن — قتِ پشہ اور ہاتھی کا بدن

وہم و حرصِ کافری کا سر جھکا — سیر چیونٹی کی غذا سے اژدہا

وہ گدائی خود و کفر اس کا گیا — ہے تناور کھا کے ایماں کی غذا

وہ کہ تھا جوع البقر میں مبتلا — میوۂ جنت نصیب اس کو ہوا

میوۂ جنت نظر آنے لگا — پیٹ کا دوزخ بھی ٹھنڈا پڑ گیا

کیا ہے ایماں عمدہ نعمت اور غذا — دعوۂ ایماں پہ گر قانع رہا

اس کا بیان کہ وہ نور جو روح کی غذا ہے اولیا کے جسم کی غذا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بھی روح کا دوست بن جاتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَسۡلَمَ شَیۡطانِیۡ علیٰ یَدِیۡ شیطان تیرے ہاتھ پر اسلام لے آیا

گرچہ ہے جاں و نظر کی وہ غذا — جسم کو بھی حصہ اک حاصل رہا
دیو تن کی گر نہ ہوتی یہ غذا — اسلم الشیطاں نہ کہتے مصطفیٰؐ
وہ غذا مردے کو جو زندہ کرے — ناپئے جب تک مسلماں کیوں بنے
عاشقِ دنیا ہے شیطاں کور و کر — عشق دیگر عشق کی توڑے کمر
کوئی چکھ لے گا جو صہبائے یقیں — عشق اسے تھم تھم کے لے جائے وہیں
اے حریصِ بطن ادھر بھی دیکھ آ — ہے علاج اس کا بدل دینا غذا
اے مریضِ قلب کر فکرِ علاج — ہے علاج اس کا بدل دینا مزاج
اے کہ وہ تو ہے گرفتارِ غذا — صبر کر ہوگا مصائب سے رہا
بھوک میں خوراک ہے بے انتہا — بھاگنے والے تو ڈھونڈ اس میں ذرا
لے غذائے نور مانندِ نظر — جوں فرشتہ بن تو اے خیرالبشر
جوں ملک تسبیحِ حق کو کر غذا — جوں ملک تا ہوسکے دکھ سے رہا
بچتے ہیں جبریلؑ گو مردار سے — گدھ سے کب پرواز میں کمتر رہے
ہاتھی گرچہ ہے زمیں پر مست چال — پر بچے مچھر کی زد سے ہے محال
ایک عمدہ خوان رکھتا ہے جہاں — پر کمینوں کی نظر سے ہے نہاں

تن پروروں کا روحانی غذا سے انکار کرنا اور ان کا جسمانی تھوڑی غذا سے لرزنا

نعمتوں سے پُر اگر بھی ہو جہاں — چوہوں، سانپوں کو میسر ہے کہاں
خاک حصہ یا خزاں ہو یا بہار — میرِ عالم خاک کھائے جیسے مار؟
کرمِ چوبی چوب اندر سے کہے — ایسا عمدہ حلوا ہے کس کے لیے

خاک سے یہ کرمکِ خاکی کہے | حلوا یہ دنیا میں حاصل ہے کسے
درمیاں گوبر کے کیڑا فضلہ کا | کیا غذا دیکھا ہے فضلہ کے سوا
جانے کیا کوّا نجاست کے سوا | فضل ہی سرمایہ ہے اس کو بڑا

مناجات

کر خدائے بے نظیر ایثار بھی | جب سخن کے واسطے شنوائی دی
کان کھینچے ہم کو بھی لے چل وہاں | پی رہے ہیں مست تیری مے جہاں
ہم تلک پہنچائی تونے جب یہ بو | بند ہم پر کر نہ دینا مشک کو
پی رہے ہیں مرد ہوں یا زن سبھی | دین میں تیری نہیں کوئی کمی
اے کے ہے مقبول بن مانگے دعا | انبساطِ دل کے صدہا باب وا
حرف کچھ تونے رقم ایسے کیے | عشق میں اس کے ہیں پتھر موم سے
نونِ ابرو صادِ چشم و جیم گوش | خوب لکھے فتنہ ہائے چشم و گوش
حرف وہ جن سے نظر ہو تیز تر | اے ادیبِ خوش رقم تحریر کر
ہیں خیالی حرف بر لوحِ عدم | ان سے سب نقش اپنے کرتے ہیں رقم
حرف انوکھے زینتِ لوحِ خیال | نقش جیسے چشم، ابرو، خط و خال
یوں عدم پر میں نہ ہستی پر فدا | کیوں کہ معشوقِ عدم ہے پُروفا
عقل کو خط خواں کیا تحریر سے | تاکہ با مقصد رہے تدبیر سے

عقل کی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشابہت اور اس کی نظر کا غیب پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرح رہنا

لوحِ محفوظ عقل پڑھ کر ہر سحر | جوں ملک پاتی ہے پوشیدہ خبر
دیکھ تحریریں عدم کی اور بیاں | ان سے کیوں حیران ہیں سودائیاں
جیسے احمق اپنی دُھن میں ہر کوئی | گنج گاؤ کی ہے دُھن دیوانگی

اس کی دُھن میں شخص تھا جو پُرشکوہ
چھاننے نکلا وہ معدن ہائے کوہ

اور اسی سے تلخ کوشش میں دِگر
چل دیا دریا کو از ذوقِ گہر

ترکِ دنیا کو کوئی اندر کنشت
حرص میں جاتا ہے کوئی سوئے کشت

دُھن میں اس کی کوئی رہزن بن گیا
اور وہی اک خستہ کا مرہم بنا

شعبدہ بازی میں اک دل کھودیا
اور ستاروں کی طرف دیگر چلا

اک تجارت کے لیے کشتی چڑھا
فسق میں اک، راستی پر دوسرا

ڈھونڈتے ہیں خود سے باہر راستے
رنگ رنگ اپنے خیالوں کو لیے

ہر کوئی حیراں ہے بنیاد اس کی کیا
ایک کا منکر ہے ذائق دوسرا

گر خیال ان کے نہ ہوتے مختلف
کیوں بظاہر ہوتے رستے مختلف

قبلہَ جا کو نہاں جب کر دیے
اپنی اپنی سمت سارے چل دیے

مختلف روشوں اور مختلف قسموں کے وہموں کی اندھیرے میں نماز کے وقت قبلہ کی اٹکل کرنے والوں کی اٹکل کے اختلاف سے اور غوطہ زنوں کی سمندر کی تہ میں اٹکل کی مثال

جوں تحرّی میں نمازی رُخ کرے
اس طرف قبلہ سمجھتا ہو جسے

صبح دم جب کعبہ ہوگا رونما
علم ہوگا راست رخ پر کون تھا

یا کہ جو غوطہ لگائے زیرِ آب
تھامنے جائے گا ہر شے کو شتاب

اس گماں میں کہ ہیں موتی قیمتی
اپنے تھیلے میں وہ بھرتا ہے سبھی

جب تہِ دریا سے اوپر آئیں گے
کون ہے خود صاحبِ دُر پائیں گے

اس کو مروارید چھوٹا سا ملا
اور اس کو پود، سنگریزہ ملا

حشر میں ایسا ہی ہوگا امتحاں
اور رسوائی بہت ہوگی وہاں

اور پتنگوں کی طرح قومیں سبھی
گھیریں ایک ہی شمع کو پر مارتی

ڈال کر شعلوں کے اوپر خود کو صاف
شمع کا اپنی وہ کرتے ہیں طواف

اس توقع پر کہ ہوں گے موسیٰ بخت
سبز و تر ہوں گے آگے سب درخت

جانتے تھے فضل سب اس آگ کا ہر شرارے پر گماں اس کا ہی تھا
صبح دم نکلے بہ نورِ سرمدی ہر کوئی بتلایا وہ کیا شمع تھی
جس کسی کے پر جلے اس شمع سے اس نے ستر پَر عطا اس کو کیے
شمع پر بند آنکھ پروانے گرے جل گئے پر زیرِ سایہ شمع تھے
اس کو تڑپائے پشیمانی و سوز وہ کراہے اُف ہوائے چشم دوز
شمع بولے جلتے جلتے آگ سے کیا میں جلنے سے بچا سکتی تجھے؟
شمع خود گریاں ہے سر سوختہ شمع دیگر کیا جلا سکتی بھلا

بندوں میں حسرت ہے۔آیت کی تفسیر "یَا حَسرۃً علی العِباد"

وہ بھی بولے شکل سے دھوکا ہوا حال پایا دیر سے میں نے ترا
شمع گُل ، بادہ بھی خالی ہوگیا کج نظر سے نادم اپنا دلربا
فائدے جو بھی تھے نقصاں بن گئے شکوہ اندھے پن کا ہے اللہ سے
اے خوشا ارواحِ اربابِ ثقات یعنی مسلم مومنات و قانتات
ہر کسی کا رُخ کسی جانب رہا رخ عزیزوں نے سوئے بے سو کیا
ہر کبوتر ایک رہ پر پر کشا سوئے بے سو یہ کبوتر اُڑ چلا
جاتے ہیں اُڑ کر عقابان جا بجا لا مکاں ہے ان عقابوں کی سرا
نہ ہوائی مرغ نا ہی خانگی اپنا دانہ دانۂ بے دانگی
اس لیے افراط کی پائی غذا شیوہ اپنا پھاڑ تا سینا قبا

اس کا بیان کہ شرع میں فرجی[1] کو فرجی کیوں کہا گیا

جامہ اپنا پھاڑا صوفی وقت حال ہوگیا پھر وہ کشائش سے نہال
فرّجی نام اس نے جبّہ کو دیا یہ لقب مشہور اُس سے ہوگیا

1- فرجی= کشادگی

سب فضائل اس کے صوفی لے گیا ۔۔۔ تہ نشیں لوگوں کا حصہ ہوگیا
یوں ہی جو بھی نام صافی کا رکھا ۔۔۔ دُرد سمجھا نام کو چھوڑے چلا
پائی تلچھٹ اس نے جو گلخوار تھا ۔۔۔ اور صوفی صاف ساری لے گیا
صافی کو لازم ہے چوں کہ دُرد بھی ۔۔۔ اس سے بھی دل کی صفائی آئے گی
ہے کشائش صاف، تنگی دُرد سی ۔۔۔ صاف جوں خرما و تلچھٹ خام ہی
یُسر اور عُسر ساتھ ہیں ہمت نہ ہار ۔۔۔ موت میں ہے زندگی کی رہ گزار
صاف اگر چاہے تو جبّہ پھاڑ دے ۔۔۔ تا صفائی اس سے پیدا ہوسکے
صوفی وہ جس میں کہ ہو ذوقِ صفا ۔۔۔ جامہ صوف اور خیاطی کجا
اِن لئیموں میں ہے صوفی تیرا نام ۔۔۔ بچہ بازی، جامہ دوزی جس کا نام
نیک ناک اور با خیالات صفا ۔۔۔ جامۂ رنگین لگتا ہے بھلا
اس گماں میں اصل تک جائے جو تو ۔۔۔ بلّی سونگھے جس طرح روٹی کی بُو
رہبری کو بو ہے اے جویائے عشق ۔۔۔ تو کرے یعقوب کو بینائے عشق
دور باشِ غیرتِ حق ہیں خیال ۔۔۔ ہر طرف سے گھیر کر بزمِ جلال
روکے ہر متلاشی کو رستہ نہ دے ۔۔۔ ہر خیال آئے رکاوٹ کے لیے
صرف وہ اک تیز ہوش و تیز گوش ۔۔۔ جس کو ہے غیبی مدد کے بل پہ جوش
پھاندتا ہے جو تخیل سے پرے ۔۔۔ تیرِ شہ دکھلا کے وہ باہر چلے
جس کسی کے ہاتھ میں ہے تیرِ شاہ ۔۔۔ تا بہ منزل پاسکے وہ راستہ

دعا

صاحبِ احساں قدیمِ رازداں ۔۔۔ ہم ہیں عاجز اور شکل امتحاں
کر دلِ سرگشتہ کو تدبیر عطا ۔۔۔ میری خم دیدہ کماں کو تیر عطا
تونے جھونکا گھونٹ خفیہ جام سے ۔۔۔ میری مٹی پر بڑے اکرام سے
زلف ورخ پرگھونٹ کا ڈھونڈے نشاں ۔۔۔ چاٹتے ہیں خاک اسی باعث شہاں

حسن کے اس گھونٹ سے مٹی رچھائے　　سو دلوں سے روز و شب بوسے لٹائے

گھونٹ خاک آمیز جوں مجنوں کرے　　تو اگر صافی نہ جانے کیوں کرے

ہر کوئی ڈھیلے کے آگے جامہ چاک　　جس کے گھونٹوں سے ہے ڈھیلا تابناک

گھونٹ اک بر مہر و مہتاب وحمل　　گھونٹ دیگر عرش، کرسی و زحل

گھونٹ عجب بولے اسے یا کیمیا　　ہے فنا تاثیر سے اس کی بقا

اس کو کوشش چاہیے اے باہنر　　اس کو چھو سکتے ہیں پاکاں ہی مگر

سب زر و لعل و گہر زیرِ اثر　　گھونٹ یہ مے، نقل اور ہر میوے پر

اک جھلک اس کی رخِ محبوب پر　　ہوگا پھر صافی موثر کس قدر

چاٹتا ہے یوں جو خاک آلودہ کو　　دیکھا پاک از خاک تو کیا ہوگا تو

چوں کہ وقت مرگ وہ جُرعہ صفا　　خاکِ تن کی موت سے ہوگا جُدا

گاڑتا ہے زود اس مردود کو　　کاہے سے یہ نقشِ بد تھا روبرو

جاں بِنا تن کے جو دکھلائے جمال　　جانے کیسا ہوگا وہ لطفِ وصال

چاند بے بادل ضیا پاشی کرے　　کون کیفیت بیاں اس کی کرے!

واہ رے پکوان، جملہ نوش و قند　　شہ کٹورا چاٹنا کرلے پسند

اے خوشا وہ خرمنِ صحرائے دیں　　کہ ہے ہر خرمن اسی کا خوشہ چیں

بحرِ عمرِ بے عماں دریا لگے　　سات دریا شبنم اس کے سامنے

ساقی ازلی گرائے گھونٹ بھر　　سطح پر اس خاکِ شورہ کے اگر

خاک کھائے جوش، ہم جوشاں ہوئے　　گھونٹ دیگر دے کہ ہم بے بس رہے

گر روا ہو دوں عدم سے میں صدا　　گر نہیں ہے گفتنی لے چپ ہوا

حرص کی بطّ کا بیاں ہے یہ سبھی　　سُن خلیل اللہؑ سے یہ ہے کشتنی

ہیں علاوہ بط میں دیگر خیر و شر　　ذکرِ دیگر فوت ہونے کا ہے ڈر

مور کی صفت اور اس کا مزاج اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا اس کو مار ڈالنے کا سبب

آئے اب ذکرِ دو رنگی مور پر — جو ہے نام و ننگ لے کر جلوہ گر
خلق کا ممنون وجہِ خیر و شر — نفع اور انجام سے وہ بے خبر
بے خبر کہ دام کرتا ہے شکار — دام کو معلوم کیا مقصودِ کار
فائدہ اس سے نہ کچھ نقصانِ دام — اے عجب کرتا ہے وہ بیہودہ کام
بھائی تونے دوست کیا پیدا کیے — کی مروّت چھوڑ دینے کے لیے؟
ابتدا سے ہی یہ ہے تیرا شعار — پیار سے کرتا ہے لوگوں کو شکار
یہ تگ دو اس پہ یہ دام و شکار — ہاتھ کیا آیا ہے دیکھ انجام کار
دن بہت گزرا، نہیں اب کام کا — اب بھی تو دیوانہ صید خلق کا
ایک کو پکڑا تو چھوڑا دوسرا — جا پکڑ پھر، کام جوں کنجوس کا
پھر اسے چھوڑ اور پکڑ وہ دوسرا — کام تیرا کھیل بچوں کا ہوا
رات آئی دام خالی ہے ترا — خود عذاب و دام میں گھر کر رہا
پھنس کے پہلے جال میں تو خود رہا — ہوگیا ناکام، قیدی بن گیا
ہے شکاری دہر میں ایسا کوئی؟ — جو ہماری طرح پھانسے خود کو ہی
جوں شکار خوک کرتے ہیں عوام — رنج اٹھاتے ہیں پہ کھاتے ہیں حرام
عشق ہی ہے صید کے قابل مگر — آ کے پھندے خود میں پھنستا ہے کدھر
خود شکار اس کا تو بننے آئے گا — آئے گا صید اس کا خود بن جائے گا
عشق آہستہ سے بولے گا تجھے — صید بننا خوب تر صیّاد سے
صدقے ہوجا آپ خود دیوانہ بن — آفتابی چھوڑ کر تو ذرّہ بن
بیٹھ جا در پر مرے، بے خانہ بن — شمع کا دعویٰ نہ کر پروانہ بن
تاکہ پائے زندگی کی چاشنی — کہ ہے پوشیدہ غلامی میں شہی

کارگاہِ دہر کی الٹی سے راہ
تختہ بندوں کا لقب ہے بادشاہ

ہے رسن گردن میں اور سر پر کلاہ
لوگ اسے کہتے ہیں اسے دیکھو یہ شاہ

قبرِ کافر جیسے کہ اوپر ردا
اور اندر قبر کے قہرِ خدا

جیسے اک تربت گِلاوا کی ہوئی
اس پہ چادر کبر کی ڈالی ہوئی

طبع مسکیں تیری با وصف و ہنر
جھاڑ جیسے موم کا بے برگ و بر

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی مہر کو سب جانتے ہیں۔اور قہر کو بھی سب جانتے ہیں اور سب اس کے قہر سے گریز کرتے ہیں اور اس کی مہر سے وابستہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے قہر کو مہر میں پوشیدہ کر دیا ہے اور مہر کو قہر میں پوشیدہ کر دیا ہے۔ الٹی چال اور بناوٹ اور اللہ کی تدبیر تھی تا کہ اہلِ تمیز اور اللہ کے نور سے دیکھنے والے بے تمیزوں اور حال کو دیکھنے والوں اور ظاہر بینوں سے جدا ہو جائیں کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے تا کہ وہ تمھیں آزمائے " لَنَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحسَنُ عَملاً " کہ کون عمل کے اعتبار سے اچھا ہے

بولا درویش اک دگر درویش سے
حق و جوں دیکھا تو بتلادے مجھے

بولا بیچوں ہے، مگر کہنے کو حال
مختصر بولوں میں از روئے مثال

دیکھا بائیں سمت آگ آئی نظر
حوضِ کوثر اس کے دائیں سمت پر

آتش عالم سوز بائیں سمت تھی
اور بہتی نہر دائیں سمت تھی

اک جماعت آگ کو لینے چلی
اور بڑھی کوثر کی جانب دوسری

چال الٹی پر ہوا کرتی ہے سخت
ہر کسی کو ہو شقی یا نیک بخت

جو بھی انگاروں سے آیا بے خطر
آیا پانی سے نکالے اپنا سر

اور جو پانی کی طرف ان سے چلا
زود انگاروں میں وہ پایا گیا

جو چلا دائیں سوئے آبِ زلال
نکلا انگاروں سے وہ سمتِ شمال

جو چلا سوئے شمال آتشیں
سر نکالا اپنا وہ سوئے یمیں

کوئی بھی اِس راز کو پایا نہیں   آ کے کوئی آگ میں دیکھا نہیں
ہاں وہ جس پر سایۂ اقبال تھا   بچ کے پانی سے سوئے آتش چلا
نقد کو معبود لوگوں نے کیا   اور انھیں اس کھیل میں گھاٹا ہوا
حرص سے وہ جوق جوق آئے شتاب   آگ سے ہوکر گریزاں سوئے آب
آگ سے آخر نکالے ہیں وہ سر   درسِ عبرت اس سے لے اے بےخبر
آئی آواز آگ سے اے احمقو   چشمہ ہوں آتش نہیں میں جان لو
ہے نظر بندی یہ سب اے کم نظر   آ مرے اندر شراروں سے نہ ڈر
آگ ہے اس جا نہ ہے کوئی دھواں   بس ہے سحر و مکرِ نمرودی یہاں
جوں خلیل اللہؑ جو فرزانہ ہے تو   آگ ہے آب اس کا پروانہ ہے تو
اس طرح آواز وہ پروانہ دے   کاش ہوتے لاکھ پر حاصل مجھے
تا جلانے سب کو آتش بے اماں   دیدۂ کور و دلِ نا محرماں
مجھ پہ کھائے رحم وہ نادانی سے   مہرباں اس پر ہوں میں دانائی سے
خاص کر یہ آگ جانِ آب صاف   کرتے ہیں پروانے سارے برخلاف
کھیل ایسا صنعتِ ربِّ جلیل   تاکہ دیکھے کون ہے آلِ خلیلؑ
آگ کو پانی کی صورت کردیا   اندر آتش چشمہ اک جاری کیا
طشت میں چاول جو رکھے ہوں بھرے   سحر علانیہ انھیں کیڑے کرے
بچھوؤں سے گھر بھرا دکھلادیا   گو کہ اس میں ایک بھی بچھو نہ تھا
باتیں جادو کے سبب ایسی کئی   ہوگی کیسی ساحروں کی ساحری
جوق جوق اس سحر سے اللہ کے   ہوں گے جوں زن خاک کے اندر پڑے
جادوئے یزداں سے یوں ہی مرد وزن   چاہِ جاہ میں گریں گے بے رسن
جادوگر ان کے تھے بندے اور غلام   ہیں ممولوں کی طرح در بندِ دام
پڑھ کے قرآں دیکھ جادوے حلال   سر نگوں وہ مکر مانندِ جال
میں نہیں فرعون جائے سوئے نیل   جاؤں سوئے نار مانندِ خلیلؑ

آگ کا ہے کو وہ ہے ماء معیں — مکر کے باعث ہے آبِ آتشیں
خوب فرمایا رسول اللہؐ نے — عقل بہتر ہے صلوٰۃ و صوم سے
عقل جوہر اور وہ دونوں ہیں عرض — عقل کی تکمیل ہے ان سے غرض
تا رہے آئینہ میں باقی جلا — کیوں کہ سینہ کو ہے طاعت سے صفا
اصل سے گر ہوگا آئینہ خراب — چاہیے مدّت کہ آئے اس میں آب
اخذ کر صاف آئینہ اپنے لیے — ہو ذرا سی صیقلی کافی جسے

عقلوں کا فرق اصل فطرت سے ہے معتزلہ کے برخلاف کہ وہ کہتے ہیں کہ دراصل شخصی عقلیں برابر ہیں ان میں بڑھوتری اور فرق تعلیم اور ریاضت اور تجربہ کی وجہ سے ہے

فرق عقلوں کا تو اچھا جان لے — ہیں زمیں تا آسماں کے مرتبے
عقل ہے اک جس طرح سورج اگر — ہے شہاب و زہرہ سے کم تر دگر
ہے چراغِ مست سی اک عقل اگر — آتشی تارے سی ہے عقلِ دگر
جوں ہی ابر آنکھوں کے آگے سے ہٹے — نورِ حق میں عقل کا حصہ بنے
عکس عقلِ حق کا عقلِ آدمی — مشک وہ تو یہ ہے خوشبو مشک کی
عقلِ کل و نفس کل مردِ خدا — عرش و کرسی کو نہ جان ان سے جدا
ذات اس کی مظہرِ حق ہے بجا — ڈھونڈ اس میں اس کو تو ہر سو نہ جا
بٹّا عقل کل پہ عقل جزوی ہی — کار دنیا ہار ہے انسان کی
لطف دیکھا صیدی میں صیّاد کا — اور شکاری رنجِ صیدی میں گھرا
خدمت اس کو راہِ مخدومی پہ لائے — اور مخدومی سے وہ عزت گنوائے
غرق وہ فرعونیت سے ہوگیا — سبطی قیدی تھا جو شُرفا میں چلا
بازی یہ الٹی رہی فرزیں پھنسا — حیلہ کیوں، سب کھیل ہے یہ بخت کا
مکر و اندیشہ پہ تو تکیہ نہ کر — ہے غنی کم مہرباں مکار پر
اچھی خدمت کی کوئی تدبیر کر — تا ہو امت کی امامت تیرے سر

سعی کر تامکرِ خود سے ہو رہا سعی کر تاہو حسد سے تو جدا
سعی کر تاکمتریں بندہ بنے تاکہ گر کے خود خداوند ہو رہے
نام سے خدمت کے روباہی نہ کر اس سے کوئی قصدِ آقائی نہ کر
پیار جوں پروانہ جا شعلوں سے کر سی نہ کیسہ زر کو پاکی سے سنور
زور بس زاری کو کر بے اختیار اے گدا ہے رحم کو زاری سے پیار
زاریِ اخوانِ یوسف مکر بد اندروں ہے نادرست و پُرحسد

حکایت اس اعرابی کی جس کا کتا بھوک سے مر رہا تھا اور اس کا تھیلا روٹیوں سے بھرا ہوا تھا اور کتے پر نوحہ کر رہا تھا اور شعر پڑھتا تھا اور روتا تھا اور سر اور منھ پر طمانچے مارتا تھا اور اس کو تامل تھا کہ روٹی کا ٹکڑا تھیلے میں سے کتے کو دے اور ایک شخص کا اس سے سوال کرنا اور اس سے جواب سننا

مر رہا تھا کتّا اور گریاں عرب کر رہا شکوہ و رنج و تعب
کیا کروں تدبیر اس کی کیا کروں تو اگر مرجائے میں کیوں کر جیوں
پوچھا کوئی جانے والا ماجرا تیری آہ و زاری کا باعث ہے کیا
بولا میرا کتّا تھا یہ نیک خو مر رہا ہے راستے میں دیکھ تو
تھا شکاری دن کو شب میں پاسباں شیر تھا کتّا نہ تھا اے پہلواں
تیز بیں، چور اس سے دور اور صید گیر صید کا پیچھا کرے مانندِ تیر
صید کرتے بھی مرا کرتا تھا پاس چور کو آنے نہ دیتا میرے پاس
قانع و آزاد عدوئے دشمناں ''نیک خو و با وفا و مہرباں''
پوچھا کیا علت، وہ کیا کچھ گھائل ہوا؟ بولا جوع الکلب میں ہے مبتلا
بولا بس تو صبر کر اس حال پر صابروں کا حق ہے فضلِ دادگر
پوچھا اس سے بعد ازاں اے مردِ حُر بول یہ تھیلا ہے کن چیزوں سے پُر

بولا روٹی، قوتِ شب کے توشے سے — کھاؤں گا میں تن کی قوت کے لیے
کیوں نہیں دیتا یہ کتّے کے لیے — بولا رحم آتا نہیں اتنا مجھے
بے درم رستہ میں ہے نایاب ناں — پر ہے ان آنکھوں کا پانی رائیگاں
بولا مٹی سر پہ، اے مغرور تو — تونے جانا ناں سے کمتر اشک کو
اشک خوں ہے غم میں جو پانی ہوا — خوں بہانا خاک پر کب ہے روا
خوار جوں ابلیس گُل کو کردیا — ویسے گُل کا جزو کب اچھا ہوا
میں غلام اس کا نہ بیچے جو وجود — ہاں مگر شہ کو جو ہے پُرفضل وجود
جب وہ روئے آسماں رونے لگے — جب کرے نالہ فلک یارب کہے
میں ہوں اس تانبے کی ہمت کا غلام — جو ہیں جز کیمیا دیگر سے رام
اے شکستہ ہاتھ اٹھا بہرِ دعا — سوئے اشکستہ بڑھے فضلِ خدا
چھوڑنا چاہے اگر تو چاہِ تنگ — آسوئے نار اے برادر بے درنگ
مکر چھوڑ اپنا خدا پر رکھ نظر — غالب اس کا مکر ہر مکار پر
مکرِ اس کا ماحی تیرے مکر کا — گھات کا اک راستہ کھل جائے گا
اے کمینہ از کمیں کو ہے بقا — ”تا ابد اندر عروج و ارتقا“
اس کمیں کے واسطے کر جہد تو — تاکہ علمِ غیب کی پائے تو بو
گر عروج اپنا تو اچھا جان لے — فائدے کی بات ہے تیرے لیے

اس کا بیان کہ آدمی کے لیے کوئی نظر بد اتنی مہلک نہیں جیسے کہ خود پسندی کی نظر ہاں اگر اس کی آنکھ اللہ کے لیے تبدیل ہوگئی ہو کیونکہ (فرمایا گیا ہے) " بی یَسْمَعُ و بی یَبْصر وا" وہ میرے ذریعے سنتا ہے اور میرے ذریعہ دیکھتا ہے اور وہ خود بے خود ہو گیا

دیکھ پر کے بدلے پاؤں مور کے — تانہ چشمِ بد ترا پیچھا کرے
بد نظر سے کوہ بھی ہل جائے گا — تجھ کو پھسلا دے گا قرآں پڑھ ذرا
جب کہ پھسلے کوہ جیسے مصطفیٰؐ — راہ میں کیچڑ نہ پانی جس جگہ

آپ کو حیرت یہ لغزش کیوں ہوئی ۔۔۔ میں نہ مانوں ہوگیا سب کچھ یونہی
آئی آخر وحی اور آگاہ کیا ۔۔۔ چشم کی یہ ہے عداوت کا صلہ
غیر اگر ہوتا تو لا ہوتا تبھی ۔۔۔ ہوتا صید چشم، ہوجاتی ہنسی
ہے حقیقت چشم بد کی دیکھ کیا ۔۔۔ یہ سمجھنے "اِنْ یکادُو" پڑھ ذرا
آئی عصمت اپنا دامن کھینچتے ۔۔۔ اک علامت ہے پھسلنے میں تجھے
کوہ کو دیکھ اور درس اُس سے تو لے ۔۔۔ شان بیجا، تو ہے کمتر کاہ سے

اورقریب ہیں کافر کہ تمھیں اپنی نظروں سے پھسلادیں جبکہ انھوں نے ذکر سنااور کہتے ہیں بےشک وہ مجنوں ہےاورنہیں ہےوہ مگر جہانوں کاذکر۔آیت" وَ اِنْ یَّکَادُوْ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ لَمَّا سَمِعُوْا الذِّکْرَ ویَقُوْلُوْنَ اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنَ وَمَا ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِلْعَالَمِیْنَ" کی تفسیر

یا نبیؐ وادی کے اندر بد نظر ۔۔۔ کرگسوں کو دیکھتے ہیں گھور کر
بد نظر سے کُلّہ ٹوٹا شیر کا ۔۔۔ وہ گھنے جنگل میں ہے نالہ سرا
موت کے مانند تا کہ اونٹ کو ۔۔۔ بھیجے نوکر پیچھے بہرِ جستجو
جاکے اس اُشتر کی چربی مول لا ۔۔۔ اونٹ مردہ راہ میں پایا گیا
تھا مرض سے اس کا سرتن سے جدا ۔۔۔ دوڑ میں وہ ہم قدم گھوڑے کا تھا
پس حسد اور بد نظر سے بے گماں ۔۔۔ الٹا ہوجاتا ہے دورِ آسماں
پانی پنہاں اور ہے چرخ آشکار ۔۔۔ چرخ کی گردش کا پانی پر مدار
چشمِ بد کی نیک چشمی ہے دوا ۔۔۔ چشمِ بد کو پیس ڈالے زیرِ پا
برتری رحمت کو، رحمت ہے یہی ۔۔۔ قہر و لعنت چشمِ بد کی وجہ ہی
اس کی رحمت کو غضب پر برتری ۔۔۔ اس سے غالب دشمنوں پر ہر نبی
اس کی ضد یہ ہے کہ ہے پھل مہر کا ۔۔۔ زشت روئی ہے نتیجہ قہر کا

منفرد وہ حرصِ بط پنجاہ گناہ   حرصِ شہوت مار ہے جوں اژدہا
حرصِ بط کیا خواہشِ لمس و غذا   کئی طرح اس پر ہے وہ فرماں روا
ٹھاٹ میں دعوے خدائی کے کرے   شرک کا طامع، معافی کیوں ملے
لغزشِ آدمؑ کی شکم اور باہ   مایۂ ابلیس نخوت اور جاہ
توبہ کی ناچار انھوں نے جرم سے   کبر سے توبہ نہ کی ملعون نے
حرصِ حلقِ و باہ بد ذاتی سہی   انکساری ہے نہیں لیکن منی
اس ریاست کا بیاں بولوں اگر   چاہیے لکھنے اسے دفترِ دِگر
گھوڑا باغی عربوں کو شیطاں لگے   نہ کہ گھوڑا جو چراگہ میں چرے
ہے لغت سے شیطنت گردن کشی   لائقِ لعنت ہے یہ عادت بری
کھانے والے سو سمائے ایک خواں   چاہے جود و ملک دنیا میں کہاں
وہ شریکِ حکمرانی تا نہ ہو   قتل کر دیتا ہے بیٹا باپ کو
سلطنت کو بانجھ کہتے ہیں سنا   سلطنت نے ختم خویشی کو کیا
پھاڑ ڈالے جو بھی پائے وہ جلائے   جب نہ کچھ بھی ہاتھ آئے خود کو کھائے
ہیچ بن دانتوں سے اس کے بچ کے رہ   رحم کی اہرن سے مت کر التجا
جب ہوا تو ہیچ سنداں سے نہ ڈر   فقرِ مطلق کا سبق پڑھ ہر سحر
کبریائی ہے ردائے ذوالجلال   جو بھی اوڑھے اس کو اس کے پر وبال
حاکمی اس کو ہمیں خدمت گری   حیف اس پر جو کرے گا خود سری
مور کے پر فتنہ ہے تیرے لیے   پاکی و شرکت کی حاجت ہے تجھے

اس دانا کا قصہ جس نے مور کو دیکھا کہ وہ اپنے حسین پروں کو چونچ سے اکھاڑ رہا ہے اور پھینک رہا ہے۔ وہ اپنے بدن کو گنجا اور بدنما بنا رہا ہے۔ اس نے تعجب سے مور سے دریافت کیا کہ تجھے افسوس نہیں ہو رہا ہے، اس نے کہا ہو رہا ہے لیکن مجھے جان پروں سے زیادہ پیاری ہے۔ پر میری جان کے دشمن ہیں اس وجہ سے اکھاڑ رہا ہوں

مور اک پر نوچتا پایا گیا ۔۔۔ سیر کرتے فلسفی اس جا گیا

بولا اے طاؤس یہ خوش رنگ پر ۔۔۔ پھینکتے جاتا ہے جڑ سے نوچ کر

کرلیا برداشت کیسے تیرا دل ۔۔۔ خوشنما جامہ کرے تو نذرِ گل

پیارے سے ہر پر کو تیرے کس قدر ۔۔۔ رکھتے ہیں قرآں میں حافظ موڑ پر

اور ہوا سے حظ اٹھانے کے لیے ۔۔۔ دلکشا پنکھے ترے پر کے بنے

کیسی بے باکی یہ ناشکری تری ۔۔۔ علم ہے کس کی ہے یہ صنعت گری

یا ہے نازش تیری سب کچھ جانتے ۔۔۔ یا سجاوٹ ترک کرنی ہے تجھے

ناز بہتیرے ہیں ہوتے ہیں گناہ ۔۔۔ جس سے گھٹ جاتا ہے رتبہ پیشِ شاہ

ناز کرنا ہے شگر سے خوب تر ۔۔۔ اس میں خطرے ہیں بہت کم کھا شکر

ہے طمانیت کی جا راہِ نیاز ۔۔۔ اس کو اپنا، ترک کردے ذوقِ ناز

ناز والوں نے نکالے پرّ و بال ۔۔۔ بن گئے آخر انہی پر وہ وبال

ناز گردم بھر تجھے اونچا اٹھائے ۔۔۔ اندر اندر اس کا ڈر تجھ کو گھلائے

ناتواں گو عجز کرتا ہے تجھے ۔۔۔ سینہ روشن جوں مہِ تاباں بنے

جب بھی اک مردے سے کوئی زندہ آئے ۔۔۔ وہ جو ہے مرد ہدایت اس سے پائے

زندے سے جب مردے کو پیدا کرے ۔۔۔ نفسِ زندہ موت کی جانب چلے

مردہ بن جا وہ صمد ہے جو جلائے ۔۔۔ زندہ کر کے لاش کو باہر وہ لائے

بن تو پت جھڑ دیکھے اخراجِ بہار ۔۔۔ رات بن، دن تجھ میں ہوگا آشکار

پر وہ رکھ لے جو ہوں بیرونِ رفو ۔۔۔ پھر عزا میں منھ نہ نوچ اے خوبرو

چہرہ وہ گویا کہ سورج چاشت کا — نوچنا اور کرنا گھائل ہے خطا
زخمِ ناخن ایسے رخ پر کافری — جس کے غم میں چاند بھی ہے ماتمی
اپنا چہرہ خود نہ دیکھا ہوگا تو — ترک کر تو اپنی یہ جھگڑالو خو

اس کا بیان کہ انکار سے نفس مطمئنہ کی صفائی اور سادگی پریشان ہو جاتی ہے جیسا کہ تو آئینہ پر کوئی چیز لکھے اگر چہ تو دھوڈالے داغ اور نقصان باقی رہ جاتا ہے

تن میں نفسِ مطمئنہ کا یہ حال — فکر کے ناخن سے زخمی اس کے گال
فکر بد ہے جیسے ناخن زہر دار — جاں میں گہرے زخم کرنا اس کا کار
عقد مشکل کھولنے کے واسطے — اپنے زریں بال آلودہ کیے
عقد حل ہو بھی گئے پر منتہی — سخت ہے یہ عقد ابھی کیسہ تہی
کرتے کرتے عقدے حل بوڑھا ہوا — جان عقدے چند حل بھی کرلیا
اک گرہ پاتے ہیں ہم گردن میں سخت — تو نہ جانے بد ہے تو یا نیک بخت
نیک ہے یا بد یہ تو جانے اگر — فکرِ ہر سرکش سے وہ ہے خوب تر
حل کر اس مشکل کو گر ہے آدمی — زور دکھلا اپنا گر ہے تو قوی
فرض کر اعیاں، عرض کو پالیا — اپنی حد جانے بنا چارہ ہے کیا
جان کر حد اپنی اس حد سے گزر — تا کہ بے حد تک رسائی ہو ثمر
عمر محمول اور ''موضوع میں کٹی'' — بے بصیرت سن سنائی میں گئی
بے نتیجہ ہر دلیل اور بے اثر — ہے غلط انجام پر اب غور کر
صنع دیکھی پر نہیں کاریگری — پس گماں پر ہی قناعت تونے کی
فلسفی سے ہوں گے افزوں واسطے — اور دلیلوں سے صفی الٹا کرے
یہ دلیلیں اور پردے چھوڑتے — ہے مراقب ذوق میں مدلول کے
گر دھواں دے آگ کا اس کو نشاں — بن دھوئیں کے آگ سے ہم شادماں
قربت و یاری سے آگ ہی خاص کر — ہے دھوئیں سے بھی ہمیں نزدیک تر
خوان چھوڑے جائیں گر سوئے دخاں — ہے گنہگاری سراسر اپنے ہاں

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" کے بیان میں کہ اسلام میں رہبانیت نہیں

پر نہ نوچ، ان سے ہٹالے دل کو تو — معرکہ اک ہے ضروری با عدو
جب نہیں دشمن جہاد امرِ محال — کیا بلا شہوت اطاعت کا سوال
جب نہیں خواہش نہ ہوگا صبر بھی — خصم بن کیا ہے ضرورت فوج کی
بن نہ راہب، ہاں خصی اپنی نہ کر — پاکی ہے شہوت سلامت ہے اگر
بے ہَوا منع ہَوا ممکن نہیں — جو لڑے مردے سے ہے غازی کہیں؟
خرچ کا ہے حکم، کوئی کسب کر — خرچ آمد کے بنا ممکن کدھر
چپ ہوا وہ انفقوا کہہ کر مگر — تم پڑھو "پہلے کما پھر خرچ کر"
صبر کرنے کو کہا حق نے تبھی — جب کہ تھی منھ موڑنے رغبت کوئی
دام شہوت کو ہے فرمانِ کُلُوْا — پارسائی کے لیے لا تُسْرِفُوْا
بوجھ اٹھانے کے لیے جب کچھ نہیں — بوجھ اٹھانے والا بھی ہوگا کہیں؟
جب نہیں ہے صبر کی زحمت تجھے — مفت میں کوئی جزا کیوں کر ملے
اے مبارک شرط، اے شاداں جزا — رہ جزائے دلنواز و جانفزا

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عاشق کے عمل و ثواب صرف اللہ جل جلالہٗ ہے

عاشقوں کی وہ خوشی غم بھی وہی — ان کی وہ مزدوری اور اجرت سبھی
یار کے بدلے جو دیکھے اور ہی — ہرزہ گوئی ہے محبت کا ہے کی
عشق وہ شعلہ جو روشن ہوگیا — سب بجز اک یار کے دے گا جلا
بہر قتلِ غیرِ حق ہے تیغ لا — دیکھ بعد از کون ہے جو بچ سکا
پس ہے الااللہ باقی سب گیا — عشقِ شرکت سوز تجھ کو مرحبا
تن وہ جس کی جاں کے اندر ہو خلل — وہ نہ ہو میٹھا رہے گو در عسل

یہ وہی جانے کبھی جو زندہ تھا
دست جانِ جان سے جو ساغر لیا

چہرے ان کے جو نہ دیکھا ہو کبھی
اس کو گرمی ہے دھوئیں کی جان ہی

جو نہ دیکھا عدلِ عمر عبدالعزیزؒ
بس کہ عادل ہے اسے حجاج نیز

مارِ موسیٰؑ کا نہ دیکھا جو ثبات
سحر کی رسی کو سمجھا ذی حیات

مرغ جو چکھا نہ ہو آبِ زُلال
کھاری پانی سے تر اس کے پر و بال

غیر ضد ضد کو سمجھنا ہے محال
زخم بن کیا ہے نوازش کا سوال

اب جو دکھلائی گئی دنیا یہاں
جانے اقلیمِ ازل تا تو وہاں

جب یہاں سے چھوٹ کر اس جا چلے
وہ شکر گھر تا ابد شاکر رہے

بولے چھانی خاک میں نے اُس جگہ
اِس جہانِ پاک سے میں دور تھا

گنج کے بدلے تھا قانع مار پر
میں تھا شاکر گلستاں میں خار پر

کاش میں مرجاتا اِس سے قبل ہی
چھوٹ جاتیں وہ غذائیں خاک کی

حدیث کا بیان کہ ہر مرنے والا یہ ضرور تمنا کرے گا کہ وہ پہلے مر جاتا، اگر نیک ہے تو اس لیے کہ جلد بھلائی تک پہنچ جاتا اور اگر بد ہے تو اس لیے کہ اس کی بدکاری کم ہوتی

اس لیے فرمائے ہیں یہ مصطفیؐ
مر کے قیدِ تن سے جو بھی ہو رہا

غم نہ ہوگا انتقال و موت کا
بھول اور کوتاہی کا غم کھائے گا

ہوتی مرنے والے کی حسرت یہی
کاش ہوتا نقلِ مقصد پہلے ہی

ہوتی کچھ کمتر بدی بدکار کی
متقی گھر آ پہنچتا جلد ہی

اور کہے بدکار میں تھا بے خبر
پڑ رہا تھا پردہ ہردم پردہ پر

گر ٹھکانہ جلد تر ملتا مجھے
یہ حجاب و پردے کم ہوتے مرے

حرص سے زخمی قناعت کو نہ کر
کبر سے حملہ نہ کر تو عجز پر

بُخل سے زخمی سخا کو کر نہ دے
اور نہ ابلیسی سے سجدوں کو ترے

پرِ خُلد آرا کو اپنے تو نہ نوچ
پرّ رہ پیما یہ اپنے تو نہ نوچ

چہرہ دیکھا پند سن کر مور نے
آہ کی اور آنکھ سے آنسو چلے

نوحۂ پُر درد تا دیر اس کا تھا
پاس تھا جو بھی وہ دیکھا رو پڑا

پوچھ کر پر نوچنے کا ماجرا
بن سنے بات اس کی سائل رو پڑا

میں نے بیہودہ سوال اس سے کیا
غم کا مارا تھا اسے بھڑکا دیا

گر رہے تھے اشک اس کے خاک پر
تھے جواب ان میں نہ آتے تھے نظر

بہتی آنکھوں نے بنایا ایسا حال
ہوگئی مٹی وہ کیچڑ کی مثال

سچا رونا دل پہ کرتا ہے اثر
چشمِ چرخ و عرش کرتا ہے وہ تر

ڈھونگ کے رونے کا کیا ہوگا اثر
ہنس پڑے شیطان رونا دیکھ کر

اپنی عقل و دل ہیں عرشی بے گماں
نور کے پردے میں عرشی حملہ جاں

اس کا بیان کہ عقل اور روح جسم کی مٹی پانی میں ایک طرح قیدی ہیں جس طرح کہ ہاروت اور ماروت بابل کے کنویں میں

جیسے ہاروت اور ماروت اس جگہ
اک بھیانک چاہ میں ہیں مبتلا

عالمِ سفلی و شہوانی میں آ
ہیں کنوئیں سب بند از بہرِ سزا

سیکھتے ہیں سحر و ضدِ سحر بھی
آئے ان دونوں نیک و بد سبھی

کرتے تھے ہشیار انھیں اول وہیں
سحر ہم سے سیکھنا اچھا نہیں

ہم سکھاتے ہیں یہ جادو اے فلاں
از برائے ابتلا و امتحاں

شرط ہے اس امتحاں کو اختیار
اور بلا اس کے ہے تو بے اقتدار

جیسے کتّے خواہشیں خوابیدہ ہیں
ان کے اندر خیر و شر پوشدہ ہیں

چونکہ بے قوت ہیں وہ خوابیدہ ہیں
مثلِ ہیزم بے صدا صد پارہ ہیں

پھر کوئی مردار آ کر اس جگہ
صور سے کتوں کو دیتا ہے جگا

جب کسی کوچہ میں مر پڑتا ہے خر
چونک کر چلتے ہیں سو کتّے ادھر

خواہشیں گم تھیں جو پردے اوڑھ کر
حملہ کرتے ہیں نکالے اپنا سر

دانت بن جاتا ہے تن کا بال بال
دُم ہلاکر پھینکتا ہے اپنا جال

نصف حیلہ، نصف غصہ کا اثر
جس طرح ایندھن ہو دھیمی آگ پر

لا مکاں سے آتے ہیں شعلے دواں
آسماں تک ان سے شعلے اور دھواں

تن میں سوکتّے ہیں یوں سوئے ہوئے
گھات میں نخچیر کے بیٹھے ہوئے

جیسے بازاں آنکھ بند اپنی کیے
شوق میں نخچیر کے جلتے ہوئے

پھر جہاں ٹوپا اٹھے دیکھے شکار
ہوگیا محوِ طوافِ کوہسار

خواہشِ بیمار سے وہ بے خروش
سوئے صحت اس کو لے جاتے ہیں ہوش

جوں ہی دیکھے نان، سیب اور خربزہ
لڑ پڑیں گے خوب پرہیز و مزہ

گر کرے وہ صبر دیکھے سود ہی
بھول ہے اس کی طبیعت کی بھلی

گر نہ ہو صابر نہ دیکھے وہ ادھر
بے زرہ سے تیر رکھیے دور تر

لوٹ پیچھے کر حکایت کو تمام
پس کہا اس نے جواباً والسلام

اب ذرا سن غور سے اس کا جواب
جانے تا ہوتا ہے کیا حسنِ خطاب

مور کا اس سوال کرنے والے دانا کو جواب دینا

ہو کہ فارغ گریہ سے بولا کہ جا
ظاہر ہستی میں ہے تو مبتلا

کیا نہیں دِکھتا پروں کے واسطے
آتی ہے مجھ پر بلا ہر سمت سے

سنگ دل صیاد کتنے ہیں مدام
پر کی خاطر ڈالے ہیں ہر سمت دام

کتنے تیر انداز ہیں جو بہرِ پر
پھینکتے ہیں تیر مجھ پر تاک کر

میں ہوں بے زور اور بچنا ہے محال
یہ قضا اور یہ بلا فتنوں کا جال

زشت رُو بننا ہی بہتر ہے مجھے
تا رہوں کہسار و بن میں امن سے

نوچتے جاتا ہوں ایک ایک اپنا پر
تا نہ پھانسے مجھ کوئی بد نظر

بال و پر سے جان افضل ہے مجھے
جان باقی، بدنما تن ہے، رہے

یہ ہے میری خود پسندی کی دوا
خود پسند اکثر رہے ہیں مبتلا

اس کا بیان کہ دنیا کا ہنر اور ذہانتیں اور مال مور کے پروں کی طرح جان کے دشمن ہیں

پس ہنر وجہِ ہلاکت خام کو — بہرِ دانہ وہ نہ دیکھے دام کو
اختیار اچھا ہے بس اس کے لیے — خود کو تا پابندِ تقویٰ کر سکے
گر نہ ہوگا حفظ و تقویٰ زینہار — پھینک دے ہتھیار، کر ترک اختیار
اختیار و وجہِ خوبی مجھ کو پر — نوچنا اچھا کہ ہیں خواہانِ سر
بہرِ صابر نیست جیسے ہیں یہ پر — کر نہ دیں تا مبتلائے خیر و شر
کہہ دو نقصاں کچھ نہیں نوچے نہ پر — گر کوئی تیر آئے بن جائے سِپر
ہیں پرِ زیبا مرے حق میں عدو — خود نمائی کی نہ چھوئے گی یہ خو
صبر و حفظ اپنے جو ہوتے راہبر — بالارادہ خود بڑھاتا کرّو فر
طفل سا میں اور فتنے ہر کہیں — تیغ میرے ہاتھ کے لائق نہیں
عقل ہوتی روکنے والی اگر — تیغ میرے ہاتھ تھی وجہِ ظفر
جیسے سورج عقل کرتی نور عطا — تیغ زن ہونا ہمیں ہوتا بجا
عقلِ روشن ہے نہ ہے مجھ میں صلاح — کیوں نہ کردوں نذر چہ اپنے سِلاح
بس کنویں میں ڈل دو تیغ و سپر — ان کے دشمن ہونے کا ہے مجھ کو ڈر
زور مجھ میں ہے نہ یاری نہ سند — تیغ وہ لے گا، پڑے گی مجھ پہ زد
بر خلافِ نفسِ بد خو بے حیا — میں نے خود اپنا ہی منھ نوچا کیا
تا کہ گھٹ جائے سبھی حسن و کمال — وہ نہ ہو تو مجھ پہ کیوں آئے وبال
ٹھیک ہے یوں سوچ کر پر نوچنا — زخم سے منھ ڈھانپنے کی سوچنا
پردہ پوشی کی جو ہوتی دل میں خو — جز صفا منھ کیوں دکھاتا غیر کو
نیکی، فہم و زور سے خالی جو تھا — توڑے ہتھیار اپنے دشمن جب ملا
تا بنے یہ تیغ اسے وجہِ کمال — میرا خنجر تا نہ ہو مجھ کو وبال
بھاگتا ہوں نبض تا جنباں رہے — بھاگنا خود سے رہے آساں مجھے

وہ جو کوئی بھاگتا ہے غیر سے — غیر سے کٹ کر قرار آئے اُسے
اپنا دشمن آپ میں خود سے دواں — کام میرا بھاگنا ہے جاوداں
ہے ختن مامن نہ ہی ہندوستاں — سایہ خود دشمن جو ہو کیسا اماں

ان بیخودوں کا بیان جو اپنے شر و ہنر سے محفوظ ہو گئے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بقا میں فانی ہو گئے جس طرح کہ ستارے دن میں سورج کی روشنی میں فانی ہیں اور فانی کے لیے آفت کا خوف و خطر نہیں ہوتا ہے

جب فنا کا فقر پیرایہ بنے — جوں محمدؐ وہ بھی بے سایہ بنے
فقر و فخری کو فنا گہنا بنے — شمع کو لو جیسے بے سایہ بنے
شمع ہوجائے جو شعلہ سربسر — گرد اس کے کیوں ہو سایے کا گزر
موم خود سے سایہ سے ہو کر جدا — جوں کرن صانع کی جانب چل دیا
بولا ڈھالا ہے تجھے بہرِ فنا — بولے وہ، میں نے فنا خود کو کیا
یہ کرن ہے جاودانی واقعی — یہ نہیں ہے مٹنے والی شمع کی
شمع جل کر ہوگئی جس دم فنا — نہ نشان شمع کچھ ہے نہ ضیا
دفع ظلمت کرتے وہ ہے آشکار — موم کی صورت میں آتش پائیدار
بر خلاف اس کے کہ موم شمعِ تن — روشنی افزوں، گھٹے جوں جوں بدن
یہ کرن باقی ہے اور وہ فانی ہے — اور زبانۂ شمعِ جاں ربّانی ہے
آگ کا یہ شعلہ چونکہ نور تھا — نیستی کا سایہ اس سے دور تھا
ابر کا سایہ ہے سطحِ خاک پر — چاند کا سایہ نہیں آتا نظر
بیخودی بے ابر ہے اے نیک خواہ — بیخودی میں ہوگا تو مانندِ ماہ
اور آ کر پھر اسے دے گا نکال — ہوگا پھر بے نور مانندِ خیال
نور کمزور اس کا بادل کے سبب — ماہ کامل تھا مہِ نو سا ہے اب
ماہ ابر نہ گرد سے مثلِ خیال — ابر سے تن کے وہی ہے اپنا حال

چاند کا یہ فیض ہے فیض اس کا ہی — بولا مجھ کو ابر سے ہے دشمنی
ماہ ہے نادیدہ ابر و غبار — ہے فرازِ چرخ پر اس کا مدار
ابر عدوئے جاں بنا اپنے لیے — چاند کو کرتا ہے پنہاں آنکھ سے
حور کو بھی بڑھیا سی پردے نے کیا — ماہِ نو سے رتبہ کمتر بدر کا
ماہ نے دی ہم کو عزت کی جگہ — اور ہمارے خصم کو دشمن کہا
روشنی ہے ابر کو مہتاب سے — وہ ہے گمرہ ابر کو جو مہ کہے
چاند بادل پر ہوا جب نور بار — ہوگیا تبدیل اس کا روئے تار
دولت اس کی چاند کی وہ روشنی — چاند کا نور ابر میں ہے عارضی
حشر میں معزول ہوں گے مہر و مہ — اصل اجالا ہوگا ماخذ آنکھ کا
جانے تا کیا اپنا کیا ہے مستعار — دارِ فانی کیا ہے کیا دارالقرار
دایہ ہے دو چار دن کے واسطے — مادرِ مشفق ہمیں گودی میں لے
پر مرے جوں ابر ہیں پردے کثیف — لطفِ حق کی جھلکیوں سے ہیں لطیف
دور کر دوں ان پروں کو راہ سے — چاند سورج کی صباحت دیکھنے
دایہ کاہے کو مجھے ماں ہی بھلی — میں ہوں موسیٰ دایہ خود ماں ہے مری
لطفِ مہ درکار ہے بے واسطہ — ہے ہلاکت کا سبب یہ رابطہ
یا کرے خود ابر پیدا خوئے ماہ — تا نہ بن جائے حجابِ روئے ماہ
اپنی صورت میں رہے وہ جیسے لا — جیسے جسمِ اولیا و انبیا
ایسا بادل پردہ بنتا ہے کہاں — پردہ در ہوتا ہے وہ راحت رساں
اس طرح کہ روشنی میں صبح کو — بوندا باندی ہو کہیں بادل نہ ہو
وہ کہ تھیں پیغمبری شادابیاں — محو ہوکر ابر ہو جوں آسماں
قطرہ قطرہ آسماں برسا کیا — شرح میں پہلے بیاں وہ آچکا
ابر تھا لیکن نہ تھی خو ابر کی — صبر سے ہوگا تنِ عاشق یونہی
جسمیت با خوئے تن جاتی رہی — محو رنگ و بو، دگر حالت ہوئی

پر ہیں بہرِ غیر، سر میرے لیے — کان، آنکھ ارکانِ تن ہوکر رہے
جاں گنوانا بن کے یوں نخچیرِ غیر — کفر خالص، خالی از امیدِ خیر
ہاں نہ بن طوطی کے آگے جوں شکر — زہر بن چھونے نہ پائے گا ضرر
یا فقط شاباش سننا ہے تجھے — خود کو کر مردار کتّوں کے لیے
اس لیے کشتی کو توڑا خضرؑ نے — غاصبوں سے تا کہ ناؤ بچ رہے
فقر میرا فخر یوں اچھا رہا — طامعوں سے بچ رہا اندر غنا
گنج ویرانوں میں رکھتے ہیں نہاں — تا نہ پائیں اس کی بو عمرانیاں
ڈھونڈ خلوت تو نہ پائے گا انھیں — تا نہ ہو وہ صرف اندر آں و ایں
کیونکہ تو بھی لقمہ ہے اور لقمہ خوار — کھانے والے ہیں تجھے بھی ہوشیار

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کھانے والی اور غذا ہے اس پرند کی طرح جو ٹڈی کے شکار کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور ٹڈی کے شکار میں مشغول ہوتا ہے۔ اور اس بھوکے باز سے غافل ہوتا ہے جو اس کے پس پشت اس کے شکار کر لینے کا ارادہ رکھتا ہے، اب اسے کھانے والے شکاری اور کھانے والے سے مطمئن نہ بن کیونکہ اگر چہ تو اس کو آنکھ کی نگاہ سے نہیں دیکھتا ہے دلیل اور عبرت کی نظر سے دیکھ لے تا کہ تیری بے نور آنکھ کھل جائے اگر اللہ چاہے

اک پرند تاک میں تھا کرم کی — بلی جھپٹی اور اس کو لے گئی
لقمہ تھا وہ کھانے والا بے خبر — تاک میں اُس کی شکاری تھا دِگر
چور ادھر ہے غرقِ فکرِ مال و زر — اس کے در پے لوگ اور کوتوال اُدھر
اس کی دھن میں مال و زر اور قفل در — بے خبر از شحنہ و آہِ سحر
اپنی دھن میں اس قدر کھویا ہوا — گھات میں کوئی ہے، یہ بھولا ہوا
پی کے پانی گھاس کو بڑھنے لگے — کھائے حیواں اس سے پیٹ اپنا بھرے

آکل و ماکول ٹھہرا وہ گیاہ ہے ہر اک یونہی غیرِ اللہ
وہ کھلاتا ہے پہ خود کھاتا نہیں پوست و لحم و لقمہ خور، لقمہ نہیں
آکل و ماکول بے خطرہ نہیں کوئی آکل گھات میں ہوگا وہیں
جذبِ ماتم امن ہے ماکول کا اس کے ہاں جا جو نہ کچھ بھی کھائے گا
ہضم اک دیگر کو کرتے ہیں خیال ہے ضرور افکار کا بھی یہ مآل
تو خیالوں سے بھلا کیوں کر بچے یا تو سوجا ان سے بچنے کے لیے
مشہد کی مکھی ہے فکر اور نیند آب مکھیاں گھیریں ہو جونہی ختم خواب
اڑتی ہیں کتنی خیالی مکھیاں وہ اِدھر کھینچیں گی لے جانے وہاں
سب سے کمتر کھانے والوں میں خیال جانے باقی کو خدائے ذوالجلال
بھاگ ان سے جو ہیں اکّالِ غلیظ اس کے ہاں کہتا ہے جو میں ہوں حفیظ
یا لے اس کو حفظِ جس کو ہے نصیب جا نہ پائے گر تو حافظ کے قریب
دے نہ ہاتھ اپنا بجز در دستِ پیر ہاتھ اس کا ہے بدست دستگیر
ہے ترا پیر خرد طفلانہ خو کرلیا پنہاں پڑوسی نفس کو
عقلِ کامل کو قریں لا با خرد عقل تیری تا کہ چھوڑے خوئے بد
ہاتھ میں اس کے جو ہاتھ اپنا دیا زد سے کھانے والوں کے وہ بچ گیا
بیعت ایسوں سے ہوئی تیری بجا حق یداللہ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ کہا
کردیا جب ہاتھ اپنا رہنِ پیر پیرِ دانا، صاحبِ علم و خبیر
ہے نبی تیرے زمانے کا وہی کیوں پیدا اس سے ہے نور نبی
تو حدیبیہ چلا اس راہ سے جوں صحابہ آپ بیعت کے لیے
عشرہ یارانِ مبشرہ سے ہوا دس کا دس تو زرِّ خالص ہوگیا
تا معیت حق کی راس آئے اُسے ساتھ جس کا ہو وہ یار اُس کا بنے
یہ جہاں اور وہ جہاں اس کا بنے ہے حدیثِ مصطفیؐ یہ جان لے
بولے انسان ساتھ ہے محبوب کے دل نہیں ہوتا جدا مطلوب سے

دام و دانہ ہو جہاں بھی تو نہ جا ‏ ‏ ظالموں کا دیکھ ہے انجام کیا

ختم کردے سب ترے حرص و حسد ‏ ‏ یاد کر فِیۡ جِیۡدِ ھَا حَبۡلٌ مسد

دام کی دُھن دل سے دھونا لازمی ‏ ‏ دام چپکا ہے پروں پر تیرے ہی

تو ہے ظالم یا کہ مظلوم اے عجب ‏ ‏ رکھتی ہے لرزیدہ و ترساں طلب

آکل و ماکول ہے تو اے عجب ‏ ‏ خود شکار اور صید کی تجھ کو طلب

غرض صیّادی ہے غافل صیدی سے ‏ ‏ خود ہے بیدل، دلبری کرنے چلے

اونٹ آگے پیچھے ایسا ہو نہ تو ‏ ‏ پاس ہے دشمن ترے دیکھے نہ تو

مرغ سے کم تر نہ بن وقت خطر ‏ ‏ آگے پیچھے رکھتی ہے چڑیا نظر

کم نہیں چڑیا سے تو دیکھ آ وہاں ‏ ‏ آگے پیچھے دیکھتی ہے کیوں عیاں

جب قدم رکھتی ہے وہ دانہ کے پاس ‏ ‏ مڑ کے کیسا دیکھتی ہے آس پاس

گھات میں کوئی شکاری ہو تو ہو ‏ ‏ کھینچ لوں دانے سے اپنے ہاتھ کو

دیکھ پس تو قصہٴ فجّار کو ‏ ‏ مرتے ہمسایہ کو ان کے یار کو

ختم کر ڈالا بنا ہتھیار انھیں ‏ ‏ وہ ترے ہمراہ ہیں ہرحال میں

حق شکنجے کستا ہے ہاتھوں بنا ‏ ‏ دیکھ حق کس طرح دیتا ہے سزا

وہ جو بولے حق اگر ہے، ہے کدھر ‏ ‏ خود بندھا، شاہد ہے اس کی ہست پر

وہ جو کہتا تھا بعید ہے اور عجیب ‏ ‏ دکھ میں دیتا ہے صدا وہ اے قریب!

جو مُصِر انکارِ حق پر تھا سدا ‏ ‏ حسرت انجام اس کا سب بے فائدہ

دیکھ تو احوالِ فرعون و ثمود ‏ ‏ قوم لوطؑ و صالحؑ و قومِ ہودؑ

حال پر نمرود کے کچھ غور کر ‏ ‏ ڈال قوم نوحؑ پر بھی اک نظر

تا کہ جانے ہے خدا شنوا علیم ‏ ‏ وہ غنی ہے پاک ہے بے باک و بیم

میں اکھیڑے دیتا ہوں منحوس دام ‏ ‏ تا رہوں مقصد میں اپنے شاد کام

شرح ویسی ہے سمجھ جیسی تری ‏ ‏ کر تو غور و خوض اس میں اور بھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوے کو مارنے کا سبب کہ وہ مہلک صفات میں سے کون سی صفت کو زائل کرنے کی طرف اشارہ تھا

ہے سخن جاری یہ قصّہ ہے طویل   تم نے کیوں کوّے کو مارا اے خلیلؑ
کیا تھی حکمت حکم میں بتلایئے   کچھ عیاں اسرار سے فرمایئے
کاش کائیں کرکے کوّا بار بار   حق سے لمبی عمر کا ہے خواستگار
بارگاہِ حق میں جوں ابلیس نے   عرض کی تا حشر جینے کے لیے
بولا مہلت دے تو تا یوم الجزا   توبہ کرتا، کہتا کر عفو اے خدا
زندگی بے یار جانکاہی بنے   مرگِ حاضر دوری ہے اللہ سے
جینا مرنا حق کے ہمرہ سب بھلے   آبِ حیواں بے خدا آتش لگے
وہ بھی تھی تاثیر ہی پھٹکار کی   اس جگہ بھی اس نے چاہی عمر ہی
غیرِ حق کی حق کے ہاں کرنا طلب   ہے گماں بڑھنے کا گھٹنے کے سبب
حق سے یوں بیگانگی کی زندگی   شیر کے آگے ہے جیسے روبہی
عمر لمبی دے کہ میں پیچھے چلوں   دے بڑی مہلت کہ میں کمتر بنوں
تا نشانہ لعنتوں کا بن سکے   بد ہے وہ لعنت جسے بھی چاہیے
قربِ حق میں پالنا جاں کو بھلا   عمر لمبی زاغ کی گوبر غذا
عمر لمبی دے کہ فضلہ کھا سکوں   دے یہی دائم کہ میں بداصل ہوں
گر نہ فضلہ خوار ہو گندہ دہن   کہتا اس کو ترک کردے زاغ پن
اے کہ مٹی کو بنایا تونے زر   خاکِ دیگر سے بنایا بوالبشر
تو کرے تغییرِ اعیاں و عطا   کام میرا سہو و نسیان و خطا
سہو و نسیاں کو بدل دے علم سے   خلم کو میرے بدل دے حلم سے
خاک نمکیں کو بنائے تو غذا   مردہ ناں کو جاں بھی تیری عطا
تو کرے تاریک جاں کو راہبر   اور کرے بے راہ کو پیغامبر

ڈالتا ہے خاکِ تیرہ میں تو جاں
دیتا ہے تو عقل، حس، ایمان و ناں

نے سے چینی شاخ سے پھل لائے تو
اور نجس نطفہ سے یارِ خوبرو

گِل سے گُل، اخلاص بھی دل کو تو دے
دے کے چربی کو ضیا روشن کرے

تو ہی کرتا ہے زمیں کو آسماں
اور ستاروں سے سجائے خاکداں

چاہے جو اس جا حیاتِ جاوداں
مارے گی موت اس کو قبل از دیگراں

دیدۂ دل نے جو دیکھا آسماں
ہر گھڑی صنعت گری پایا وہاں

اصل کی تقلیب، اثر عالم سبھی
سوئی بن پیوند کاری جسم کی

جب سے ہستی میں تجھے لایا گیا
آگ تھا یا خاک یا تو باد تھا

گر اسی حالت میں پالیتا بقا
کیا کبھی تو دیکھتا یہ ارتقا

کردیا تجھ کو مبدّل نے دگر
ہستیِ دیگر ہوئی پیدا اُدھر

یوں ہی شکلیں ایک کے پیچھے دگر
خوب سے بنتی رہی ہیں خوب تر

دیکھ صانع کو وسائط ترک کر
اصل کو ورنہ نہ پائے گی نظر

وصل ٹوٹا واسطے جب بڑھ گئے
واسطے کم ہوں تو وصل آساں رہے

دافعِ حیرت ہے عرفانِ سبب
خود وہ حیرت رہنما ہے تا بہ رب

ان فناؤں نے بقا دی ہے تجھے
پھر گریزاں ہے فنا سے کس لیے

ان فناؤں سے ترا نقصاں ہے کیا
جب بقا ہی سے ہے تو چمٹا ہوا

جب کہ اول سے دوم ہے خوب تر
تو فنا ڈھونڈ اور خدا کا شکر کر

تونے لاکھوں حشر دیکھے ہیں بپا
روزِ اوّل سے یہی ہوتا رہا

تو جمادی سے چلا سوئے نما
جان پائی آزمائش میں پڑا

پھر تمیز و عقل کی جانب بڑھا
پھر جہات و حِس سے باہر ہوچلا

تا کنارِ بحر ہیں جو نقشِ پا
وہ نشاں ہیں اب درونِ بحر لا

کیونکہ حد بندی سے خشکی کے مقام
ہیں سرائے، شہر یا گاؤں تمام

اور دریا میں ٹھکانے کو کہاں
موجوں میں دیوار و درچھت نا مکاں

راستے پیدا وہاں پاؤں نہ گام — تا نشاں منزل کے باقی اور نہ نام
فاصلے دو منزلوں کے درمیاں — اس زمیں سے تا بہ حدِ لا مکاں
تونے دیکھی ہے فناؤں میں بقا — کیوں بقائے تن پہ ہے چپکا ہوا
سن اے کوے جان دے کر باز بن — قبل تبدیلِ خدا جانباز بن
ترک کردے کہنہ تازہ ہوگا حال — رفتہ سے بہتر ہرآنے والا سال
کر نہ پائے نخل جوں ایثار اگر — ڈال کہنہ کہنہ پر انبار کر
ہر نئے کو وہ قبولے گا نہیں — بندۂ حق کچھ ترا بندہ نہیں
جس جگہ بھی ہو ہجومِ مرغِ کور — تیرے پاس آئیں گے سیلابِ شور
تاکہ کھاری پانی سے کوری بڑھے — اندھا پن بڑھتا ہے آبِ شور سے
اہلِ دنیا اس لیے ہیں کور دل — ان کو خوش شور آب وہ ہیں آب وگل
کھاری پی دنیا میں اندھا بن کے رہ — آبِ حیواں کو کہاں ہے تجھ میں جا
حالت ایسی اور بقا چاہے زیاد — زندگی کر تو سیہ روئی میں شاد
اپنے کالے رنگ ہی میں ہے تو شاد — کہ ہے اصلیت سے تو زنگی نژاد
جو جنم سے ہو حسیں و خوش جمال — وہ کرے کالک کو دھونے کا خیال
اڑنے والا گر زمیں پر ہی رہا — غصہ ہوکر وہ کرے آہ و بُکا
مرغ خانہ کھاتا پیتا خوش رہے — اور زمیں پر دوڑتا پھرتا رہے
اصل سے وہ چونکہ بے پرواز ہے — اڑنے والا دوسرا پر باز ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے تین شخصوں پر رحم کرو کسی قوم کا باعزت جو ذلیل ہوگیا ہو، کسی قوم کا مالدار جو محتاج ہوگیا ہو، وہ عالم جس کا جاہل مذاق اڑائیں

بولے پیغمبرؐ کہ رحم ان پر کرو — ہوگئے مفلس غنا کے بعد جو
وہ جو بعد عزت کے ہوجائے حقیر — یا وہ عالم ہو جو جہلا کا اسیر
رحم کے قابل ہیں یہ تینوں گروہ — رحم کیجو، تم ہو پتھر یا ہو کوہ

وہ جو بعد عزت کے ہو جاتا ہے خوار — اور وہ مفلس جو تھا پہلے مالدار
تیسرا وہ ہے گروہِ عالماں — جو ہیں عاجز ابلہوں کے درمیاں
پہلے عزت بعد ذلّت یوں ہوا — جس طرح اک عضو تن کا کٹ گیا
کٹ گیا جو عضو مردہ ہوگیا — نو بریدہ تڑپا دم بھر چپ ہوا
جو پیا ہے جامِ پیمانِ الست — وہ رہا امسال بھی مسرور و مست
مثلِ سگ سنڈاس کا جو ہو پلا — ذوقِ سلطانی اسے کیوں ہو بھلا
وہ کرے توبہ کیا جس نے گناہ — راہ کھونے والا ہی کرتا ہے آہ

ہرن کے بچہ کا گدھوں کے اصطبل میں قیدی ہونے کا قصہ اور اس پردیسی پران گدھوں کی طعنہ زنی کبھی لڑائی سے کبھی مذاق سے اور اس کا خشک گھاس میں مبتلا ہونا کیونکہ وہ اس کی غذا نہیں ہے۔ یہی حالت خدائے عزوجل کے خاص بندے کی دنیاداروں اور شہوت پرستو میں ہے کیونکہ اسلام اجنبی بن کر شروع ہوا اور عنقریب اجنبی بن جائے گا جیسا کہ شروع ہوا تو اجنبیو! خوش خبری ہے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا:

"الاسلام بدأ غريباً و سيعود غريباً كما بدأ غريباً، فطوبىَ للغرباء"

اک شکاری نے کیا آہو کو صید — کردیا آخر میں لاکر اس کو قید
اصطبل بیلوں گدھوں سے تھا بھرا — بہرِ آہو قید خانہ وہ ہوا
جیسے پاگل دوڑتا آہو وہاں — شب میں ڈالا گھاس وہ بہرِ خراں
بھوکے پیاسے گاؤ و خر سب زود تر — کھا رہے تھے گھاس کو گویا شکر
دوڑا آہو گہ ادھر گاہے ادھر — اس دھوئیں اور گرد سے منہ موڑ کر
جس کو اس کی ہٹ پہ چھوڑا جائے گا — موت کی آخر سزا وہ پائے گا
جوں سلیمانؑ بولے ہدہد سے اگر — عذرِ غیبت گر نہ لائے معتبر
جان لے لوں اس کی یا خود دوں عذاب — اک عذابِ سخت بے حد و حساب

وہ عذابِ سخت کیا ہوگا یہی — جنس دیگر کی قفس میں ہمدمی
ہے بدن وجہِ عقوبت اے پسر — مرغِ جاں ہے ہمرہِ جنسِ دگر
روح ہے باز اور طبیعت جیسے زاغ — روح تن کی وجہ سے ہے داغ داغ
درمیاں اس کے رہے وہ زار زار — جیسے بو بکر اندرونِ سبز وار

سلطان محمد خوارزم شاہ کی حکایت جس نے سبزوار شہر کو جس کے تمام باشندے رافضی تھے جنگ کر کے لے لیا، ان لوگوں نے قتل سے امان چاہی اس نے کہا میں امان جب دوں گا جب کہ اس شہر سے سے ابوبکر نامی شخص لے آؤ

جب محمد الپ الغ خوارزم شاہ — سبزوار آیا ہے کرنے کو تباہ
گھیرا اس کی فوج نے اس شہر کو — کٹ رہے تھے فوج سے اس کے عدو
مانگتے تھے گر کے سجدے میں اماں — کر ہمیں حلقہ بگوش اور بخش جاں
جو خراج اور بدلہ تجھ کو چاہیے — وہ سدا ہر فصل پر بڑھتا رہے
اے بہادر ہے ترا مال اپنی جاں — ہوگی وہ تیری امانت اپنے ہاں
بولا تم جاں کی اماں پاتے نہیں — جب تک اک بوبکر کو لاتے نہیں
جب تلک بوبکر نامی شہر سے — ہدیہ اک تن کا نہ لادوگے مجھے
کاٹ دوں تم سب کو کھیتی کی مثال — کچھ سنوں گا اور نہ لوں گا تم سے مال
زر کے تھیلے لائے نذرانہ کیے — پس طلب بوبکر کی تو چھوڑ دے
اے عجب بوبکر و شہرِ سبزوار — سوکھا ڈھیلا دے گا کوئی جوئے بار
مال رد کر کے کہا اے کافرو! — جب تلک بوبکر تحفہ لا نہ دو
ہیچ یہ سب میں کوئی بچہ نہیں — چاندی سونے سے بہلنے کا نہیں
سجدہ بن تو کیسے چھوٹے گا بھلا — ساری مسجد ناپ لے بھی کیا ہوا
ہر طرف جاسوس دوڑائے گئے — تا پتہ بوبکر کا کوئی لگے
تین دن اور رات سب دوڑے پھرے — لاغر اک بوبکر کو وہ پاسکے

وہ مسافر اور مرض میں مبتلا | ایک ویرانے کے کونے میں پڑا
اک خرابہ اس میں گوہر بے نوا | اشکِ خونیں رخ سے ڈھلکاتا ہوا
گوشہ میں ویرانے کے سویا ہوا | دیکھا جاسوسوں نے اور فوراً کہا
اٹھ کہ سلطان نے بلایا ہے تجھے | شہریوں کا قتل تاکہ رُک سکے
بولا پاؤں ہوتے چل سکتا اگر | بہر مقصد خود ہی طے کرتا سفر
کیا پڑا رہتا ہے بہ شہر دشمناں؟ | ہانکتا مرکب کو سوئے دوستاں
پھر وہ اک تابوت میں اس کو چڑھائے | لے چلے تابوت کندھوں پر اٹھائے
جانبِ خوارزم اُسے لے کر چلے | تاکہ وہ اس کی نشانی دیکھ لے
سبزوار عالم یہ ہے مردِ خدا | اس کی ہستی اس جگہ بے فائدہ
وہ شہِ خوارزم ہے ربِّ جلیل | اہلِ دل چاہے ز اربابِ ذلیل
بولا کیا حاصل بھلا اشکال سے | جستجو بس اہلِ دل کی چاہیے
چشمِ اہلِ دل سے جانچوں گا تجھے | شکل سے طاعت سے نے خیرات سے
اپنے دل کو دل سمجھ رکھا ہے تو | چھوڑ ڈالا اہلِ دل کی جستجو
دل کہ جس میں سات سوہفت آسماں | گر سمائیں جائیں تو کھو جائیں وہاں
دل کے ریزوں کو نہ دینا دل قرار | ہوگا کیوں بوبکر اندر سبز وار
چھ رخی آئینہ ہیں یہ اولیا | دیکھتا ہے ان میں چھ رخ سے خدا
وہ کہ جملہ شش جہت ہیں جس کا گھر | ماسوا اللہ کو نہ دیکھے اک نظر
دیکھتا ہے وہ اسی کو دیکھنے | گر قبولے وہ، سند بس وہ اسے
للّٰہیت ان کی ہر حالت بجا | کیوں نہ ہوں گے وہ بھی مقبولِ خدا
چاہے حق ان کی رضا بہرِ عطا | یہ ہے شمۂ رتبتِ اہلِ لقا
دیتا ہے اپنی عطایا حق انھیں | ہوتے ہیں تقسیم وہ مرحوموں میں
ان کا ہے دریائے کُل سے اتصال | ہے بیاں کی حد سے باہر یہ کمال
اتصال ایسا کہ ہے عاجز کلام | ہے بیاں کرنا تکلف والسلام

لائے گا سو تھیلے سونا بھی غنی
بولے حق چاہے یہاں بس دل کو ہی

تجھ سے وہ خوش ہو تو میں بھی خوش رہوں
وہ جو منھ پھیرے تو میں بھی پھیر لوں

اس کا دل دیکھوں نہ دیکھوں میں تجھے
میرے در پر تحفہ لا اس کے لیے

تجھ سے وہ جیسا ہے میں ویسا تجھے
جیسے جنت ماؤں کے پاؤں تلے

باپ ماں ہیں اصل خلقت کے لیے
خوش وہ قلب و پوست کو جو جان لے

تو کہے لایا ہوں دل تیرے لیے
دل نہیں دمڑی کے قابل وہ کہے

بولے وہ دل لا جو ہے قطبِ جہاں
بہرِ آدم جانِ جانِ جانِ جاں

اک منور نیک دل کا راستہ
تک رہا ہے وہ دلوں کا بادشہ

مدتوں تو پھر کے دیکھا سبزوار
ایسا دل پایا کوئی ذی اعتبار

خستہ جاں، پژمردہ دل لایا یہاں
رکھ اسے تابوت میں لے جا وہاں

بول دل لایا ہوں تجھ کو شہر یار
بہتر اس سے دل نہیں در سبزوار

پوچھے قبرستان سمجھا اے نڈر
تو نے اک مردے کو لایا ہے ادھر

لوٹ جا لا دل کوئی شاہی مزاج
رستگاری ہے جہاں کی اس سے آج

بولے ہے دنیا سے ایسا دل نہاں
ہیں مخالف نور کی تاریکیاں

ابتدا سے ایسے دل کی دشمنی
سبزوارِ طبع میں پائی گئی

کیونکہ ہے یہ باز، دنیا شہرِ زاغ
کہ ہے اک ناجنس پر ناجنس داغ

ہو نفاق اس میں اگر نرمی دکھائے
کر کے مائل فائدہ تا کچھ اٹھائے

اس کا ہاں کہنا نہیں وجہِ نیاز
تا کہ ناصح کم کرے پندِ دراز

یہ کمینہ کوّا ہے مردار خواہ
مکر لاکھوں اس کے اندر تہ بہ تہ

مان لے گر ڈھونگ سے وہ بچ گیا
ہوگا دو رنگی سے سچ مچ فائدہ

کہ ولیِ حق ہے صاحب کروفر
مول لیں معیوب کو بھی لوگ ادھر

ڈھونڈ صاحب دل کو گر پہچاں نہیں
جنسِ دل بن گر ضدِ سلطاں نہیں

وہ کہ جس کا مکر تجھ کو بھا گیا
ہے ولی تیرا، نہیں اللہ کا

جس میں بھی خو بو تری پائی گئی وہ ترے دل کو ولی ہے وہ نبی
نفس سے بچ آئے تا بوئے خدا غیب سے نتھنوں میں تیرے کد خدا
نفس سے ہٹ، تار ہے خوبی سے کام عنبریں خوشبو سے مہکے تا مشام
مغز کو فاسد ہوا نے کردیا مشک عنبر اس کے آگے کم بہا
تو نجاست کا ہے عاشق مثلِ زاغ بو نہ پائے مشک کی تیرا دماغ
اس سخن کی حد نہیں آہو مرا بھاگتا ہے اصطبل میں جا بجا

گدھوں کے اصطبل میں ہرن کا قصہ

کچھ دنوں پھرتا رہا آہوئے نر اصطبل میں درمیانِ گاؤ وخر
ماہیِ بے آب سا پُر اضطراب مینگنی اور مُشک باہم اک عذاب
کہہ رہا تھا اک گدھا اے بوالوحوش طبع شاہی، دوڑتا ہے تو خموش
کررہا تھا دوسرا جو مسخری دے گا سستے مول موتی جوہری؟
تیسرا بولا یہ تیری نازکی بیٹھنے زیبا تجھے تختِ شہی
چوتھا بدہضمی سے کچھ کھاتا نہ تھا آہو سے گھاس اس نے کھانے کو کہا
سر ہلایا اور بتایا اے فلاں میں نہیں بھوکا مگر ہوں ناتواں
بولا ہے معلوم تو کرتا ہے ناز یا تکبر سے ہے تیرا احتراز
بولا اس کو کھا کہ ہے تیری غذا زندگی و تازگی تو پائے گا
مرغزاروں کا مجھے سودا رہا ان کے سایوں، باغوں میں آسودہ تھا
آفتیں قسمت سے ہوں درپیش اگر خو و خوش طبعی کو ہے جائے کدھر
کب گدا رو ہوں گا میں بن کر گدا جامہ بوسیدہ سہی میں ہوں نیا
لالہ ہو سنبل ہو یا ریحان ہی میں نے کھائے نازنخوت سے سبھی
بولا نافہ ہے ثبوت اس لاف کا لاف کو غیرت میں موقع مل گیا
بولا ہے نافہ مرا اس کا گوا اس کا عنبر عود پر احساں بڑا

سونگھ سکتے ہیں اسے صاحب مشام   وہ گدھوں سرگیں پرستوں پر حرام
راہ میں سونگھے گدھی کا بول خر   قدر بوئے مشک کی اس کو کدھر
اس لیے فرمائے اللہ کے حبیب   یہ کہ ہے اسلام دنیا میں غریب
محترز خود آپ کے ہی رشتہ دار   ہیں فرشتے گرچہ ان کے یار و جار
جنس اپنی مانتے ہیں شکل سے   پر میسر ان میں خوشبو ہے کسے
بیلوں سے لوگوں کے اندر شیر سا   دوری بہتر چھیڑنے ان کو نہ جا
چھیڑنا ہی ہو تو تن کو بھول جا   شیر خو ہے پھاڑ دے گا تن ترا
بیل پن سر سے ترے دے گا نکال   اور ہی کردے گا حیوانوں کا حال
بیل کو شیر اُس سے قربت نے کیا   بیل پن بھائے تو شیری کو نہ جا

"اِنّی اَرَیٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سَمَانٍ یَاکُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ" بے شک میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں جن کو سات لاغر کھا رہی ہیں کی تفسیر ان لاغر گایوں کو خدا نے بھوکے شیروں کی صفت پر پیدا فرمایا تھا یہاں تک کہ انھوں نے سات موٹی گایوں کو بھوک سے کھالیا اگرچہ خواب کے آئینہ میں وہ خیالات گایوں کی صورت نمودار ہوئے تو حقیقتاً شیر سمجھ

خواب میں دیکھا عزیزِ مصر نے   جب کہ پردے غیب پر سے اٹھ گئے
سات موٹی پالتو گائیں جو تھیں   سات لاغر گایوں کا لقمہ بنیں
در حقیقت دبلی گائیں شیر تھیں   ورنہ گایوں کو وہ کھاسکتی کہیں
آدمی جیسے ہیں کتنے آدمی   شیر کتنے ان میں کھانے آدمی
مرد کو کھا کر بنا دیتا ہے فرد   دُرد کو صافی بنائے دے کے درد
دور اس یک درد سے سب درد و غم   برسرِ افلاک وہ رکھے قدم
بندگی سے بڑھ کے کرتا ہے شہی   نیستی اس کو تو دل کو زندگی

تن کو صدقہ کرتا ہے شیرِ خدا ہے اگر اس سے تجھے صدق و صفا
گر ہے مہماں کُش تو ہے وہ بدچلن کب تلک پالے گا خواجہ گاوِ تن
گاوِ تن مردار، یہ ہے انتہا ہو اگر نیت بری شامت اٹھا

اس کا بیان کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام (خلیل اللہ) کا مرغے کو مارنا مرد کے باطن کی مہلک اور بری صفات میں سے کون سی صفت زائل کرنے اور مغلوب کرنے کا اشارہ ہے

ذکر کب تک زاغِ پُر فن کا چلے مرغا کیوں مارا خلیل اب بولیے
مارنے میں کیا تھی حکمت بولیے شکر تا ہر موئے تن میرا کرے
پوچھا کیا ہے قصدِ حکمِ رب بتا صدقِ دل سے تا پڑھوں میں لاالٰہ
شہوتی وہ ہے بڑا شہوت پرست نشۂ بیہودگی میں اپنی مست
مقصد شہوت فزونی نسل کی ورنہ آدم آپ کرلیتے خصی
بولا ابلیس لعیں اللہ سے دام بھاری اس کی خاطر چاہیے
سونا، چاندی، گھوڑے آگے لا رکھے تا کہ ان کی طمع سے بہکا سکے
بولا اچھا ناخوش و تیوری چڑھائے دُکھی ہوکر چہرہ لیمو سا بنائے
موتیاں لائے خزانوں سے نکال رکھ دیا ظالم کے آگے ذوالجلال
بولا یہ ہے دام دیگر اے لعیں بولا دے اس سے سوا نعم المعین
میٹھے مشروبات، کھانے قیمتی اور دیے جامے بہت سے ریشمی
بولا یارب اور دے بہرِ مدد تا انھیں پھانسوں بہ حَبْلٌ مِنْ مَّسَدْ
تیرے متوالے بہادر ہیں بڑے توڑ دیتے ہیں شکنجے زور سے
ان کے اوپر ڈال کر دامِ ہوا مرد کو نامرد سے کردوں جدا
دام اور اک چاہیے اے شاہِ بخت تا پچھاڑوں مرد حیلے کرکے سخت
پھر شراب و ساز سب لاکر رکھا بولا سب اچھا ہے اور طنزاً ہنسا
بولا بدبختِ ازل سب کچھ دیا قعرِ بحرِ فتنہ سے جا دھول اڑا

پوچھا کیا بندوں میں اک موسیٰ نہیں ... بحر سے جو گرد اڑا سکتا نہیں
باگِ پانی نے زہر سو کھینچ لی ... اور تہِ دریا سے گرد اڑنے لگی
جب کیا وہ حسنِ زن کو آشکار ... لوٹ لے جو مرد کا صبرو قرار
رقص میں آیا بجائیں چٹکیاں ... بولا دے دے ہوگیا میں کامراں
اس نے دیکھیں چشم ہائے پر خمار ... جو کرے عقل و خرد کو بے قرار
وہ حسیناں، ان کے چہرے ان کے گال ... جلتے ہیں دل کالے دانوں کی مثال
چہرہ، ابرو، خال اور لب جوں عقیق ... آڑے سورج پر ہوں پردے رقیق
جس طرح سروِ خراماں در چمن ... چہرہ جیسے یاسمیں و نسترن
جست مارا دیکھ کر ناز و ادا ... پردۂ نازک میں جوں نورِ خدا
دنگ اس کو دیکھ کر سارا جہاں ... اُس کا ناز اُس کے کرشموں کو وہاں

"لَقَدُ خَلَقُنَاالِانُسَانَ فِیُ اَحُسَنِ تَقُوِیُمٍ ثم رَدَدُنَاهُ اَسُفَلَ سَافِلِیُنَ۔ وَمَنُ نُّعَمِّرُهُ نُنَكِّسُهٗ فِیُ الُخَلَقِ اَفَلَا لَا یَعُقِلُوُنَ" بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر اسے کمترین سے کمتر کی طرف لوٹا دیا اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اس کی بناوٹ کو اوندھا کر دیتے ہیں کیا وہ نہیں سمجھتے، کی تفسیر

آدمؑ و جنؔ و مَلَک کے سر جھکے ... اور سب معزول جوں آدمؑ ہوئے
بعدِ ہستی نیستی یہ واہ وا ... بولا طولِ عمر کی یہ ہے سزا
کھینچتے ہیں بال جبریلِ امینؑ ... کہ تو حور و خلد کے لائق نہیں
پوچھا عزت دے کے کیوں بے عزتی ... بولا وہ تھی داد اور یہ داوری
تم نے اے جبریلؑ کل سجدہ کیا ... ہانکنا جنت سے اب یہ کیوں ہوا
امتحاں سے میرا جامہ تار تار ... جوں خزاں میں جھاڑ سے سب برگ و بار
چہرہ وہ جو تھا چمک میں چاند سا ... گوہ سا پیری میں ہے جھک کر دوتا

سر کی وہ خوبی وہ فرقِ خوش جمال ۔۔۔ وقت پیری نے چمک نے سر پہ بال
وہ قدِ رقصاں و نازاں چوں سناں ۔۔۔ وقتِ پیری ہے خمیدہ جوں کماں
کالے بالوں پر سفیدی چھا گئی ۔۔۔ جھرّیوں سے بھر گیا چہرہ سبھی
رنگِ لالہ زعفرانی ہوگیا ۔۔۔ خوئے زن سے زورِ شیری کھوگیا
نرگس آسا آنکھ وہ مرجھا گئی ۔۔۔ سردی اعضائے بدن میں آگئی
جو بغل میں مردوں کو دابے رہے ۔۔۔ ان کی بغلی تھامتے ہیں دوسرے
ہے یہ آثارِ غم و پژمردگی ۔۔۔ موت کا پیغام لاتے ہیں سبھی

"اِلَّا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡ وَ عَمِلُوۡالصَّالِحَاتِ فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُمَمۡنُوۡن" مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے کی تفسیر

وہ کہ ہے نورِ خدا جس کے قریں ۔۔۔ اس کو پیری سے کوئی نقصاں نہیں
اس کی سستی کیا ہے مستی مست کی ۔۔۔ سُستی وہ شرمائے جو رستم کو بھی
گر مرے ہوں ہڈیاں سب غرق ذوق ۔۔۔ اس کے ہر ذرّے پہ ہوگا نورِ شوق
نور سے خالی ہے باغِ بے ثمر ۔۔۔ کرتی ہے اس کو خزاں زیر و زبر
گل گئے اور رہ گئے خارِ سیاہ ۔۔۔ زرد اور بے مغز جوں انبار کاہ
کوئی غلطی باغ میں ہے اے خدا ۔۔۔ ہوگیا ایسا لباس اس سے جدا
دیکھے خود کو اور ایسا دیکھنا ۔۔۔ زہر قاتل ہے تجھے اے مبتلا
عشق میں اس کے اک عالم رو دیا ۔۔۔ اس کو عالم ہانک دے تو جرم کیا
جرم یہ کہ پہنا زیور عارضی ۔۔۔ اس پہ دعویٰ یہ ہے ''مالیّت مری''
لیتے ہیں واپس، کرے تا وہ یقیں ۔۔۔ خرمن اپنا وہ، حسیناں خوشہ چیں
علم ہو تاجامہ تھا وہ عارضی ۔۔۔ چھاؤں ہے وہ آفتابِ ہست کی
وہ جمال و قدرت و فضل و ہنر ۔۔۔ آفتابِ حسن سے پہنچا اُدھر
ٹوٹتے ہیں جیسے تارے صبح کے ۔۔۔ لوٹے سورج کی ضیا دیواروں سے

عکس سورج کا گیا اپنی جگہ
رہ گئیں دیواریں تاریک و سیہ

چہرۂ خوباں سے ہے جس کا ظہور
ہے سہ رنگی شیشہ سے سورج کا نور

شیشے ہیں ہر رنگ کے اس نور کو
رنگ ریزی کرنے والے چار سو

گر نہ ہو شیشہ ہائے رنگ رنگ
نور بے رنگی کرے گا تجھ کو دنگ

خوکر ایسی شیشہ بن دیکھے تو نور
ٹوٹنے سے شیشہ تا تو ہونہ کور

اکتسابی علم ہی کافی تجھے
آنکھ روشن تیری شمعِ غیر سے

وہ چراغ اپنا اٹھا لے جائے گا
خود کو تو ممنونِ دیگر پائے گا

گر کرے تو شکر کوشش بھی کرے
غم نہ کر اس سے بھی سو گنا ملے

شکر ادائی گر نہ ہو خوں روئے گا
حسن گُم کفرانِ نعمت سے ہوا

سب عمل کافر کے زائل ہوگئے
اور مومن کے عمل بہتر ہوئے

مٹ گئے ناشکری سے خوبی ہنر
کہ نہ دیکھے پھر کبھی ان کا اثر

غیرت و اپنائیت، شکر و عطا
یاد بھی گُم، اس طرح ہوں گے ہوا

کافرو! ان کے عمل ہیں بے نشاں
جستجو ہے مقصدِ ہر کامراں

شکر کرنے والے، اصحابِ وفا
وہ ہیں پیچھا جن کا دولت نے کیا

جانی دولت ساتھی قوت لے کے جائے
آنے والی اپنی خاصیت دکھائے

اِقرِضُوا کی رو سے اپنا مال دے
تا ملیں سو دولتیں آگے تجھے

پی کے تھوڑی چھوڑ رکھ اپنے لیے
حوضِ کوثر تا ملے آگے تجھے

گھونٹ اک خاکِ وفا پر جو بہائے
صیدِ دولت بھاگنے اس سے نہ پائے

کرنے خوش اللہ کرے اصلاحِ حال
سب پسِ اہلاک کردے گا بحال

دشمن آبادی کی اے بے درد مرگ
پھیر دے لوٹے ہیں جو بھی ساز و برگ

دے گی واپس پھر نہ لے گی وہ کبھی
پا کے دولت جاں کی ہوجائے غنی

ہم ہیں صوفی دی گلیم اپنی اتار
پھر نہ پہنیں گے وہ اتری ایک بار

بدلہ پایا ہم نے اور بدلہ بھی کیا
مٹ گئے سب حاجت وحرص و ہوا

کھاری پانی سے رہائی پا گئے / بادہ و کوثر کے نزدیک آ گئے
جو کیا اوروں سے تو نے اے جہاں / بے وفائی، مکر اور نازِ گراں
تیرے سر دے مارتے ہیں ہم سبھی / ہم شہید اور در رہِ حق جنگ کی
تا ہو علمِ بندگانِ حق تجھے / وہ ہیں ماہر معرکوں کے جنگ کے
مات مکرِ دنیا کو جھکانے کے لیے / نصرتِ حق پر یقیں کرتے ہوئے
وہ شہیداں پھر سے غازی بن گئے / اور اسیراں پھر مدد پر ڈٹ گئے
شکرِ حق مشکل کے تالے کھُل گئے / نفسِ کافر ناگہاں بسمل ہوئے
جاگیں امیدیں وہ نومیدی کٹی / بت کدہ تھا ناگہاں مسجد بنی
نیستی سے خود کو پھر ظاہر کیے / دیکھ اگر اندھا نہیں کہنے لگے
کتنے سورج ہیں عدم میں پُرضیا / جو یہاں سورج وہ تارا اس جگہ
دیکھ عدم میں کیسے ہستی آ گئی / ضد کے اندر ضد رہی کیسے چھپی!
مردے سے زندہ نکالے حق کہا / ہے عدم عابد کو گھر امید کا
ایک رعیت کاشت سے خرمن تہی / کیا نہیں خوش بر امید نیستی؟
نیستی سے پھر اُگ آئے گا سبھی / فہم کر معنی کی ہے گر آگہی
ہر گھڑی اُس کاشت پر تیری نظر / شاد و خوش حاصل کی اک امید پر
کھولنا جائز تھا گر اس راز کو / کرتا میں بغداد خود انجاز[1] کو
صنعتِ حق کا خزانہ ہے عدم / ہیں عطائیں اس سے پیدا دمبدم
حق ہے موجد اور موجد وہ ہے جو / کہ بغیرِ اصل لائے شاخ کو

موجود عالم جو بظاہر معدوم ہے اور معدوم عالم جو بظاہر موجود ہے کی مثال

نیست کو وہ کر دکھایا ہست سا / اور عدم کو ہست کر دکھلا دیا
بحر پوشیدہ ہے اور جھاگ آشکار / اور ہوا پوشیدہ، پیدا ہے غبار

1- انجاز = ترکستان کا ایک شہر

جوں منارہ خاک پیچاں در ہوا
خاک خود کیسے چلے سوئے سماء

دیکھے بالائی پہ مٹی اے علیل
باد کو از راہِ تعریف و دلیل

دیکھتا ہے جھاگ کو ہر سو دواں
آبِ بن یہ تاب اُس کف میں کہاں

کف کو حِس دِکھلائے دریا کو دلیل
فکر پوشیدہ ہے پیدا قال و قیل

ہے گماں موجود کا معدوم پر
کیوں نہیں پاتی حقیقت کو نظر

آنکھ وہ جس پر ہو غلبہ نیند کا
دیکھے کیا نیست اور خیالوں کے سوا

گمرہی سے ہم ہیں حیرت کے شکار
ہے حقیقت گُم خیالات آشکار

جم گئیں کیوں کر نگاہیں نیست پر
کیوں نہیں پائی حقیقت کو نظر

آفریں تجھ پر اے ماہر سحر باف
دُرد کر دکھلائی جو معرض کو صاف

چادر مہتاب ساحر بیچ کر
پاتے ہیں سوداگراں سے نفع و زر

چاندی لوٹے دے کے گر دھوکہ دھڑی
نقد کے بدلے نہیں کر پاس بھی

ہم خریدار اور جہاں جادو سبھی
ناپ کر لیتے ہیں ہم زربفت بھی

جلد کپڑا پانسو گز پھاڑ دے
سیم گُم، کپڑا نہیں، کیسہ تہی

چاندی لے لی اس نے تیری عمر کی
ختم چاندی کپڑا نے کیسہ تہی

قُل اعوذُ تجھ کو پڑھنی چاہیے
جادو گر زن اور اس کے سحر سے

پھونک جادو گر زنوں کی اور گرہ
کھیل برد و مات کا حق کی پناہ

ہیں عمل کے بول بھی لازم یہاں
بے اثر ہے بولنے والی زباں

تین ساتھی تجھ کو حاصل ہیں اِدھر
اک وفادار اور دو ہیں حیلہ گر

دوست پہلا مال و زر ہے دوسرا
نیک عمل، وہ تیسرا ہے با وفا

مال تو آتا نہیں گھر چھوڑ کر
یار آئے گا سرہانے قبر پر

موت کا دن ہوگا جب آگے ترے
یار بولے گا زبانِ حال سے

اس سے آگے میں نہیں ساتھی ترا
گور پر بس دو گھڑی رُک جاؤں گا

با وفا ہے فعل اسے حامی بنا
گور میں بھی ساتھ تیرے آئے گا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول" لَا بُدَّ قَرِیۡنٍ یُّدفَنُ مَعَكَ وَهُوَ حیٌّ وَ تُدفن معه و انت میّتٌ و کانَ کریماً اکرمكَ" کی تفسیر کہ ایک ساتھی ضروری ہے جو تیرے ساتھ زندہ دفن ہوگا اور تو مردہ اس کے ساتھ دفن ہوگا تو اگر وہ شریف ہے تو تیری عزت کرے گا اور اگر کمینہ تو تجھے چھوڑ بھاگے گا اور یہ ساتھی تیرا عمل ہے بس جس قدر ممکن ہو تو اس کی اصلاح کر لے

باب میں اس کے ہے قولِ مصطفیٰؐ — کہ عمل تیرا ہے یار باوفا
نیک اگر ہے ساتھ دے گا وہ سدا — بد عمل ہوگا لحد میں اژدہا
یہ عمل یہ کسب بے مکرو دغا — کب بلا استاد ممکن ہے بھلا
کمتریں اک پیشہ ہی کوئی سہی — کب بلا استاد سیکھا ہے کوئی
اول اس کا علم ہوگا پھر عمل — بعد کچھ دن کے اجل تک اس کا پھل
پیشے میں امداد لو اے صاحبو — نیک و ذی عزّ سے جو اس کا اہل ہو
سیپ میں موتی کو ڈھونڈا کیجیے — پیشہ ور سے فن کو پانا چاہیے
پاؤ ناصح کو تو پند اس کی سنو — علم پر لپکو تکبر چھوڑ دو
گر کوئی دباغی میں پہنے چیتھڑے — اس سے آقا کا شرف کیوں کر گھٹے
کام پر گر دلق پہنے گا لہار — اس کی عزت پر کہیں پڑتی ہے مار
پس اتار اب تن سے نخوت کا لباس — اوڑھ وقتِ درس اطاعت کا لباس
علم کو ہم سیکھتے ہیں قول سے — جہد حرفت سیکھنے کو چاہیے
فقر گر چاہے وہ صحبت سے ملے — یہ زباں پہ ہاتھ اسے کب چاہیے
علم نوری ہے بجانِ اولیا — نے کتب نے گفتگو سب سے جدا
جاں سے جاں پاتی ہے ان کے علم کو — دفتروں سے نا زراہِ گفتگو
دل میں ہوں سالک کہ گر بھی یہ رموز — رمز دانی سے وہ ناواقف ہنوز

جب تلک شارح نہ ہو نورِ خدا
یہ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ نے ثابت کردیا

شرح تیری تیرے دل میں ڈال دی
شرح اس کی تیرے سینے میں رکھی

اس کا طالب ہے تو خارج سے ابھی
دودھ مانگے، دودھ کا برتن کو بھی

دودھ کا ایک چشمہ تو خود بے کنار
دودھ کو پھر کیوں ہے ممنونِ تغار

بحر تک رستہ ہے اے چشمہ تجھے
شرم کر مانگے تو پانی حوض سے

حل نہیں مشکل الم نشرح سے بھی؟
کرتا ہے کیوں شرح کو گدیہ گری

شرح دل کو چھان اپنا اندروں
نہ سنے تا طعنۂ لا یبصروں

اللہ تعالیٰ کا قول" و:ھُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ""اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو" کی تفسیر

ٹوکری بھرناں ہے تیری مانگ پر
لقمہ ناں کی بھیک مانگے در بدر

جھانک اپنے ذہن میں اے خیرہ سر
دل پہ دستک دے نہ جا اوروں کے در

پانی میں تو تا بہ جانو آبِ جو
پانی مانگے ہر کسی سے حیف تو

سر پہ روٹی اور پاؤں اندر آب
بھوک سے اور پیاس سے حالت خراب

پانی آگے پیچھے ہے بہرِ مدد
پھر بھی سد آنکھوں کے آگے پیچھے سد

اسپ ڈھونڈے بیٹھ کر خود اسپ پر
کیا ہے یہ؟ گھوڑا، کہا گھوڑا کدھر

دیکھ یہ گھوڑا ہے اور خود اس پہ تو
ہاں، مگر دیکھا ہے کس نے گھوڑے کو

جس کا تو عاشق وہ خود ہے روبرو
آپ میں رہ کر نہ پایا آپ کو

جس کا خواہاں ہے وہ شے ہے سامنے
بے خبر وہ اس سے اس کی شرح سے

پوچھے دریا میں گہر دریا کہاں
جوں صدف دیوار بن جائے گماں

وہ کہاں کہنا ہی خود اس کا حجاب
ابر بن جائے گی تابِ آفتاب

پردۂ چشم اس کے حق میں چشمِ بد
سد کا ڈھانا خود ہے اس کے حق میں سد

گوش ہی اس کے لیے ہے بندِ گوش
حق کے دیوانے ذرا رکھ حق کا ہوش

ہوش ہیں ہرسو پراگندہ ترے
اور گماں تیرے فضولیات سے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول "جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِداً كَفَاهُ اللّٰهُ سَائِرَهُمومِهٖ ومن تفرقت بهٖ الهموم لايبالى اللّٰهُ فى اى وادٍ اهلكه کی تفسیر "جس نے غموں کو ایک غم بنالیا اللہ تعالیٰ اس کے سارے غموں کے لیے کافی ہو گیا اور جس کے متفرق غم ہیں تو اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ وہ کون سی وادی میں تباہ ہوا"

خار و بُن سیراب آبِ ہوش سے　　　ہوش کا پانی پھلوں کو کیوں ملے

کھینچتا ہے پانی سارے خار و خس　　　ہوش کا پانی ہو کیوں اللہ رس

چھانٹ دے اور دور کر بدشاخ کو　　　پانی دے کر تازہ اچھی شاخ تو

دیکھ ابھی دونوں ہیں سبز و تازہ پر　　　خشک ہوگی یہ وہ لائے گی ثمر

آبِ باغ اِس کو حلال اُس کو حرام　　　فرق کو پالے گا آخر والسلام

عدل ہے سیراب کر اشجار کو　　　ظلم کیا ہے؟ پانی دینا خار کو

عدل کیا صرفِ نعمت بر مقام　　　پانی ہر اک جڑ کو دینا کار خام

ظلم کیا ہے بے محل اصراف شَے　　　ہر مصیبت کا وہی سرچشمہ ہے

نعمتِ حق عقل و جاں کو دیجیے　　　یہ نہیں خود رائی، لائم کے لیے

بوجھ غم کا اپنے تن پر لاد لو　　　اس ہلاکت کے حوالے جاں نہ ہو

بوجھ بھاری رکھ دیا عیسیٰؑ کے سر　　　کودتا پھرتا ہے میدانوں میں خر

ہے غلط سرمہ لگانا کان میں　　　نامناسب کارِ دل ہم تن سے لیں

غم نہ کھا کر ناز تو دل ہے اگر　　　تن جو ہے کھا زہر برجائے شکر

زہرتن کو نفع دے شکر ضرر　　　خوب ہے تن بے سہارا ہے اگر

کندۂ دوزخ ہے تن اس کو گھٹا　　　موٹا گر ہونے لگے جڑ سے مٹا

ورنہ حمالِ حَطب خود ہو حطب　　　دو جہاں جیسے روح بولہب

شاخ سدرہ اور حطب میں فرق کر　　　اے پسر گرچہ ہیں دونوں سبز و تر

اصل ہے اس شاخ کی آگ اور دھواں — وہ ہے اصلی شاخ ہفتم آسماں
ہست کی صورت ہے جس کے واسطے — ہے غلط بیں چشمِ حس ہر راہ سے
ہست ظاہر چشمِ دل کے سامنے — پیش دل سعیِ تماشا چاہیے
گر نہیں پاؤں تو جنبش خود کو دے — تاکہ ہر اک بیش و کم کو دیکھ لے
کیونکہ یہ حرکت ہے برکت کی کلید — تجھ کو یہ حرکت رہے اے دل مفید

اس رباعی کے معنی کے بیان میں

رباعی

گر راہ روی راہ برت بکشایند — ور نیست شوی بہشتیت بگرانید
ور بست شوی تنگجی اند عالم — وانگاہ ترا بیتو بتو بنمایند

راہی ہے اگر راہ دکھائیں تجھ کو — مٹ جائے تو سوئے ہست لائیں تجھ کو
ہو پست تو گنجائشِ عالم نہ سمائے — تب رنگِ فنا تیرا بتائیں تجھ کو
بند گو در سب زلیخا نے کیے — راہ تھی یوسفؑ کو بچنے کے لیے
جوں ہی اقدام اک توکّل پر کیا — در کا تالا کھل پڑا رستہ ملا
رخنہ دنیا میں نہیں پیدا کوئی — مثلِ یوسفؑ بھاگ چل کورانہ ہی
تاکہ تالے کھل پڑیں، رستہ ملے — اور بے جائی کے اندر جا ملے
آیا جب دنیا میں تو اے مبتلا! — راستہ آنے کو تھا کوئی بتا!
اک جگہ اور اک وطن سے آ گیا — آیا کس رستے سے ہے تجھ کو پتہ؟
گر نہ جانے، تانہ بولے کہ نہیں — پھر رہِ بے راہ سے جانا ہے وہیں
خواب میں پھرتا ہے ہر سو شادماں — بول اس میداں کا رستہ ہے کہاں
بند کر آنکھیں بتا کیا سچ نہیں؟ — کل جہاں تھا اب تو پہنچا ہے وہیں
چشم بندی کیسے ہو ممکن اگر — جہل کے پردے پڑے ہوں آنکھ پر

تو ہے چار آنکھیں براہِ مشتری تجھ کو ذوقِ مہتری و برتری
مشتری ہی دیکھے تو دورانِ خواب چغدِ بد کے خواب ہوتے ہیں خراب
دُھن خریداروں کی ہی ہردم تجھے گو نہیں کچھ بیچنے کے واسطے
نان ہوتی یا میسّر ناشتہ گاہکوں سے چھُٹّی کا تھا راستہ
ہوتی تھیلے میں ترے روٹی اگر تو خریداروں پہ کیوں جاتی نظر

اس آدمی کا قصہ جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا تھا لوگوں نے اس سے کہا تو نے کیا کھا لیا ہے کہ احمق بنا اور بکواس کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر میں کوئی چیز پالیتا جو میں کھالیتا نہ احمق ہوتا اور نہ بکواس کرتا ہر بھلی بات جو نااہلوں سے کہتے ہیں بکواس بکتے ہیں اگر چہ وہ اس کہنے میں (خدا کی جانب سے) مقرر ہوں

وہ کوئی کہتا تھا پیغمبر ہوں میں اور سب نبیوں سے فاضل تر ہوں میں
شہ کے آگے لائے اس کو باندھ کر کہ یہ کہتا ہے "میں ہوں پیغامبر"
گرد ٹڈی دل سی ہے خلقت تمام مکر، مکاری یہ کیسی، کیسا دام
ہے عدم سے آنے والا یہ نبی تو ہیں پیغمبر معزز ہم سبھی
ہم وہاں کے آئے، ہیں اس جا غریب کیا ہے تخصیص اس میں تیری اے ادیب
تو جواباً ان کو بولا وہ رسول "اے گروہِ کور و ناداں و فضول"
لوگو! یہ اک کھیل ہے تقدیر کا بے خبر اندھے تم آئے اس جگہ
مثلِ طفلِ خفتہ آئے اس جگہ راہ سے واقف نہ منزل کا پتہ
منزلیں ان جانے طے کرتے ہوئے بے خبر رستوں سے اونچ اور نیچ سے
ہوش کے عالم میں ہم خوش خوش رواں پنج و شش دیکھے نہ تھے دیکھے یہاں
منزلیں دیکھیں بھی ان کی اصل بھی جانتے ہیں ہم بھی راہ و رہبری
کھینچئے اس کو شکنجے میں شہا! ایسی باتیں تا نہ بولے دوسرا

شاہ نے دیکھا کہ ہے زار و ضعیف ۔۔۔ بس طمانچہ جان دے دے گا نحیف

تنگ کرنا مارنا اس کو مُحال ۔۔۔ کیوں کہ تن اس کا ہے شیشہ کی مثال

ہاں میں سمجھاؤں گا با دلبستگی ۔۔۔ چھوڑنے سب سرکشی بے ہودگی

کام آسکتی نہیں سختی کوئی ۔۔۔ بِل سے باہر لائے نرمی مار بھی

دور اس سے کردیا سب لوگ کو ۔۔۔ بادشاہ تھا مہربان و نرم خو

پوچھا بٹھلاکر وطن ہے کون سا ۔۔۔ ہے کہاں مسکن ترا اوقات کیا

بولا شاہا ہے وطن دارالسلام ۔۔۔ اور ہوا ہوں واردِ دارالملام

بولا میرا گھر نہ کوئی ہم نشیں ۔۔۔ چاند کا مسکن نہیں ہوتا زمیں

مسخرے انداز میں شہ نے کہا ۔۔۔ کھایا کیا اور چاشت کو ہے پاس کیا

بھوکا ہے؟ کیا کھایا تو نے صبح کو؟ ۔۔۔ بس تکبّر، نشہ میں پُر ہدف تو

خشک و تر روٹی جو ہوتی کافی تھی ۔۔۔ میں نہ کرتا دعویِ پیغمبری

ان کے آگے دعویِ پیغمبری ۔۔۔ کوہ کے اندر جیسے دل ڈھونڈے کوئی

کوہ میں ڈھونڈا ہے عقل و دل کوئی ۔۔۔ چاہے حلِّ عقدۂ مشکل کوئی

تو جو بولے اس سے لوٹ آئے وہی ۔۔۔ ہنسنے والوں کی اڑاتا ہے ہنسی

قوم یہ لائق ہے کب پیغام کے ۔۔۔ پتھروں سے ہے امیدِ جاں کسے

زن کا زر کا لائے تو پیغام اگر ۔۔۔ لا رکھیں گے تیرے آگے سیم و زر

کہ فلاں بت نے بلایا اُس جگہ ۔۔۔ تجھ سے واقف ہے وہ دیوانہ ترا

لائے پیغامِ خدا تو شہد سا ۔۔۔ بولے آسوئے خدا اے با وفا

مرگ کی دنیا سے سوئے برگ آ ۔۔۔ مٹ نہ جا ہے چونکہ امکان بقا

خوں کریں گے لیں گے تیری جان وسر ۔۔۔ نا برائے غیرتِ دین و ہنر

وہ کہ ہیں گھر بار سے چمٹے ہوئے ۔۔۔ یہ سبھی کر انھیں کڑوا لگے

عوام کی عداوت اور ان کے خدا کے اولیا سے بیگانہ ہو کر زندگی کا یہ سبب ہوا کہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور ہمیشگی کے آبِ حیات کی طرف راہنمائی کرتے ہیں

اک گدھے کے زخم پر پٹی تھی سخت | تو اکھیڑے گا جو اس کو لخت لخت
مارے گا دو لتیاں خر درد سے | مرحبا پرہیز جو اس سے کرے
جب پچاسوں زخم کے اوپر جہاں | پیپ سے چپکی ہوئی ہوں پٹیاں
حرص زخم اور پٹیوں میں خانماں | جس کے جتنے زخم اتنی پٹیاں
چغد کا گھر بار ویرانہ ہے بس | وہ نہ مانے حسنِ بغداد و طبس
باز شاہی راہ سے جب آئے گا | شاہ کو چغدوں کی خبریں لائے گا
صدر و باغ و نہر کا بولے بیاں | تو اڑائیں اس پہ دشمن پھبتیاں
باز نے لائی ہے رودادِ کہن | ڈینگ ہے بیہودہ ہے اس کا سخن
گلتے سڑتے ہیں پرانے لوگ ابھی | ورنہ ہوں باتیں پرانی بھی نئی
کہنہ مُردوں کو بھی جاں ان سے ملے | تاجِ عقل و دولتِ ایماں ملے
مت چرا دل دلربا، جاں بخش کا | وہ تجھے اچھی سواری لائے گا
مت چرا سُر، تاج بخش افراد کا | کھول دیتے ہیں دلوں کی سو گرہ
کس سے بولوں گاؤں میں یہ زندہ ہے کون | سوئے آبِ زندگی جاتا ہے کون
ایک ہی ذلت اس پہ تو بہ عشق سے | نام جانے واسطہ کیا عشق سے
عشق کے ہیں سیکڑوں ناز و ادا | عشق باصد ناز ہی ہاتھ آئے گا
ہے وفا کوش عشق خواہانِ وفا | اک نظر دیکھے نہ سوئے بے وفا
آدمی جھاڑ اور اس کی جڑ ہے عہد | چاہیے جڑ کی نگہبانی کو جہد
عہدِ بد جیسے کوئی جڑ ہو سڑی | مہربانی کے پھلوں سے ہے تہی
شاخ و برگ اس جھاڑ کے گو ہیں ہرے | فائدہ کیا جڑ سڑی پتے ہرے
گر نہ ہوں پتے ہرے اور جڑ رہے | پتے صدہا بعدازاں پھوٹ آئیں گے
پر نہ دھوکے میں طلب کر عہد تو | جان چھلکا علم کو اصل عہد کو

اس کا بیان کہ بدکار انسان بدکاری میں لگ جاتا ہے اور نیکوں کی دولت کا اثر دیکھتا ہے شیطان جیسا بن جاتا ہے اور حسد سے شیطان کی طرح بھلائی کے لیے مانع بن جاتا ہے۔ کیونکہ جس کا کھلیان جل گیا ہو وہ سب کو جلے ہوئے کھلیان والا دیکھنا چاہتا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا اس بندے کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھے

نفع میں اہلِ وفا کو دیکھ کر — ہوگیا شیطان حاسد کس قدر

ہے طبیعت جس کی بیمار اور سست — وہ نہ چاہے گا، رہے تا تندرست

تو نہ چاہے رشکِ ابلیسی تو آ — دعوے سے ہٹ آ بدرگاہِ وفا

بے وفا، ہرگز نہ لے نامِ وفا — یہ سخن جھوٹ اور تکبر ہے ترا

بات ہے دل میں تصرّف مغز کا — اور خموشی مغز جاں کا ارتقا

بات کرنا کیا ہے صرفہ مغز کا — بات کم کرنا نہ گھٹنا مغز کا

سوچ کو کم گوئی بخشے فربہی — چھلکے کے بڑھنے سے ہو گودے میں کمی

پوست افزوں ہو تو گھٹ جائے گا مغز — کم جو ہو تو ہوگا افزوں مغز نغز

پختہ ہوں جب دیکھ ان تینوں کو تو — پستہ کو اخروٹ کو بادام کو

جو گنہ کرتا ہے وہ شیطاں بنے — اور حسد سے دشمنِ نیکاں بنے

تو جو ہے پابند پیمانِ خدا — ہے کرم سے حق بھی حافظ عہد کا

آنکھ تو نے عہدِ حق سے بند کی — کیا نہ اُذْکُرُوْا کی صدا تو نے سنی؟

سن ذرا اُوْفُوْا بِعَهْدِیْ کی صدا — وعدہ پورا ہوگا تا بولے خدا

عہد اور قرض اپنا کیا ہے اے حزیں! — جیسے سوکھا دانہ بونا در زمیں

اس سے موٹی اور نہ بڑھتی ہے زمیں — اس سے دولت مند مالک بھی نہیں

اک اشارہ ہے، یہ مجھ کو چاہیے — کہ عدم سے بیج یہ تو نے دیے

کھاکے دانہ لایا ہوں بہرِ نشاں — دے کچھ اس نعمت سے اے ربِ جہاں

پس دعائے خشک پر جا چھوڑ اُسے — میں نے بویا بیج مجھ کو جھاڑ دے

گر نہ ہو دانہ دعا کے فیض سے
جھاڑ دے گا بدلہ محنت کا تجھے

درد تھا مریم کو اور دانہ نہ تھا
نخل کو سرسبز حق نے کردیا

باوفا پُر حوصلہ خاتون تھیں
کتنی بن مانگی مرادیں مل گئیں

امّتیں جو بھی فنا پیشہ ہوئیں
امتوں میں سب سے افضل تر رہیں

کتنے دریا پیٹ ان کے پالنے
کتنے میداں راز اٹھانے سے رہے

زیرِ فرماں ان کے دریا، کوہسار
چار عناصر بندہ و خدمت گزار

یہ بزرگی ظاہری بہرِ نشاں
تاکہ منکر دیکھ لیں ان کو عیاں

ان کی وہ مخفی کرامات، ان کی شان!
ماورائے حِس و بیرونِ بیاں

کام ان کا یوں ہی جاری تا ابد
رکنے والے ہیں نہ ہی ہیں مسترد

بلکہ ہے ان کو ترقی دم بدم
بہرِ بخشش ہے انھیں صاحب کرم

دعا

دینے والے قوت وتمکین و ثبات
خلق کو دے بے ثباتی سے نجات

پائیداری چاہیے جس کام کی
دے تو اس میں نفس کو سنجیدگی

کام جو بھی ہو سزاوارِ ثبات
نفس کو دے استقامت اور حیات

تول بھاری ان کا ہو،صبر ان کو دے
اور بچا رکھ سوانگ بھرنے والوں سے

دے اماں ان کو حسد سے اے کریم
حاسد ان کا تا نہ ہو دیوِ رجیم

نعمتیں فانی، یہ دولت، یہ جسد
خلق جن سے جلتی ہے وجہِ حسد

بادشاہاں کرتے ہیں لشکر کشی
خوں حسد سے کرتے ہیں اپنوں کا ہی

گندی گڑیوں کے یہ دیوانے سبھی
اک دگر کے خوں کا پیاسا ہر کوئی

ویس رامیں، خسرو و شیریں سبھی
کیں انھوں نے کیسی کیسی ابلہی!

خود فنا وہ عاشق و معشوق بھی
تھی ہوا ہیچ ان کی، وہ خود ہیچ ہی

فانی کو فانی سے لڑوائے خدا
عشق بھی دونوں میں کروائے خدا

یہ حسد بیدل کے دل میں گھر کرے
دونوں ہست و نیست کو مضطر کرے

سب سے افضل گرچہ شفقت میں زناں
پر حسد سے سوکنیں دے دیں گی جاں

سنگدل ہیں فطرتاً مرداں سبھی
ہے حسد میں ان کی منزل کون سی

گر نہ کرتی شرع اک منتر لطیف
پھاڑ کر رکھتا ہر اک جسمِ حریف

شرع آئی دفعِ شر کے واسطے
دیو کو حجت سے شیشہ میں کرے

پس گوا، سوگند اور انکار سے
دیو کو شیشہ میں لانے کے لیے

جیسے اک میزان دو ضد کے درمیاں
آئیں گے ہزل و یقیں باہم جہاں

شرح پیمانہ، ترازو کی مثال
ختم کرنے کو دو دشمن کی جِدال

گر نہ ہو میزاں عداوت کیوں مٹے
ظلم، حیلہ سے عدو کیوں کر بچے

یہ جو ہے مردار، بد اور بے وفا
دشمن اس میں ہو حسد اُس میں جفا

اس میں پھر اقبال و دولت میں محال
رشکِ جنّ و انس کیا ہوگا حال

کہنہ حاسد وہ شیاطیں ہیں سبھی
رہزنی کی تاک میں ہیں ہر کبھی

اور جو انساں ہیں گناہوں میں پھنسے
وہ حسد کی وجہ شیطاں بن گئے

دیکھ قرآں میں کہ شیطاں آدمی
مسخ سے ہوتا ہے شیطاں جنس ہی

بے اثر جب فتنۂ شیطاں ہوئے
آگئے انساں مدد کے واسطے

دوست ہو میری حمایت تم کرو
میری جانب آؤ جانبدار ہو

ان کے ہاتھوں لُٹ گیا گر ایک بھی
دونوں شیطانوں کو ہوتی ہے خوشی

جو بچا اور ہوگیا دیں میں بلند
نوحہ کرتے ہیں وہ ہوکر رشک مند

پیستے ہیں دونوں دندانِ حسد
جب کسی کو دے خدا عقل و خرد

بادشاہ کا نبوت کے مدعی سے دریافت کرنا کہ سچا رسول ہو اور ثابت ہو جائے تو اس کے پاس کیا ہوتا ہے کہ وہ کسی کو بخشے اور اس کی صحبت و خدمت سے وہ کیا بخشش پائیں گے سوائے اس نصیحت کے جو وہ زبانی کرتا ہے

شہ نے پوچھا وحی سے حاصل ہے کیا — یا ہے صاحبِ وحی کو کیا فائدہ
دوسروں کو باتوں سے دے گا وہ کیا — یہ نہ کر، وہ کر بتانے کے سوا
صحبت و خدمت سے حاصل ہوگا کیا — متبع کس درجہ اونچے جائے گا
پوچھا کیا ہے جو نہیں ملتا اُسے — کون دولت ہے نہ پائے گا جسے
وحی یہ مانا نہیں گنجور سے — کم نہیں وحیِ دلِ زنبور سے
چونکہ بھیجی وحی ربُّ النحل نے — گھر ہوا بھرپور اس کا شہد سے
نور سے اس نے خدا کی وحی کے — بھر دیا دنیا کو شہد و شمع سے
اس نے کرَّمْنَا کہا رفعت ملی — وحی کب زنبور سے کمتر ہوئی
کیا نہ اَعْطَیْنَاکَ کوثر ہے عیاں — بھوکا پیاسا کیوں رہے وہ پھر یہاں
یا تو ہے فرعون اور کوثر جیسے نیل — جو ہے پُرخوں ناگوار اور تو علیل
توبہ کر اور دور رہ اعدا سے تو — کہ تہی کوثر سے ہیں ان کے کدو
پائے کوثر سے جسے تو سرخ رو — وہ محمدؐ خو ہے ، اپنا اس کی خو
تا اَحَبَّ اللہ میں ہو تیرا شمار — کہ تو ہے سیب نبیؐ کامگار
جس کو تو محروم کوثر پائے گا — وہ ترا دشمن بخار اور موت سا
کیونکہ وہ بو جہل ہے یا بولہب — ان سے بچ تا کہ نہ ہو رنج و تعب
باپ ہی تیرا سہی ماں ہی سہی — خوں کے پیاسے درحقیقت ہیں وہی
تو خلیل اللہؑ سے سیکھ اے پسر — وہ خفا اول ہوئے ہیں باپ پر
تا ہو اَبْغَضَ لِلّٰہِ تو پیشِ خدا — عشق سے تو ہو نہ دُکھ میں مبتلا
تا نہ بولے لا اور الا اللہ تو — پا نہیں سکتا کبھی یہ راہ تو

اس عاشق کی داستان جو اپنے معشوق کے سامنے اپنی خدمتیں اور اپنی وفاداریاں اور اپنی درازراتیں شمار کررہا تھا کہ ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں اور اپنی بے سروسامانی اور عرصۂ دراز کی جگر کی پیاس کو اور کہتا تھا کہ مجھے اس خدمت کے سوا کچھ نہیں آتا۔ اگر کوئی اور خدمت ہے تو مجھے بتا دیجیے کیونکہ جو آپ کہیں میں تابعدار رہوں خواہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آگ میں گھسنا ہو خواہ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح ناکے کے منھ میں جانا ہو خواہ حضرت برجیس علیہ السلام کی طرح ستر بار قتل ہونا ہو خواہ حضرت شعیب علیہ السلام کی طرح اندھا بننا ہو اور انبیا کی جاں بازی اور وفا کی تو گنتی ہی نہیں ہے اور معشوق کا اس کو جواب دینا

تھا وہ اک عاشق کہ جو درپیشِ یار — کررہا تھا خدمتوں کا خود شمار
ایسا ایسا سب کیا تیرے لیے — جنگ بھی کی زخم کھائے تیر کے
مال کھویا، زور کھویا، نام بھی — عشق میں تیرے کبھی ناکام بھی
صبح نے ہنستے مجھے پایا نہیں — با فراغت شام نے دیکھا نہیں
تلخیاں جو جو سہیں کچھ مے جو پی — سب گنایا کرکے ایک ایک شرح کی
اپنی نیکی کے جتانے کو نہیں — عشق صادق کا دلانا تھا یقیں
اک اشارہ عاقلوں کو بس کرے — عاشقوں کی پیاس یوں کیوں کر بجھے
بات کو اپنی وہ دہراتا رہا — کیونکہ مچھلی کو اشارہ بس نہ تھا
اس نے اپنے دکھ کی سو باتیں کہیں — پر شکایت میں نے کوئی کی نہیں
کیسی آگ اندر تھی وہ واقف نہ تھا — اس کی سوزش میں مگر روتا رہا
بعدِ گریہ بولا ہاں سب کچھ ہوا — اب مگر اے یارِ نیک اتنا بتا!
جو بھی بولے، بول، لاؤں گا بجا — حکم پر تیرے سر و پا رکھ دیا
جوں خلیلؑ آتش میں جانا بھی قبول — مثلِ یحییٰؑ خوں بہانا بھی قبول

روتے روتے جوں شعیبؑ اندھا بنوں — مثلِ یونسؑ منہ میں ماہی کے چلوں
مثلِ یوسفؑ چاہ و زنداں ہی ملے — مثلِ عیسیٰؑ فقر ہی حاصل رہے
رخ نہ موڑوں میں نہ چھوڑوں گا تجھے — جسم و جاں ہیں تیری خدمت کے لیے
یار بولا ہاں! یہ سب تونے کیا — کھول کان اور سن سمجھ یہ بھی ذرا
جڑ کی جڑ ہے اصل میں عشق و ولا — اس کو چھوڑا ڈالیوں میں رہ گیا
پوچھا عاشق اصل ہے وہ کون سی — بولا مرنا اصل ہے اور نیستی
سب کیا، لیکن تو زندہ ہے ابھی — یارِ زندہ کھیل بازی جان کی
گر مرے تو زندگی پائے تمام — تا قیامت تو رہے گا نیک نام
سن کے یہ اُس عاشقِ بے ہوش نے — کھینچی آہِ سرد جسم و جان سے
لیٹا فوراً جان دے ڈالی تبھی — سر دیا ہنستے ہوئے جوں گل کوئی
تا ابد اس مسکراہٹ کا سماں — بے جگر عارف کے جیسے عقل و جاں
چاندنی ہوتی ہے آلودہ کبھی — چھوتی ہے گو نیک و بد دونوں کو بھی
لوٹتی ہے چاند کو وہ باصفا — جیسے نورِ عقل و جاں سوئے الٰہ
نور مہ کو وقف ہے پاکی سبھی — گرچہ چھوتی ہے نجاست راہ کی
وہ نجاست راہ کی، آلودگی — نور کو میلا نہ کر پائے کبھی
نور کو لوٹ آنے بولے آفتاب — اصل کو لوٹے پلٹ کر وہ شتاب
بھٹّیوں سے داغ دامن پر نہیں — رنگ ہائے باغ دامن پر نہیں
نور دیدہ آنکھ میں لوٹ آگیا — دشت و دریا کا تصور رہ گیا
وہ جو ویرانے سے واپس آگیا — منتظر آنکھوں کا جنگل رہ گیا

کسی شخص نے ایک عارف عالم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص نماز میں آواز اور آہ سے روئے اور نوحہ کرے تو اس کی نماز باطل ہوگی یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ اس کا نام دیکھے ہوئے پانی کا ہے تو یہ کہ رونے والے نے کیا دیکھا ہے؟ اگر اس نے

اللہ تعالیٰ کا شوق دیکھا ہے وہ روتا ہے، یا گناہ کی پشیمانی سے نماز تباہ نہ ہوگی بلکہ کمال حاصل کرلے گی کیونکہ نماز نہیں ہوتی مگر حضورِ قلب سے۔ اور اگر اس نے جسمانی تکلیف یا اولاد کی جدائی دیکھی ہے، اس کی نماز خراب ہوجائے گی کیونکہ اصل نماز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح جسم اور اولاد کا ترک کرنا ہے۔ کیونکہ وہ نماز کی تکمیل کے لیے لڑکے کو قربان کررہے تھے اور جسم کو نمرود کی آگ کے سپرد کررہے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ السلام کو انہی خصلتوں کا حکم ہے کیونکہ "فاتبعوا واتّبع مِلّةَ ابراهیمَ حنیفاً ما قد کانت لَکُمْ اُسوۃٌ حسنۃٌ فی ابراهیم" تم اتباع کرو اور اتباع کرو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا جو کہ حنیف ہے۔ بے شک تمھارے لیے ابراہیم علیہ السلام میں اچھا نمونہ ہے

وہ کسی نے پوچھا مفتی سے براز — گر کوئی نوحہ کرے وقتِ نماز
کیا نماز اس شخص کی باطل ہوئی — یا کہ یوں وہ جائز و کامل ہوئی
پوچھا نامِ آبدیدہ کیوں ہوا — دیکھ اس نے دیکھا کیا کیوں رودیا
دیکھا آبِ دیدہ کیا آخر نہاں — ہوگیا چشمہ سے جو اپنے رواں
عشقِ حق میں گر کرے گریہ دراز — یا کہ ہے شرمِ گنہ سے دل گداز
خوفِ حق سے ہو تو وہ رونا بھلا — آتشِ دوزخ کو وہ دے گا بجھا
ہوگا تکمیلِ عبادت کا سبب — لا محالا پائے راہِ قربِ رب
گر خدا پائے گا اس کو پرنیاز — نوحے سے ہوجائے پُر رونق نماز
وہ ہے وجہِ رنجِ تن یا غم اگر — کہ کرے گا تکلہ دھاگا ٹوٹ کر
موت سے فرزند کی ہے گر فغاں — کہ ہیں اس ماتم میں ہلکاں قلب وجاں
تو نماز ایسی کسی قابل نہیں — ہوگیا دل جب کہ غیروں کا رہیں
تو نماز اس کی ہے باطل بے گماں — گریہ بے سود اس کا لاحاصل فغاں

کیونکہ ہے ترکِ بدن اصلِ نماز ترک خویشاں ترکِ فرزند از نیاز
جوں خلیل اللہ قرباں کر پسر پھینک دے تن آتشِ نمرود پر
حاصل اس کا یہ کہ تو جانے بجا اور ہی ہے یہ بُکا اور وہ بُکا

ایک مرید ایک شیخ کی خدمت میں پہنچا اور اس شیخ سے میری مراد دراز عمر بوڑھا نہیں ہے بلکہ عقل و معرفت کا بوڑھا اگر عیسیٰ علیہ السلام گہوارہ میں اور یحییٰ علیہ السلام بچوں کے مکتب میں ہوں۔ مرید نے شیخ کو روتے دیکھا۔ اس نے موافقت کی اور رو پڑا جب وہ فارغ ہوا اور باہر آیا۔ دوسرا مرید جو شیخ کے حال سے زیادہ واقف تھا غیرت کی وجہ سے وہ بھی پیچھے پیچھے باہر آیا اس نے کہا اے میرے بھائی میں تجھ سے کہتا ہوں خدا کے لیے نہ سوچنا اور نہ کہنا کہ شیخ روئے میں بھی رویا کیونکہ تیس سال بغیر ریا کے محنت کرنی چاہیے اور گھاٹیوں اور ناکوں سے بھرے دریاؤں سے اور شیر اور چیتوں سے بھرے پہاڑوں سے گزرنا چاہیے پھر شیخ کے اس رونے کو تو پہنچ سکے یا نہ پہنچ سکے اگر تو پہنچ جائے تو میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی ہے کا بہت شکر ادا کر کیونکہ وہ شکریہ کا موقع ہے کیونکہ وہ رونا حضور قلب سے ہوگا

دیکھا اک چیلے نے اپنے پیر کو رو رہے تھے کر رہے تھے ہاؤ و ہو
دیکھا اپنے شیخ کو روتے ہوئے رو پڑا خود، آنکھ سے آنسو چلے
اک دفع شنوا ہنسے بہرا دو بار مسخری جب کرنے لگتے ہیں دویار
پہلے تقلیداً تکلف سے دِگر ہنستا ہے یاروں کو ہنستے دیکھ کر
ہنستا ہے گر دوسروں کو دیکھ کر دوسروں کے حال سے پر بے خبر
پوچھے پھر وہ تھی ہنسی کی وجہ کیا پھر ہنسے بارِ دوم جوں سن لیا
پس مقلد بھی ہے بہرے کی مثال سب خوشی اس کی ہے مبنی بر خیال

پیر کا چشمہ ہے پرتو پیر کا
فیض، شادی جملہ مرشد کی عطا

ٹوکرا پانی میں ہے شیشہ پہ تاب
سمجھیں گر ذاتی، تو ہو الٹا حساب

نہر سے باہر جو آئے ٹوکرا
پانی تھا اُس ٹوکرے میں نہر کا

چاند چھپ جائے تو جانے شیشہ بھی
روشنی تھی اس کے اندر چاند کی

آنکھ جب کھولے گا سن کر امرِ قُم
وہ ہنسے وقتِ سحر بار دوم

خود ہنسی پر اپنی وہ ہنسنے لگے
تھی چمک تقلید سے حاصل مجھے

بولے دو کے بیچ یہ راہِ دراز!
اک حقیقت اور دِگر اسرار و راز

میں تھا اس وادی میں خود سے کتنی دور
اپنے اندھے پن سے شاد و پُر سرور

میں نے کیا سمجھا وہ تھا دراصل کیا
درک کم میرا وہ مبہم نقش تھا

طفلِ رہ میں سوچ مردوں کی کہاں
اس کی کیا فکر، ان کی گہرائی کہاں

طفل کیسے لائے وہ فکر اور ضمیر
سوچ بھی سکتا ہے وہ مانندِ پیر؟

بچہ مانگے دودھ دایہ ہر زماں
کشمش اور اخروٹ یا گریہ فغاں

ہے مقلد جیسے اک بچہ علیل
بحث نازک اس کی لیکن بادلیل

پس دلیل و مکر میں گہری نظر
ہو جہاں مشکل کرے صرفِ نظر

سرمۂ سر جو تھا مایہ علم کا
سلب ہوکر صرف باتوں میں ہوا

اے مقلد بس بخارا چھوڑ آ
مشکلیں جھیل اور بن جا سورما

دیکھے باطن میں بخارائے دِگر
شیر بھی ہیں تم نہ سمجھوگے مگر

ہے زمیں پر تیز گو قاصد کی چال
ہے یہی رفتار پانی میں محال

ہم نے خشکی پر چلایا ہے انھیں
وہ بہادر جو سمندر میں چلیں

بخششیں بسیار دیں حق نے اُسے
جوں کماں تو وہم اور تصویر سے

مرید مقلد کے حال کا بقیہ

وہ مریدِ سادہ بھی روتا ہوا — دے رہا تھا ساتھ اپنے پیر کا
وہ مقلد بھی مثالِ مردِ کر — گریہ ہی دیکھا سبب سے بے خبر
خوب رویا الوداع کہتے چلا — اور مریدِ خاص بھی جلد آ گیا
بولا اے تو رونے والے بے خبر — رو دیا مرشد کو روتے دیکھ کر
اللہ اللہ اے وفا پیشہ مرید — گرچہ تو تقلید سے ہے مستفید
یہ نہ کہہ رویا ہے گریاں دیکھ کر — ہوگا انکارِ فضیلت سربسر
گریہ وجہِ جہل و تقلید و گماں — پیر کے رونے کے ہمسر ہے کہاں
گریہ کو یکساں سمجھ لینا خطا — رونے رونے میں بہت ہے فاصلہ
وہ ہے حاصل تیس سالہ جہد کا — عقل پاسکتی نہیں ایسی جگہ
عقل کو سَو (100) اس سے آگے مرحلے — ہیں الگ ہی عقل سے وہ قافلے
اس کا رونا شادی و غم سے نہیں — جانے اس کی وجہ وہ جان حزیں
خندہ اس کا ہے وہیں سے گریہ بھی — کیونکہ عقل و وہم سے ہے وہ بری
آبِ دیدہ اس کو گویا دیدہ ہے — دیدہ کب اک دیدۂ نادیدہ ہے
وہ جو دیکھے اس کو چھو سکتے نہیں — حِس قیاس و عقل اسے پاتے نہیں
نور کے آنے سے شب جاتی ہے دور — پھر اندھیرا جانے کیوں احوالِ نور
جب کہ مجھ پر بھاگتا ہے باد سے — باد کی خوبی ہو کیوں معلوم اسے
کہنہ آیا تو نیا بے بس ہوا — کیسا پھر جانے پرانے کو نیا
جب نئے پر کہنہ غالب ہوگیا — نیست کرکے اس کو خود سا کرلیا
چاہے گر صدہا مثالیں دیکھ جا — کیا غرض اس کی مجھے اے بے نوا
یہ الٓمٓ یہ حٰمٓ کیا — کیا خدا وندِ بشر کی ہے عطا
حرف سے ہیں حرف یہ بھی ظاہرا — پر نہیں ممکن کبھی اس کی ثنا

جو بھی تھامے آزمانے کو عصا — کیا وہ موسیٰ کا عصا ہوجائے گا ؟
ہے دمِ عیسیٰ سا ہے یہ دم بھلا — جو غم و شادی سے ہے بے واسطہ
ہر الف لام کیا تجھے ویسا لگے — بخشش ربِ البشر کہیے جسے
ہے بناوٹ ان کی حرفوں ہی سے پر — ہے وہ ترکیبِ عوامی سے کدھر
گوشت چمڑی ہے محمدؐ کا بھی تن — ہے اسی ترکیب سے ہر اک بدن
چمڑی یوں ہی، گوشت بھی اور ہڈیاں — بس اسی ترکیب پر ہیں وہ کہاں؟
اس بناوٹ میں ہیں کیا کیا معجزات — اس کے آگے ساری ترکیبیں ہیں مات
ہے بناوٹ ایسی ہی تخم کی — وہ بلندی پر ہے نیچے یہ سبھی
اس بناوٹ میں ظہورِ زندگی — جیسے نفخ صور اور درماندگی
اژدہا دو پھانک دریا کو کیا — جوں عصا تخم ہے حق کی عطا
ظاہر اس کا بھی ہے جوں ہر چیز کا — روٹی کیا اور چاند کی ٹکیا کجا!
اس کا رونا، اس کا ہنسنا، بولنا — فہم وساخت اس کی کہاں، اوصاف کیا
عقل ووہم اس کے نہ، حس اس کی نہیں — کارِ رب سب اس کا کیا کچھ بھی نہیں
چونکہ ہیں ظاہر کے قائل احمقاں — ہوگئیں باریکیاں ان سے نہاں
وہ غرض سے اپنی پنہاں ہوگیا — اور نکتہ آخر اس سے کھوگیا
اس سخن کی حد نہیں پس لوٹ آ — دیکھ باندی نے گدھے سے کیا کہا

اس باندی کی داستان جو بی بی کے گدھے سے شہوت رانی کرتی تھی اور اس نے اس کو انسانوں کی طرح شہوت پورا کرنا سکھا دیا تھا اور گدھے کے قضیب میں کدو پہنا دیتی تھی تا کہ اندازے سے آگے نہ جائے۔ بی بی کو اس کا پتہ لگ گیا لیکن کدو کا نکتہ نہ سمجھی، باندی کو ایک بہانے سے بہت دور روانہ کر دیا اور وہ بغیر کدو کے اس گدھے سے لگ گئی اور رسوائی کے ساتھ ہلاک ہوگئی۔ باندی اچانک واپس آئی اور رونے لگی کہ اے میری جان

اور اے میری روشن آنکھ تو نے کیر دیکھا اور کدو نہ دیکھا، ذکر دیکھا اور وہ دوسرا نہ دیکھا۔ ہر ناقص ملعون ہے یعنی ہر کوتاہ نظر اور کوتاہ سمجھ ملعون ہے ورنہ ظاہری جسم کے ناقص قابلِ رحم ہیں نہ کہ ملعون اور اللہ تعالیٰ کے قول نے " لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ " نہیں ہے اندھے پر گناہ اور لنگڑے پر گناہ اور نہ مریض پر گناہ، گناہ کی نفی کر دی نہ کہ لعنت اور عتاب اور غضب کی

خود پہ باندی نے کیا خر کو سوار — فرطِ شہوت ہوئی جب بے قرار

خوئے بد اس نر گدھے میں ڈال دی — سیکھ لی اس نے جماعِ آدمی

تھا کدو اک آلہ اس کے واسطے — تخمینہ آلت کا پانے کے لیے

وہ کدو پہناتی تھی ایسا اسے — تا کہ آدھا آلت اندر جا سکے

ہاں اگر آلت سبھی اندر چلے — آنت کو بھی گربھ کو بھی پھاڑ دے

خر بھی لاغر اور وہ خاتون بھی — ہو گئے گھٹ گھٹ کے عاجز دونوں ہی

نعلبندوں کے یہاں خر لے چلا — لاغری کے واسطے علت ہے کیا

کچھ مرض اس میں نظر آتا نہ تھا — کوئی اس کے بھید کو پاتا نہ تھا

اس کے پیچھے جستجو میں پڑ گئی — جستجو ہی جستجو تھی ہر گھڑی

جان کو سعی میں کھپایا جائے گا — ڈھونڈنے والا ہی آخر پائے گا

جستجو میں تھی گدھے کے حال کی — دیکھی نرگس خر کے نیچے تھی پڑی

جب چلی خر کے تفحص میں اِدھر — تھی کنیزک نیچے، اوپر اس کے خر

دیکھا در کے شق سے اس نے خر کا حال — وقفِ حیرت ہو گئی منظر سے زال

کر رہا تھا یوں جماع زن سے گدھا — جس طرح وہ بھی کوئی انسان تھا

رشک سے بولی یہ ہو سکتا ہے گر — اولیں حق ہے مرا، میرا ہے خر

اک سدھایا اور شائستہ گدھا — شمع روشن اور دسترخواں بچھا

کھٹکھٹائی در کو وہ ان جانی سی — باندی کب تک جھاڑو دیتی جائے گی

خود کو انجانی جتانے کو کہی
باندی اب در کھول دے میں آ گئی

کچھ نہ بولی باندی کو، چپ رہ گئی
راز کو لالچ سے پوشیدہ رکھی

دی چھپا آلاتِ کار اپنے سبھی
آئی اور چپ چاپ در کو کھول دی

منھ بنا کر ہوگئی وہ اشکبار
ہونٹ لٹکائی، ہو جیسے روزہ دار

ہاتھ میں تھی نرم جھاڑو اور کہی
جھاڑنے میں تھی میں اندر کوٹھری

ہاتھ میں جھاڑو لیے در وا کیا
زیر لب بی بی نے مکارہ کہا

منھ بنائے ہاتھ میں جھاڑو لیے
کیوں ہے منھ پھیرے ہوئے خرگھاس سے

کام آدھا، غصہ ور، جنباں ذکر
منتظر تیرا، دو آنکھیں سوئے در

زیرِ لب کہتی تھی لونڈی سے چھپائے
جوں کسی کو بے خطا پر پیار آئے

بولی پھر جا ڈھانپ لے چادر سے سر
لے مرا پیغام پہنچا ان کے گھر

بولی ایسا، ویسا، اتنا سب سنا
ختم بس افسانۂ زن کردیا

دیکھ کیا مقصود ہے معنی ہیں کیا
اس کو بی بی نے روانہ کردیا

حیلہ کرکے کردیا گھر سے رواں
بند کرکے در تھی تنہا شادماں

مستیِ شہوت سے تھی وہ شادماں
کہتی تھی در بند کرکے اس زماں

پائی خلوت اب ہے موقع شکر کا
سب گمانِ بیش و کم جاتا رہا

شہوتِ زن ہوگئی اک سے ہزار
شہوتِ خر بھی تھی اس پر برقرار

کیسی وہ شہوت کہ اُلّو کردیا
کیا عجب ابلہ گر اُلّو ہوگیا

شہوت و رغبت سے ہو دل کرّ و کور
گرگ تا یوسف لگے اور نار نور

ہیں بہت سے نار جُو سرمست نار
نورِ مطلق خود کو کرتے ہیں شمار

پر سوا اس کے جیسے لطفِ خدا
راہ پر لائے، ورق پلٹائے گا

تاکہ وہ جانے خیالِ آتشیں
عارضی ہے وہ دوام اس کو نہیں

حرص کے ہنگام بد بھی ہے بھلا
فتنہ بد تر کیا ہے شہوت کے سوا

اس سے ہیں بدنام لاکھوں نامور
لاکھوں زیرک دنگ اس کو دیکھ کر

یوسفؑ مصری تھا شہوت کو گدھا
وہ یہودی کیا نہ کر دکھلائے گا

شہد منتر سے کرے گوبر کو جو
بغض میں کیا کر نہ دے گا شہد کو

وجہِ شہوت پُر خوری کم کھا غذا
یا نکاح کر خود کو شہوت سے بچا

سوئے زن کھانا ترا کھینچے تجھے
خرچ آمد کے برابر چاہیے

پس نکاح لاحول و لاقوۃ ہوا
دیوتا شر میں نہ کردے مبتلا

زود کر شادی حریصِ لقمہ تو
ورنہ چٹ کرلے گی بلّی دنبہ کو

بوجھ اس پر ڈال دے تو زود تر
کودتا تجھ کو نظر آئے جو خر

آگ سے امیدِ راحت کیوں بھلا
آگ کے اطراف پھیرے مت لگا

گر ہے آگ اور دیگ سے تو بےخبر
آتش ہانڈی میں نہ ہانڈی آگ پر

عقل بھی پانی کے ہمرہ چاہیے
تاکہ تیری دیگ سالم پک سکے

گر نہ جانے حرفتِ آہنگری
بال سالم اُس سے نا داڑھی تری

بند کی در پاس اپنے کھینچی خر
اپنے بد کرتوت کا پائی ثمر

کھینچ لائی اس کو گھر کے درمیاں
پڑ گئی نر خر کے نیچے چت وہاں

خود اسی کرسی پہ تھی جیسے کنیز
تاکہ پائے اپنا مقصد آپ نیز

عضو خر پیوست اندر کردیا
جیسے آگ اندر بدن میں بھردیا

خر سدھا بی بی کے اوپر گر پڑا
ہوگیا دم بھر میں اس کا خاتمہ

زخم سے اندر جگر ہی پھٹ گیا
اک دِگر سے ہوگئیں آنتیں جدا

اک طرف تخت ایک سمت عورت گری
رک گئی سانس اور وہ مردہ ہوگئی

خون آنگن بھر تھا، زن اوندھی پڑی
دنیوی آفت سے اس کی جاں گئی

موت بد رسوائیاں سو طرح کی
تونے دیکھا ہے شہید ایسا کبھی؟

سن عذاب الخزی کی قرآن سے
ایسی رسوائی میں جاں اپنی نہ دے

جان لے یہ نفسِ حیوانی ہے خر
اور اس کی اتباع مذموم تر

نفس کی خاطر خودی میں گر مرے
تو اس عورت کی طرح ہے جان لے

خر بنا دے گا ہمارے نفس کو — دے گا صورت ویسی جس کی جیسی خو
راز ہوگا حشر میں یوں آشکار — جسمِ خر سے بھاگ بہرِ کردگار
حق نے کافر کو ڈرایا نار سے — بولے کافر نار بہتر عار سے
بولا وہ اک نار ہے وجہِ صد عار — کردیا زن کو تبہ جس نے وہ نار
لقمہ اندازے سے بڑھ کر کھا گئی — حلق میں وہ لقمہ اٹکا مر رہی
لقمہ اندازے سے کھا اے لالچی — ہو مرغّن لقمہ یا حلوا سہی
لالچی میزاں کو حق نے دی زباں — سورۂ رحمٰن پڑھ ہوگا عیاں
ترک میزاں حرص سے اپنی نہ کر — حرص دشمن ہے تری اس سے گزر
حرصِ کل مانگے نہ پائے ذرّہ بھر — ہے مخنث حرص کا مارا ہے گر
وہ کنیزک راہ کر کرتی تھی آہ — تونے اک ماہر کو دکھلائی ہے راہ
کیا بلا استاد پالے گی ہنر؟ — جاہلانہ جان دے گی بے خبر
تو اڑائی مجھ سے علمِ ناتمام — شرم تجھ کو پوچھنے میں حالِ دام
تو نہ جب تک چوری خرمن سے کرے — مرغ کی گردن میں پھندا کیوں پڑے
دانہ کم کھا ترک کر اسراف کو — پڑھ کُلُوْا کے بعد تو لَاتُسرِفُوا
کھائے تا دانہ نہ پھانسے تجھ کو دام — چاہیے علم و قناعت والسلام
نعمتیں کھاتے ہیں دانا غم نہیں — جاہلاں محرومِ حاصل شرمگیں
تنگ ہوجاتا ہے جب گردن میں دام — اس کے حق میں کھانا ہوتا ہے حرام
دام میں دانہ وہ کیوں کر کھا سکے — زہر بن جائے گا دانہ گر چرے
مرغِ غافل کھائے دانہ دام سے — جیسے دنیا دار دنیا میں پھنسے
وہ پرندے جو ہیں عاقل با خبر — دانہ دُنکے سے وہ کرتے ہیں حذر
دام میں دانہ ہلاکت ہے ضرور — چرنے والا دام میں ہوتا ہے کور
کٹتا ہے صیاد سے ناداں کا سر — محفلوں میں خوش گلو ہیں بارور
فائدہ ہے ان سبھوں سے گوشت کا — بانگ و نالہ اُن سے جو ہیں خوشنوا

پس کنیز اک آئی پھاٹک کھول کر
پایا اس خاتون کو مردہ زیرِ خر

بولی احمق بی بی یوں ہوتا نہ تھا
گر تجھے ماہر دکھاتا راستہ

دیکھی ظاہر کو مگر گُر تھا نہاں
کھولی بے استاد خود تونے دُکاں

عضو دیکھی شہد جوں حلوا کوئی
پر نہ دیکھی وہ کدو اے لالچی

محو اس کو کردیا یوں عشقِ خر
وہ کدو اس کو نہیں آیا نظر

ظاہر فن جان لی استاد کا
کام خود کرنے چلی استاد کا

کس قدر مکار احمق بے وقوف
راہ مردی میں نہ دیکھا غیر صوف

بے حیا کتنے ذرا فن سیکھ کر
جز ظرافت شہ سے کیا پائے ہنر

سمجھے موسیٰ خود کو لے کر اک عصا
پھونک کر دم خود کو عیسیٰ کہہ دیا

آہ وہ دن جب کہ صدقِ صادقاں
جانچنے مانگے جو سنگِ امتحاں

پوچھ لے باقی جو ہو استاد سے
لالچی سب اندھے اور گونگے رہے

ڈھونڈا سب کچھ پھر تو خالی رہا
صید گرگاں پاگلوں کا گلّہ تھا

اک صدا سن کر ہوا تو ترجماں
قولِ خود سے بے خبر چوں طوطیاں

شیخ کی مریدوں اور پیغمبر کی امت کو تلقین کرنے کی مثال کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے تلقین کی طاقت نہیں رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے انھیں مناسبت نہیں ہے جیسا کہ طوطی آدمی کی صورت سے مناسبت نہیں رکھتی ہے کہ اس سے تلقین حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ شیخ کو آئینہ کی طرح طوطی جیسے مرید کے سامنے رکھ دیتا ہے اور آئینہ کے پیچھے سے تلقین کرتا ہے۔ اللہ عز و جل کا قول ہے: "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى" "آپ اپنی زبان نہ ہلائیے تا کہ اس (وحی) پر جلدی کریں نہیں ہے وہ مگر وحی بھیجی جاتی ہے۔ یہ اس مسئلہ کی ابتدا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ چنانچہ آئینہ کے اندر کی طوطی کا چونچ ہلانا جس کو تو

عکس کہتا ہے اور اس کے اختیار اور تصرف کے بغیر ہے وہ باہر والی طوطی کے پڑھنے کا عکس ہے جو سیکھنے والی نہ کہ اس سکھانے والے کا عکس ہے جو آئینہ کے پیچھے ہے۔ لیکن باہر والی طوطی کا پڑھنا سکھانے والے کا تصرف ہے تو یہ ایک مثال ہے نہ کہ مثل

جیسے طوطی آئینہ میں روبرو — دیکھتی ہے آگے اپنے عکس کو
ہے پسِ آئینہ وہ ماہر نہاں — کہہ رہا ہے جو ادیبِ خوش بیاں
طوطی یہ سمجھے کہ ہے ویسی صدا — کہہ رہا ہے خود طوطی آئینے کا
بات سیکھی اس نے اپنے عکس سے — وہ نہ جانے کھیل گرگِ کہنہ کے
اوٹ سے شیشہ کے سکھلائے وہ بات — وہ نہ سیکھے گر سکھائے غیر ذات
سیکھ لی مردِ ہنر سے بات پر — بھید اور معنی سے اس کے بے خبر
بات اک اک آدمی کی سیکھ لی — سیکھے طوطی، ہے سوا اس کے کوئی
دیکھتا ہے آئینہ میں خود کو ہی — اور کیا دیکھے مرید ممتلی
عقلِ کُل کو اوٹ سے آئینے کی — بات کرتے کیا وہ دیکھے گا کبھی
یہ گماں کہ بولے ہے کوئی بشر — باتیں پُراسرار اور وہ بے خبر
باتیں سیکھیں، ان میں اسرارِ قدیم — جانے طوطی ہی نہ ہی اس کا ندیم
سیکھتے ہیں لوگ چڑیوں کی زباں — کہ ادا کر سکتے ہیں حلق و دہاں
ہیں مگر معنی سے ان کے بے خبر — جانیں پیغمبر سلیمانؑ اک مگر
لوگ درویشوں سے باتیں سیکھ کے — منبر و محفل سجانے لگ گئے
یا سوا اس کے انھیں روزی نہیں — یا ہے رہبر فضلِ رب العالمیں

ایک صاحب دل نے چلہ میں خواب میں دیکھا کہ ایک کتیا حاملہ ہے اس کے پیٹ میں بچے بھونک رہے ہیں۔ وہ تعجب میں رہ گیا کہ کتے کے بھونکنے کا فائدہ نگہبانی ہے اور ماں کے پیٹ میں بھونکنا نگہبانی کے لیے نہیں ہے اور آواز مدد چاہنے اور دودھ مانگنے

کے لیے بھی ہوتی ہے اور ماں کے پیٹ میں ان میں سے کوئی بھی مقصود نہیں ہے۔
وہ جب بیدار ہوا اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور بجز اللہ کے اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے۔

جواب آیا کہ یہی صورت حال اس قوم کی ہے جو پردے سے نہیں نکلی ہے اور دل کی آنکھ نہیں کھلی ہے وہ بصیرت کا دعویٰ کرتی ہے اور تقریریں کرتی ہے جن سے اس کو کوئی قوت اور مدد حاصل نہیں ہوتی ہے اور نہ سننے والوں کی کوئی ہدایت و رہنمائی ملتی ہے

ایک صاحب دل نے کی چلّہ کشی ۔۔۔ تھی سرِ راہ حاملہ کُتیا پڑی
ناگہاں آواز بچوں کی سنی ۔۔۔ پیٹ میں بچے تھے کتیا کے ابھی
بھونک سن کر وہ تعجب میں پڑا ۔۔۔ پیٹ میں پلّوں کی کیوں ہے یہ صدا
پیٹ میں پلّا ہے کیوں نالہ کناں ۔۔۔ کس نے دیکھا یہ عجوبہ در جہاں
ہوش میں آیا جو نیند اس کی گئی ۔۔۔ حیرت اس کی دم بہ دم بڑھنے لگی
چلّے میں حل کرنے عقدہ کون تھا ۔۔۔ بارگاہِ عز و جل کے سوا
بولا یارب وجہِ مکر و گفتگو ۔۔۔ وقتِ چلّہ بھولا تیرے ذکر کو
کھول دے پر میرے تا میں اُڑ سکوں ۔۔۔ تا کہ تیرے ذکر کا ممنوں رہوں
پھر صدائے غیب اک اس نے سنی ۔۔۔ ''ہے مثال اک جاہلوں کے لاف کی''
وہ حجاب و پردے میں رہتے ہوئے ۔۔۔ بکتے ہیں بیہودہ بند آنکھیں کیے
خام یہ اندر سے پلّوں کی پکار ۔۔۔ شب کی چوکی اور نہ ہاتھ آئے شکار
بھیڑیا کوئی نہیں ہے دفع کو ۔۔۔ چور بھی دیکھا نہیں ہے منع کو
حرص تجھ کو ہو ہو اے سروری ۔۔۔ کم نظر بکواس میں لیکن جری
حرص گاہک کی جنوں بیوپار کا ۔۔۔ بے بصیرت لاف گوئی میں پڑا
مشتری کو دیکھے بن دے سو نشاں ۔۔۔ چھاچھ پی کر وہ بجائے تالیاں
ایک ہی گاہک جو اس کو نفع دے ۔۔۔ پر اُسی سے بدگماں سب ہو رہے
مشتری ناکارہ ان کو چاہیے ۔۔۔ اور محروم اصل گاہک سے رہے

مشتری اپنا ہے اللہ الشتریٰ　　ہر کسی گاہک کے غم کو چھوڑ جا

اپنے طالب مشتری کو کر طلب　　جانے میرے اول و آخر جو نسب

ہر کوئی گاہک تجھے کیوں چاہیے　　عشق نازیبا ہے دو معشوق سے

وہ خریدے تو نہ ہوگا فائدہ　　اس کو کیا عقل و خرد سے واسطہ

وہ خود آدھی نعل کے لائق نہیں　　لعل و گوہر لے سکے گا وہ کہیں؟

حرص کے باعث ہے تو محروم و کور　　کر دے گا مرحوم خود جیسا ضرور

جس طرح اخوانِ لوط ، اصحابِ فیل　　کردیا دونوں کو مرجوم و ذلیل

صابروں کو ہے میسر مشتری　　ان کو للچاتا نہیں ہر مشتری

وہ جسے بھایا نہ ویسا مشتری　　کھودیا بخت و بقا، اقبال بھی

وقتِ حسرت ہیں حریصاں تا ابد　　جیسے حالِ اہلِ ضرواں تا ابد

ضروان کے باشندوں کا قصہ اوران کا فقیروں پر حسد کرنا کہ ہمارا باپ سادہ پن سے باغ کی زیادہ پیداوار مسکینوں کو دے دیتا تھا۔ جب انگور ہوتے دسواں حصہ دے دیتا اور جب کشمش اور انگور کا شیرہ ہوتا تو دسواں حصہ دے دیتا اور جب حلوا فالودہ بناتا دسواں حصہ دے دیتا۔ کچی کھیتی میں سے دسواں حصہ دے دیتا اور جب کھلیان گہاتا آدھے گہانہ ہوئے سے دسواں دے دیتا اور جب گیہوں بھوسے سے جدا ہوتے تو دسواں حصہ دے دیتا۔ اور جب آٹا کرتا دسواں حصہ دے دیتا اور جب گوندھتا دسواں حصہ دے دیتا اور روٹی پکاتا تو دسواں حصہ دے دیتا۔ آخر کو اللہ تعالیٰ نے باغ اور کھیتی میں برکت عطا کی تھی کہ سب باغ والے اس کے محتاج ہوتے۔ پھل میں بھی اور چاندی میں بھی اور وہ ان میں سے کسی کا محتاج نہ ہوتا۔ اس کی اولاد نے باربار دسواں حصہ کا خرچ

دیکھا اور وہ برکت نہ دیکھی۔اس بد بخت عورت کی طرح جس نے گدھے کا ذکر دیکھا کدو نہ دیکھا

نیک مرد اللہ والا تھا کوئی   عاقبت میں عقلِ کامل اس کی تھی
قریۂ ضرواں میں نزدیک یمن   دین میں مشہور، خلق اس کی حسن
کعبہ درویشوں کو تھی اس کی گلی   اہلِ حاجت آتے تھے اُس جا سبھی
خوشوں سے دسواں وہ کرتا تھا عطا   گیہوں سے بھی کر کے بھوسوں سے جدا
دسواں حصہ آٹا بھی خیرات تھا   اتنا ہی روٹی سے بھی دیتا سدا
دسواں ہر آمد سے کرتا تھا نثار   کاشت سے اس کی عطا تھی چار بار
دسواں انگوروں سے بھی کشمکش سے بھی   اور شیرے سے بھی دیتا اتنا ہی
دسواں فالودے سے دسواں حلوے سے   بیش و کم جو کچھ بھی آمد میں ملے
یوں وصیت کر رہا تھا وہ جواں   اپنے فرزندوں کے آگے ہر زماں
حصہ مسکینوں کا اللہ کے لیے   رد نہ کرنا بعد میرے حرص سے
کاشت اور حاصل کو اپنے تا خدا   حفظ لے کر رکھے جاری تا سدا
کھیتی کا حاصل و میوے غیب سے   بے گُماں، بھیجے تمھیں اللہ نے
خرچ اگر آمد کے موقع پر کرے   سود تجھ کو سود کا اچھا ملے
بونے کو حصہ بڑا ہے لازمی   کیوں کہ حاصل کے لیے ہے جڑ وہی
بوئے بسیار اور کھائے تھوڑا ہی   شک نہیں ہے اس کے اُگ آنے میں کوئی
ہاتھ لمبا کر کے دہقاں بوئے گا   کیوں کہ غلّہ خاک سے اس کو ملا
موچی بھی ناں سے زیادہ جو بچے   قسم سے چمڑے کی جو بھی چاہیے
کہ یہی ہے اصل آمد کی مری   رزق میں آئے گی وسعت اس سے بھی
اس نے دیکھی آمد اپنی اس جگہ   اس سے جاری ہے وہیں داد و عطا
یہ زمیں یہ کھال اک پردہ ہے بس   پر خدا روزی رساں ہے ہر نفس
خاکِ خوش میں تجھ کو بونا چاہیے   تا کہ لاکھوں ایک سے حاصل کرے

ہاں یہ مانا تخم ریزی تونے کی
اس جگہ دانست میں قابل جو تھی

کچھ نہ پیدا ہو اگر دو تین سال
ہاتھ اٹھیں گے اس کے ہاں بہرِ سوال

پیٹیے سر ہاتھوں سے تو پیشِ خدا
اعتراف اللہ کی رزّاقی کا

تا کہ پائے رازقِ اصلی کو تو
ڈھونڈے رزق اس کے یہاں ہر رزق جو

مانگ حق سے رزق کیوں از زید و عمر
لے اسی سے مستی کیوں از بنگ و خمر

لے غنا اس سے نہ گنج و مال سے
لے مدد حق سے، نہ عم و خال سے

آخر ان کو چھوڑ جانا ہے تجھے
بول پھر اس دم پکارے گا کسے

اب پکار ان کو تو سب کو چھوڑ دے
تا کہ آقائے جہاں بن کر رہے

دن وہ جب بھاگے گا بھائی بھائی سے
باپ سے اولاد جب بھاگے چلے

اس لیے ہو دوست خود دشمن ترا
خود ترا بُت جس نے روکا راستہ

موڑتا ہے اپنا منھ نقاش سے
صنع سے اس کی مگر الفت تجھے

اب مخالف یار تیرے گر ہوئے
دوستی چھوڑے جو دشمن ہوگئے

بول دیکھو دن یہ میری فتح کا
کل جو ہونا تھا وہ آج ہی ہوگیا

اس جہاں والے مخالف ہوگئے
یہ قیامت کا سماں ہے سامنے

اِس سے پہلے کہ میں اپنے دن بھروں
ساتھ ان کے زندگی پوری کروں

مول لایا میں جو کچھ پُرعیب مال
شکرِ حق اب پالیا سب اس کا حال

قبل اس کے ہاتھ سے سرمایہ جائے
اور عیب اس کا نظر آخر میں آئے

مال کھوئے، جان بھی اپنی گنوائے
بدلے مال و جاں کے ناقص مال پائے

نقد دے کر تھا خریدا کھوٹا زر
شاد شاداں چل دیا میں اپنے گھر

شکر ابھی جو کھوٹ ظاہر ہوگیا
باقی ہے ، بہترا حصہ عمر کا

کھوٹا سونا ہوتا گردن میں سدا
عمر کٹ جاتی مری بے فائدہ

کھوٹ قبل از وقت میں نے پالیا
پس یہاں سے جلد واپس جاؤں گا

یار تیرا دشمنی کرنے لگے
رشک، کینہ میں پڑے، حملہ کرے

یاروں کے اعراض کا تو غم نہ کھا
خود کو احمق اور ناداں مت بنا

بانٹ روٹی، شکر کر اللہ کا
پھنس کے اس بوری میں سڑنے سے بچا

زود بوری سے رہائی پاسکا
تابنے جویا تو سچے دوست کا

دوست ایسا جس کی بعدِ مرگ بھی
ہوتی جائے گی زیادہ دوستی

وہ ہے عالی مرتبت شاہوں کا شاہ
یا شفاعت گر و مقبولِ الٰہ

کانٹے سے مکر و دغل کے ہے رہا
اس کی غفلت دیکھ لی قبل از فنا

تجھ پہ جورِ خلق دنیا میں عیاں
ٹھیک اگر سمجھے تو ہے گنجِ نہاں

خلق کو کرتے ہیں بدخو اس قدر
آنکھ مجبوراً تری ہوتی ہے تر

جان لے اک روز آخر یہ سبھی
ہوں گے دشمن اور کریں گے سرکشی

تو کرے گا قبر کے اندر فغاں
اے خدا تنہا نہ کر مجھ کو یہاں

نیک خواہوں سے بھلی تیری جفا
عہدِ باقی بھی تو ہے تیری عطا

سن خود اپنی عقل کی انبار دار
ڈال گندم کشتِ حق میں بار بار

غلّہ گُھن سے چور سے تا کہ بچے
تا کہ دیمک ختم شیطاں کو کرے

وہ ڈرائے فقر سے ہردم تجھے
جیسے کبک اے باز کرلے صید اُسے

باز شاہی تو قوی و کامگار
ننگ ہے گر کبک کا تو ہو شکار

کی وصیت بیج بویا وعظ کا
تھی زمیں شورہ، ہوا بے فائدہ

پند سننے سینکڑوں ہوں گے مگر
یاد رکھنے والے ہوتے ہیں کدھر

دردمندی پند میں کچھ ہی سہی
وہ کرے گا پند سے پہلو تہی

ایک نا شنوا جو حجت پر کھڑے
کہنے والے سو جو ہوں عاجز کرے

پند گو نبیوں سے بہتر ہیں کدھر
پتھروں پر ان کی باتیں کارگر

جن سے کوہ وسنگ کار آمد بنے
کان بدبختوں کے کب ان سے کھلے

ما ومن میں مست تھے وہ اس قدر
وصف ان کی پتھروں سے سخت تر

اس بات کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور قدرت بندوں کی عطا کی طرح قابلیت پر موقوف نہیں ہے۔ اس (مخلوق کی عطا) کے لیے قابلیت چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور قابلیت حادث ہے۔ عطا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قابلیت مخلوق کی صفت ہے اور قدیم حادث پر موقوف نہیں ہوتا

چارۂ دل کام ہے اللہ کا
قابلیت پر نہیں اس کی عطا

قابلیت کو مگر ہے شرط عطا
اہلیت پوست اصل ہے دادِ خدا

موسیٰ کی لاٹھی بنی اک اژدہا
ہاتھ روشن، ان کا جوں خورشید تھا

ان گنت تھے معجزاتِ انبیاء
عقل تا سمجھے انھیں یارا نہ تھا

یہ نہیں تعریف اسباب از خدا
قابلیت نیست میں کیسی بھلا

کار حق کو اہلیت تھی شرط اگر
نیست سے کچھ ہست ہوسکتا کدھر

سنت اس کی سب سب رستے بنے
زیرِ گردوں طالبوں کے واسطے

چلتے ہیں سنت پہ اکثر کاروبار
خرقِ سنت گاہے کارِ کردگار

سنت و عادت ہیں گرچہ بامزہ
توڑنے ان کو بنایا معجزہ

بے سبب ملتی نہیں عزت، بجا
عزلِ علت سے کب عاجز ہے خدا

حد سے باہر اے سبب والے نہ جا
ظن پئے عزلِ مسبب ہے خطا

وہ مسبب ہے جو چاہے سو کرے
اپنی قدرت سے سبب کو پھاڑ دے

کام جاری ہو سبب کی راہ پر
تا رہے طالب کی سنت پر نظر

لا نظر خود تو سبب کو چھیدنے
جڑ سے پردوں کو اکھیڑ اور پھینک دے

تا مسبب ہو نظر در لامکاں
نا سزا سب جہد و اسباب ودکاں

ہیں مسبب سے سبھی یہ خیر و شر
واسطے ، اسباب بے بس اے پدر

کچھ نہیں یہ سب بجز فکر و خیال
تا رہے کچھ دیر ہم غافل زمال

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی ابتدا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اشارہ کیا کہ جا، زمین کی مٹی سے ایک مٹھی لے لے اور ایک روایت کے مطابق کہ ہر جانب سے مٹی کی مٹھی اٹھا لے

جب ہوئی مطلوب تخلیقِ بشر ۔۔۔ تاکہ خالق آزمائے خیر و شر
بولا جبریلِؑ امیں کو جاؤ تم ۔۔۔ خاک مٹھی بھر زمیں سے لاؤ تم
پس زمیں پر آئے جبریلِ امیں ۔۔۔ تا ادا ہو حکمِ ربُّ العالمیں
ہاتھ رکھنا چاہے جس دم خاک پر ۔۔۔ رہ گئی مٹی سمٹ کر پُر حذر
بولی مٹی عاجزی کرتے ہوئے ۔۔۔ از برائے خالقِ یکتا مجھے
چھوڑو، جاؤ، دیجیو جاں کی اماں ۔۔۔ موڑ لو اپنی سواری کی عناں
دور اس جھنجھٹ سے رہنے دیجیے ۔۔۔ چھوڑیے مجھ کو خدا کے واسطے
صدقے اس کے، جو ہو مقبولِ خدا ۔۔۔ علمِ لوحِ کُل جو ہے تم کو عطا
رتبہ استادِ ملائک کا ملا ۔۔۔ لب سے جاری ہے کلامِ حق سدا
ہونے والے ہو سفیرِ انبیاء ۔۔۔ تم سے جاری ہوگا وحی کا سلسلہ
تم کو اسرافیل پر ہے برتری ۔۔۔ تن کی جاں وہ، تم ہو جان زندگی
جسم زندہ ہوں گے ان کے صور سے ۔۔۔ اور دلِ یکتا کو جاں تم سے ملے
اصلِ جانِ تن ہے دل کی زندگی ۔۔۔ ان سے بہتر ہے تمھاری دین ہی
رزق تن کو دین میکائل کی ۔۔۔ اور تم سے ہے دلوں کی روشنی
ان کی ناپی دین دامن کو بھرے ۔۔۔ تم کو عزرائیلؑ پر سبقت رہے
حاملانِ عرش چاروں، تم ہو شاہ ۔۔۔ اور تمھارا رتبہ ان سب میں بڑا
آٹھ ہوں گے حشر کے دن حاملاں ۔۔۔ اور تم ان سب سے بہتر اس زماں
روتے روتے کر رہی تھی یوں شمار ۔۔۔ اس پہ آثارِ غرض تھے آشکار
معدنِ شرم و حیا وہ جبرئیلؑ ۔۔۔ ہوگئی سب ان پہ قسموں سے سبیل

کی خوشامد ان کی اور قسمیں بھی دیں
جا کے خالی بولے ربُّ العالمیں
میں نے اپنے کام میں سستی نہ کی
جو بھی گزرا جانتا ہے تو سبھی
بولے نام اس نے تمھارا وہ لیا
گھومنا افلاک کا رک جائے گا
دی قسم مجھ کو تمھارے نام کی
اُس کے ہی رحم و کرم پر ہیں سبھی
نام سن کر ہوگئی شرمندگی
نقلِ مشتِ خاک کو مشکل نہ تھی
زور وہ تونے فرشتوں کو دیا
جس نے ہفت افلاک کو شق کردیا
زور مٹھی خاک کا کیا ہو بھلا
لاتا میں، رحمت نے پسپا کردیا

حضرت میکائل علیہ السلام کو بھیجنا زمین کی مٹی کی ایک مٹھی لینے کے لیے انسانوں کے باپ کے مبارک جسم کی ترتیب اور ترکیب کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور فرشتوں کے مسجود اور ان کے استاد حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں

بولا میکائیلؑ کو اب جایئے
خاک مٹھی بھر زمیں سے لایئے
جوں ہی میکائیلؑ پہنچے خاک پر
اور بڑھائے ہاتھ جب لینے ادھر
خاک دور ان سے ہوئی تھرّا گئی
اور خوشامد کرتے کرتے رو پڑی
کی خوشامد دل سے، اور کوشش بھی کی
اور بہاکر اشکِ خوں سوگند دی
از برائے لطفِ رحمانِ حمید
جس سے تم ہو حامل عرشِ مجید
رزق دینا کام سب کو ناپ کر
پیاسوں کو پانی پلانا چلّو بھر
کیل سے مشتق ہے میکائیلؑ نام
رزق دینا ناپ کر ان کا ہی کام
چین سے آزاد رہنے دیجیے
باتیں پُرخوں ہیں مری یہ دیکھیے
ہیں فرشتے معدنِ لطفِ خدا
زخم پر کیسے نمک چھڑکوں بھلا
جس طرح شیطاں ہے معدن قہر کا
جس کے باعث ہے بشر غرقِ بکا
رتبہ رحمت کا غضب پر ہے بڑا
قہر پر ہے غلبۂ لطفِ خدا
بندوں میں آقاؤں کی ہوتی ہے خو
ان کے مشکوں میں اسی کا آبجو

راہِ حق کے رہنما وہ مصطفیٰؐ بولے ہے دینِ رعایا دینِ شاہ
سن کے میکائیلؑ سوئے حق چلے اپنے ہاتھ اور آستیں خالی لیے
بولے اے دانائے راز و شاہِ دیں ہے خوشامد گر وہاں خاکِ حزیں
مجھ کو اس مٹی نے عاجز کردیا زاری و ماتم سے چہرہ زرد تھا
رتبہ اشکوں کا ترے ہاں ہے بڑا اُس سے میں اعراض کرسکتا نہ تھا
ہے ترے ہاں قدر زاری کی بڑی تاب تا صرفِ نظر کردوں نہ تھی
قدر چشمِ تر بڑی ہے تیرے ہاں مجھ میں جھگڑے کی بھلا جرأت کہاں
دعوت زاری ہے دن میں پانچ بار آ اِدھر ماری کر اے سجدہ گزار
ہے مؤذن داعیِ راہِ فلاح ہے فلاح در اصل زاری کی صلاح
جس کو غم میں مارنا چاہے گا تو دور کردے گا تو اس سے گریہ کو
آ دبوچے ناگہاں کوئی بلا گریہ جب اس کی شفاعت کو نہ تھا
تو اگر چاہے کہ ہو ردِّ بلا تو سکھا دے گا اسے آہ و بکا
آیا ان قوموں کا قرآں میں بیاں ہوگئیں جو موردِ قہرِ گراں
چوں کہ ان لوگوں نے کچھ زاری نہ کی لوٹ جائے تا بلا آئی ہوئی
ہوگئے دل سخت اور زاری نہ کی خود خطا کاری عبادت ہوگئی
جرم کو سرکش نہ سمجھے جرم اگر ہو نہیں سکتی کبھی آنکھ ان کی تر

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ اس بارے میں کہ عاجزی وزاری آسمانی بلا کے لیے دافع ہے اور اللہ تعالیٰ فاعلِ مختار ہے تو عاجزی اور زاری و تعظیم اس کے سامنے مفید ہوگی اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ وہ طبعاً اور علت کے طور پر فاعل ہے نہ کہ مختار تو عاجزی طبیعت کو بدل نہیں سکتی

قومِ یونسؑ پر ہوئی ظاہر بلا آسماں سے ابرِ آتش چھٹ گیا
بجلیاں برسیں کہ پتھر جل گئے چہرے بادل کی گرج سے فق ہوئے

لوگ بالا خانوں پر تھے محوِ خواب ان پہ جب ظاہر ہوا ہے وہ عذاب
لوگ بالا خانوں سے آئے اتر اور چلے جنگل کی جانب بھاگ کر
ماؤں نے بچوں کو کر ڈالا جدا گریہ و زاری کا عالم تھا بپا
شام سے لے کر وہ تا وقتِ سحر خاک اڑائے پھرتے تھے بالائے سر
شور و غوغا نے بٹھا ڈالی صدا رحم حق کو قومِ لُد پر آگیا
بعدِ نومیدی و آہِ نارسا تھوڑا تھوڑا ابر کھلنے لگ گیا
لمبا چوڑا ذکر یونسؑ کا کجا وقت بس مٹی کے لینے کو رہا
قدر زاری کی جو ہے پیشِ خدا جائے دیگر میں کہیں ہوگی بھلا
ہاں کمر کس لے کہ ہے امید ابھی اٹھ اے رونے والے، ہے دائم خوشی
چاہیے زاری کہ تو شاداں رہے رو ذرا تا بے دہاں خنداں رہے
آنسو یہ پیشِ خداوندِ مجید ہے گراں جوں قطرۂ خونِ شہید
کی خوشامد، کھل کے روئی قوم سب رحمت اٹھی، دب گیا فوراً غضب

حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زمین کی جانب بھیجنا کہ جاؤ اور حضرت آدم علیہ السلام ''ہمارے نبی اور ان پر درود و سلام'' کے جسم کے بنانے کے لیے ایک مٹھی مٹی لے آؤ

بعد از اسرافیلؑ سے حق نے کہا خاک مٹھی بھر زمیں سے لاؤ جا
آئے اسرافیل سوئے خاکداں پھر زمیں کرنے لگی آہ و فغاں
اے فرشتۂ صور، دریا جان کے جان مُردوں میں تمھاری پھونک سے
صور کے اندر تمھاری پھونک کیا! ہڈیوں سے ہوگی خلقت رونما
صور میں پھونکوں سے بولے الصّلا لو اٹھو، جاندادگانِ کربلا
موت کے خنجر کے تم مارے ہوئے مثلِ شاخ و برگ ابھرو خاک سے
لطف سے اور پھونک کی تاثیر سے تم کروگے زندہ وہ جی جائیں گے
تم فرشتۂ رحمت اور رحمت نما عدلِ گستر، حاملِ عرشِ الٰہ

عرش کیا ہے کان داد و عدل کی
چار نہریں نیچے عفو و بذل کی

ایک جوئے شہد دیگر جوئے آب
دودھ کی ہے وہ سوم، چوتھی شراب

عرش سے ہوتی ہیں جنت میں رواں
کچھ اثر ان کا ہے دنیا میں یہاں

گرچہ ہیں آلودہ دنیا میں یہ چار
ہیں فنا کے زہر سے یہ ناگوار

گھونٹ ایک ایک ان سے مٹی پر بہائے
فتنے ان سے چار سو برپا دکھائے

تا بنیں مشتاق ان کی اصل کے
حیف انہی پر لوگ قانع ہوگئے

تا ہو پلنا دودھ سے اطفال کا
سینہ چشمہ کردیا ہر زال کا

دفع کرنے غصہ غم بادہ دیا
باغوں انگوروں کو چشمہ کردیا

شہد ہے دارو ہے تنِ رنجور کو
چشمہ اس کا کردیا زنبور کو

پانی ہر اک شاخ اور جڑ کے لیے
پینے اور پاکی کی خاطر چاہیے

ڈھونڈ پائے تا کہ تو ان کے اصول
ہوگیا قانع اسی پر بوالفضول

پس پھر اب سن خاک کا تو ماجرا
پھونکنے والی ہے منتر کون سا

ترش روئی کی نمائش اس نے کی
چاپلوسی سو طرح کی ساتھ ہی

واسطہ تم کو خدائے پاک کا
قہر یہ مجھ پر نہ رکھنا تم روا

دیکھ کر یہ دم بدم کی پیروی
ذہن میں پیدا ہے میرے بدظنی

تو مَلک رحمت کا ہے رحمت دِکھا
مرغ کو آزار کیوں دے گا ہُما

اے تو رحمت، دردمندوں کی دوا
کر وہی تو بھی جو ان دو نے کیا

زود اسرافیلؑ لوٹے شاہ کے پاس
کردیا پیش اپنا عذر و التماس

حکم لے آنے کو تیرا ظاہری
بر خلاف اس کے نہاں توفیق دی

حکم کانوں کو تو لینے کا دیا
ہوش کو پر منع سختی سے کیا

اس کی رحمت بے حساب و بیکراں
صاحبِ حکمت، کریم و مہرباں

تیری رحمت کو ہے سبقت قہر پر
ہیں نرالے کار تیرے داد گر

ارادے کی پختگی اور پختہ کاری کے فرشتے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو مٹھی بھر مٹی لینے کے لیے بھیجا تاکہ حضرت آدم (ان پر اور ہمارے نبی پر درود و سلام ہو) کا چالاک اور درست کام کرنے والا جسم بنایا جائے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام کا زمین کی آہ و زاری کی طرف دھیان نہ دینا

اب پھر عزرائیلؑ سے حق نے کہا
دیکھ وہ مٹی ہے شک میں مبتلا

ظالم و بے زور کو تو بس میں کر
ایک مٹھی خاک لے آ زود تر

آئے ملک الموت لینے کے لیے
سوئے کرّۂ خاک فوراً چل دیے

حسبِ عادت خاک زاری میں لگی
کھائی قسمیں اور قسم دیتی رہی

بندۂ خاصِ خدا، حمالِ عرش
زیر فرماں تیرے خلقِ عرش و فرش

از برائے رحمتِ رحمٰن تو جا
از برائے لطف و احسانِ خدا

اس کا حق، معبود کون اس کے سوا
اس کے ہاں مردود کب گریہ ہوا

ہاتھ مجھ سے از برائے حق اٹھا
حق کے ہاں ہے مرتبہ تیرا بڑا

بولے گر میں بات تیری مان لوں
ہوں گا ملزم، امرِ حق کا کیا کروں

بولی آخر امر بھی ہے حِلم کا
امر دونوں، لے سہارا علم کا

بولے وہ تاویل ہو یا قیاس
حکم جب ہے صاف پھر کیوں التباس

فکر کی تاویل بہتر ہے تجھے
کس لیے تاویل عیاں تر کے لیے

دل جلے میرا خوشامد پر تری
اور تری زاری سے پُرخوں سینہ بھی

میں نہیں بے رحم تینوں سے جدا
مہرباں ان سب سے ہوں تجھ پر سوا

مجھ سے تھپّڑ کھائے گر کوئی یتیم
حلوا کر دے ہاتھ میں اس کے حلیم

حلوے سے بہتر طمانچہ میرا کھائے
حلوے کے دھوکے میں آجائے تو وائے

دل مرا جلتا ہے نالوں سے ترے
قہر بھی حق نے سکھایا ہے مجھے

لطف اس کے قہر کے اندر چھپا
جوں خذف ریزوں میں گوہر بے بہا

قہرِ حق بہتر مرے احسان سے
جاں بچانا اس سے جانا جان سے

پیار بے حد، بدتریں دکھ میں دیا
سب کا حامی، پالنے والا خدا

لطف رکھا قہر کے اندر نہاں
جاں چھڑکنا اس پہ افزونیِ جاں

بدگمانی، گمرہی دل سے مٹا
سر سے جا جب بھی وہ فرمائے کہ آ

خود بلائے وہ تو بخشے رفعتیں
ساتھی مستی دے گا تجھ کو راحتیں

حکمِ عالی ہے میں اک ذرّہ کہیں
ڈھیل دوں تعمیل میں ممکن نہیں

اَن سنی کر ڈالی مٹی سے سنی
کان اس کے بند وجہِ بدظنی

نیچ مٹی پھر ز اندازِ دِگر
کی خوشامد ڈال کر سجدے میں سر

بولے اٹھ اس میں ہے تیرا ہی زیاں
رہن رکھ لینا مرا سر میری جاں

بدظنی بس کیوں خوشامد غیر کی
ہے سزاوارِ ثنا اللہ ہی

بندہ میں فرماں کا ناممکن عدول
وہ سمندر سے اڑا سکتا ہے دھول

ہے وہی خلاقِ چشم و گوش و سر
اپنی جاں کے بھی جانوں خیر و شر

کان بہرے غیر بہرے ہیں مرے
جاں سے بھی پیارا ہے حکم اس کا مجھے

جان ہے اُس سے، وہ میری جاں سے نہیں
لاکھوں جانیں مفت اس نے بخش دیں

جان بھی کچھ چیز ہے پیشِ کریم
کیا ہے پِسّو، کیوں جلاؤں میں گلیم؟

خیر کو اس کی سمجھتا ہوں میں خیر
گونگا، اندھا، بہرا ہوں میں بہرِ غیر

رونے والوں کی نہیں سنتا فغاں
میں ہوں اس کے ہاتھ میں گویا سناں

اس کا بیان کہ جس مُخلوق سے تجھے تکلیف پہنچے وہ درحقیقت ایک آلہ کی طرح ہے۔

عارف وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے نہ کہ آلہ کی جانب اور اگر بظاہر آلہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو نادانی کی وجہ سے نہیں بلکہ مصلحت کی رو سے۔ چنانچہ بایزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بہت سال ہو گئے کہ میں نے مخلوق سے بات

نہیں کی ہے اور نہ میں نے مخلوق سے سنی ہے لیکن لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے کہتا ہوں اور ان سے سنتا ہوں کیوں کہ وہ بڑے مخاطب کو نہیں دیکھتے ہیں کیونکہ میرے اعتبار سے صدائے بازگشت کی طرح ہیں اور عقلمند سننے والے کی توجہ صدائے بازگشت کی طرف نہیں ہوتی۔ چنانچہ مشہور مثل ہے کہ دیوار نے کیل کو کہا کہ تو مجھے کیوں پھاڑ رہی ہے۔ کیل نے کہا اسے دیکھ جو مجھ کو ٹھونک رہا ہے

خیر کی امید برچھی سے تجھے — منھ میں اژدر کے چلا جا اس لیے
رحم کی خواہش نہ کر تلوار سے — مانگ اس سے جس نے تھاما ہے اسے
کیوں خوشامد برچھی اور تلوار کی — وہ ہیں قیدی اور سپرد اللہ کی
از رہ صنعت وہ آذر میں صنم — جو بناتا ہے وہ ہوجاتے ہیں ہم
ہاں بنوں ساغر اگر ساغر بنائے — میں بنوں خنجر اگر خنجر بنائے
گر بنائے چشمہ میں پانی چلاؤں — گر مجھے آتش بنائے میں تپاؤں
گر مجھے بارش کرے کھلیان دوں — گر بنائے تیر میں تن میں دھنسوں
زہر تھوکوں سانپ اگر مجھ کو کرے — یار اگر کردے رہوں میں پیار سے
گر کرے شکر مجھے شیریں بنوں — گر کرے حنظل تو میں پُرکیں بنوں
گر مجھے شیطان کرے سرکش بنوں — گر جلائے مجھ کو میں آتش بنوں
خامہ جوں میں انگلیوں کے درمیاں — چلتے چلتے ڈگمگاتا ہوں کہاں
خاک کو مشغول باتوں میں کیا — ایک مٹھی بھر سمیٹا چل دیا
ساحرانہ لے اڑے وہ خاک کو — خاکداں مسحور و مستِ گفتگو
لے گئے جبراً اسے پیشِ خدا — مدرسے سے بچہ جوں بھاگا ہوا
علم کی کھا کر قسم حق نے کہا — جانستاں تم کو کروں گا خلق کا
بولا دشمن خلق کا کہلاؤں گا — جب میں ان کی جان لینے جاؤں گا
اے خدا کیا یہ گوارا ہے تجھے — دشمن و مبغوض بولیں گے مجھے

بولا اسباب اس کے کردوں گا عیاں — جیسے تب، قولنج و سر سام و سناں
دردِ سر، اور حلق کی بیماریاں — یا زکام اور کوڑھ ہو یا ہچکیاں
سدہ و اسہال، استسقا و سِل — ٹوٹی ہڈی، سانپ کاٹے دردِ دل
پھیر دوں تا تجھ سے میں ان کی نظر — جائے تا امراض اور اسباب پر
بولے یارب ان میں ہیں کچھ بندے بھی — جو لگے ہیں کھوج میں اسباب کی
ان کی ہے اسباب سے آگے نظر — جو نکل جاتی ہے پردے چیر کر
سرمہ کس سے سرمۂ وحدت جو لے — ہو رہیں گا وہ بری اسباب سے
وہ نہ تپ دیکھے نہ ہی قولنج و سل — راہ ان سب کو نہ دے گا وہ بہ دِل
کیوں کہ ہے ہر ایک علّت کی دوا — بے اثر ہونا دوا کا ہے قضا
گر خدا چاہے ٹھٹھر جائے کوئی — جاڑا چھولے پوستیں سو ہی سہی
لرزہ اس کے تن میں ہوگا بے گماں — بے اثر ہو آگ ہو وہ یا دھواں
تن میں اس کے سردی ہوگی اس قدر — جامہ و آتش بھی ہوں گے بے اثر
جب قضا آئے طبیب ابلہ بنے — اور دوا اپنا اثر الٹا کرے
دیکھ لے گی دیکھنے والی نظر — پردے احمق کرنے والے چیر کر
اصل کو پالے گی کامل کی نظر — فرع کو دیکھے گا احول ہو اگر

اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو جواب آنا کہ جو نظر اسباب اور مرض اور تلوار کی ایذا رسانی پر نہیں پڑتی ہے۔ اے عزرائیل وہ تیرے کام پر بھی نہیں پڑے گا کیوں کہ تو بھی ایک سبب ہوا اگر چہ ان سببوں سے زیادہ معنی ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس بیمار سے یہ مخفی نہ ہو کہ ہم اس (مردے) سے تم سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے ہو

بولا یزداں جو بھی دیکھے اصل کو — درمیاں تم کو نہیں دیکھے گا وہ

گو ہے چھپ کر تو نگاہ عام سے
پردہ ہی ہے تو بھی خاصوں کے لیے

جان اجل ان کو ہے مانندِ شکر
مست عقبیٰ کے نظاروں سے نظر

ناگوار ان کو نہیں یہ مرگِ تن
جس وجہ سے ہٹ کے دیکھیں جب چمن

جو بھی چھوٹے عالمِ پُرپیچ سے
ان کو دکھ کیوں ہو زبانِ ہیچ سے

برجِ زنداں توڑ دے گر اہلِ کار
کیا کسی قیدی کے دل پر ہوگا بار

حیف توڑا سنگِ مرمر کس لیے
تا رہائی قید سے جاں کو ملے

آہ وہ سنگِ سفید و نرم و صاف
قید خانے کو مناسب ہے خلاف

توڑا کیوں وہ تا کہ ہوں قیدی رہا
کیا خطا پر ہاتھ کاٹا جائے گا؟

کوئی قیدی اس کو کوسے گا بھلا
جز کہ زنداں سے جو سولی جائے گا

کیوں برا مانے وہ جس کو لاؤ گے
قند کی جا جائے زہرِ مار سے

تن کے غوغا سے رہا ہو جاں اگر
پائے تن کیوں لے اڑیں گے بال و پر

قیدیِ چہ شب کو جوں سوتے ہوئے
سیر گلشن خواب کے اندر کرے

بولے یارب بند پھر تن میں نہ کر
تا چمن میں رہ سکوں با کرّ وفر

اور خدا بولے دعا ہے مستجاب
رہ یہیں، واللہ اعلم بالصواب

دیکھتا رہ خوابِ روشن جاں فزا
موت کو چکھّے بنا جنت میں جا

جاگنے کی اُس کو حسرت ہوگی کیا
اُس بدن پر جو کہ ہے در بندِ چاہ

تو ہے مومن معرکہ کو صف میں آ
ہے فلک کی بزم میں تیری جگہ

کر توقف تو براہِ ارتقا
جس طرح محراب کے آگے دِیا

سیلِ اشک اور مستقل سوزِ طلب
جیسے شمع سر بریدہ جملہ شب

ترک کردے یہ طعام اور یہ شراب
آسمانی خواں کی جانب چل شتاب

دم بدم رکھ آسماں سے تو امید
جھومتا اس کی فضا میں مثلِ بید

کھینچ لے وہ اس طرف تو کیا عجب
عجز چھوڑ اور رکھ نظر اندر طلب

یہ طلب تیری ہے مرہونِ خدا
ہے ہر اک مطلوب طالب کو سزا

جہد کر تا یہ طلب بڑھتی رہے
دل کو چاہ تن سے تا فرصت ملے

لوگ بولیں وہ فلاں مسکیں مرا
اور کہے تو یہ کہ ہوں زندہ بجا

سو رہا ہے گو اکیلا تن مرا
ہے مرے دل میں درِ جنت کھلا

جان گل و نسریں سوتے ہیں مگن
کاہے کو غم ہو اگر گوبر میں تن

جانِ خفتہ و خبر کیا جسم کی
ہے کہاں، گلشن ہے یا بھٹی کوئی

جاں کا مسکن ہے جہانِ آ بگوں
نعرہ ہے یَالَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡن

جی نہیں سکتی اگر تن جاں بِنا
کس کی خاطر چرخ کا ایواں بنا؟

بے بدن جاں زندہ گر رہنے نہ پائے
آسمانی رزق کو پھر کون کھائے

اس بیان میں کہ دنیا کی چکنی اور میٹھی چیز ناساز گار ہے اور وہ اللہ کے طعام سے مانع ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے بھوک اللہ کا کھانا ہے جس سے وہ صدیقین کے جسموں کو زندہ رکھتا ہے یعنی بھوک میں اللہ عزوجل کا کھانا پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَبِیۡتُ عِندَ رَبِّیۡ یُطۡعِمِنِیۡ وَ یُسۡقِیۡنِی وَ قوۡ اللّٰہُ تَعَالیٰ یُرۡزَقُوۡنَ فَرِحِیۡنَ "اور میں اپنے خدا کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے ان کو رزق دیا جاتا ہے، وہ خوش ہیں

ترک کر اس گندہ روزی کو ذرا
پائے گا پاکیزہ پُر لذت غذا

تو ہزاروں رطل بھی کھائے اگر
ہو سبک جیسے پری جائے جدھر

ریح سے اور دردِ رودہ سے بچے
اور چھوٹے تو عذابِ معدہ سے

کم جو کھائے بھوک پائے مثلِ زاغ
پُرخوری سے بند ہوجائے دماغ

کم خوری سے خشکی، بدخوئی دِق
پُرخوری سے ہیضہ کا تن مستحق

ہے طعام اللہ قوتِ خوشگوار
اسے دریا میں تو رہ کشتی سوار

روزے میں کر صبر رہ کر تو مُصر
ہر گھڑی رہ قوت کا تو منتظر

وہ خدا ہے مہرباں و بردبار ‏ ‏ ‏ دیتا ہے انعام بد از انتظار
منتظر ناں کا نہیں جو بھی ہو سیر ‏ ‏ ‏ جلد آئے وہ وظیفہ یا بہ دیر
منتظر اس کا ہمیشہ بے نوا ‏ ‏ ‏ تاک میں ہی بھوک کا مارا ہوا
گر نہ ہوگا منتظر پائے نہ تو ‏ ‏ ‏ لقمہ ستّر دولت اس پر تو بتو
انتظاری انتظاری انتظار ‏ ‏ ‏ خوانِ بالا کے لیے مردانہ وار
رزق ہر بھوکے کو ملتا ہے ضرور ‏ ‏ ‏ دھن کا سورج اس پہ جب برسے گا نور
میہماں کھانا اگر کم کھائے گا ‏ ‏ ‏ کھانے بہتر میزباں بھی لائے گا
بدظنی بد میزبانوں سے بجا ‏ ‏ ‏ بدگماں داتا سے ہونا ہے خطا
جیسے اک کہسار سر کو تو ابھار ‏ ‏ ‏ تا ہو پہلے تجھ پہ سورج نور بار
کیوں کہ سر کو اونچا کرکے کوہسار ‏ ‏ ‏ کرتے ہیں نور سحر کا انتظار

اس بے وقوف کا جواب جس نے کہا کہ یہ دنیا میں کیا ہی اچھا ہوتا اگر موت نہ ہوتی اور دنیا کی سلطنت اچھی ہوتی اگر اس کا زوال نہ ہوتا اور اسی طرح کی بکواس

کوئی بولا خوب ہوتا یہ جہاں ‏ ‏ ‏ گر اجل ہوتی نہ داخل درمیاں
دوسرا بولا نہ ہوتی موت اگر ‏ ‏ ‏ یہ جہاں وقعت نہ پاتا ذرّہ بھر
ہوتا اک خرمن بیاباں میں بڑا ‏ ‏ ‏ خرمن اک بیکار بے مقصد پڑا
تونے سمجھا موت کو ہی زندگی ‏ ‏ ‏ کاشت ناقابل زمیں کی تونے کی
عقل جھوٹی اور غلط بیں ہے بڑی ‏ ‏ ‏ زندگی اس کی نظر میں موت ہی
اے خدا ہر چیز کو دکھلا ذرا ‏ ‏ ‏ کہ وجود اس کا ہے دھوکے کی جگہ
مردے میں حسرت نہیں ہے موت کی ‏ ‏ ‏ صرف توشے کی سناتا ہے کبھی
ورنہ جا پڑتا بصحرا چاہ سے ‏ ‏ ‏ اور اڑاتا عیش و دولت کے مزے
رنج و غم کی تنگ جائے خواب سے ‏ ‏ ‏ اک وسیع صحرا میں آجاتے چلے
جائے صدیقاں نہ جھوٹوں کی جگہ ‏ ‏ ‏ چھاچھ کی مستی نہ صہبا کا نشہ

بیٹھتا محفل میں نزد اللہ آب و گل کا چھوڑتا آتش کدہ
زیست نورانی نہ کی ہے گر بسر اک دو دم باقی ہیں جا مردانہ مر

اس اللہ تعالی کی رحمت کی امید کے بیان میں جو استحقاق سے پہلے ہی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ وہ وہی ہے جو بارش برساتا ہے لوگوں کی مایوسی کے بعد اور بہت سی دوریوں میں قرب پیدا کر دیتی ہیں اور بہت سے گناہ ہیں جو مبارک ہیں اور بہت سی سعادتیں ہیں جو اس جگہ سے حاصل ہو جاتی ہیں جہاں سے عتاب کی توقع ہوتی ہے تا کہ وہ جان لے بیشک اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے

ہے حدیثوں میں کہ محشر کے لیے حکم ہر تن کو یہ ہوگا جاگ اٹھے
ہے صدائے صور حکمِ ربِّ پاک سر اٹھاؤ چیونٹیو بالائے خاک
ہر بدن میں آئے گی جاں لوٹ کر لوٹ کر ہوش آئیں جوں وقتِ سحر
صبح کو جاں ڈھونڈ لیتی ہے بدن اور پہن لیتی ہے اپنا پیرہن
اندر آتی ہے بدن کو بھانپتے جانِ زرگر سوئے درزی کیوں چلے
جانِ عالم سوئے عالم جائے گی جانِ ظالم سوئے ظالم جائے گی
دیتا ہے پہچان انھیں علمِ الٰہ پائے جوں بکری کو بچہ صبح گاہ
پاؤں تاریکی میں جوتا ڈھونڈ لے کیا نہ جاں پائے گی تن کو ڈھونڈ کے
درحقیقت حشرِ اصغر ہے سحر پس قیاسِ حشرِ کبریٰ اس پہ کر
جان نکلے تن کی مٹی ڈھونڈنے دائیں بائیں ساتھ عمل نامہ چلے
ہاتھ میں دیں نامۂ جود و سخا فسق و تقویٰ جو ترا معمول تھا
ہوگا وہ بیدار جب وقتِ سحر پاس پھر لوٹ آئیں گے سب خیر و شر
کرنی ہو اصلاح گر اطوار کی آنکھ کھولے گا تو دیکھے گا وہی
تھا اگر کل خام، بد، گم کردہ راہ ہوگی بائیں ہاتھ میں فرد سیاہ

کل تھا جو دیندار و باتقویٰ جو مرد　　جاگتے ہی پائے دائیں ہاتھ فرد
خواب و بیداری ہماری برملا　　ہیں نشانِ مرگ و محشر پر گوا
حشر اکبر حشر اصغر سے عیاں　　مرگِ اصغر مرگِ اکبر کا نشاں
دفترِ اعمال یہ لیکن نہاں　　حشرِ اکبر میں وہی ہوگا عیاں
ہے عمارت ذہن میں معمار کے　　جس طرح دانہ زمیں میں ہو دبے
ہوتا ہے اندر سے پیدا یہ خیال　　جوں زمیں دانے کو کرتی ہے نہال
ہر تصور دل میں کرلے گا جو گھر　　حشر میں آئے گا متشکل نظر
پلتا ہے معمار کے دل میں خیال　　جوں زمیں میں دانہ ہوتا ہے نہال
محشروں کا ذکر بہرِ قصہ ہے　　اس میں بہرِ مومناں اک حصہ ہے
ہوگا طالع آفتاب حشر جب　　خاک سے آئیں گے خوب وزشت سب
پہنچیں گے پیشِ عدالت سب کے سب　　امتحانِ قلب و سارا ہوگا تب
ہوگا اس دم نقدِ نیکاں شاد حال　　اور نقدِ قلب پُر درد و ملال
امتحاں ہوتے رہیں گے بار بار　　حال دل ہوگا بدن سے آشکار
تیل پانی جوں عیاں قندیل سے　　یا عیاں جوں خاک اور سبزہ دِکھے
جوں پیاز و زعفراں، خشخاش سے　　ہوں گے جنگل سبز پوشوں سے بھرے
بولے وہ سرسبز میں پرہیز گار　　وہ دگر جیسے بنفشہ شرمسار
آنکھیں پھاڑے دیکھنا وہ خوف سے　　دیکھے جیسے کوئی دس آنکھیں لیے
منتظر آنکھوں کو وہ پھاڑے ہوئے　　تا نہ آئے نامہ بائیں سمت سے
آنکھیں دائیں بائیں جانب گھومتی　　بخت کم تا ہو نہ نامۂ راست کی
آنکھیں بائیں دائیں جانب گھومتی　　رہ نہ جائے راست نامہ خالی ہی
ہاتھ میں بندے کے نامہ آئے گا　　سب سیہ اس کو گنہ سے پائے گا
خیر اس میں کوئی نے توفیق ہی　　کیا ہے اس میں بس دلازاری سبھی
سر سے پاؤں تک برائی سب خطا　　سالکوں سے چھیڑ استہزا سدا

چوریاں اس کی، وہ دھوکا بازیاں
وہ انا فرعونی و سر زوریاں

اپنے بوجھل نامہ کو جب وہ پڑھے
جان لے گا جیل جانا ہے مجھے

جائے گا چوروں کی صورت سوئے دار
جرم پیدا ہے نہیں راہِ فرار

حجتیں اور اس کی بدگوئی سبھی
اس کے ہونٹوں پر رہے گی مہر سی

تن میں گھر میں مال چوری کا سبھی
تازہ ہوگا بھولا افسانہ ابھی

جانبِ زندانِ دوزخ جائے گا
کچھ سوا اس کے نہ چارہ پائے گا

آگے پیچھے وہ ملائک پہرہ دار
تھے وہ پنہاں ہوگئے اب آشکار

پس ہنکاتے جائیں گے دیتے عذاب
چل غلاظت میں تو اے کتّے شتاب

پاؤں کھینچے جارہا ہے راہ پر
بھاگنا چاہے کنوئیں سے کود کر

پھر کھڑا ہوگا منتظر چپ سادھ کر
دیکھے واپس مڑ کے کچھ امید پر

روئے گا مانندِ بارانِ خزاں
اس سے بڑھ کر ہے امید اس کو کہاں

دیکھنا وہ اس کا مڑ کر بار بار
منھ اٹھاکر سوئے عرشِ کردگار

آئے گا پھر امرِ درگاہِ خدا
جھوٹے ننگے کو یہ بتلا دو ذرا

کیا توقع ہے تری اے کانِ شر
مڑ کے کیا دیکھے ہے تو خیرہ سر

ہیں ترے کردار تیرے رو برو
بندہ شیطاں کا، خدا آزار تو

پالیا اعمال نامہ اپنا اب
اس پہ بھی فکرِ جزا تجھ کو عجب

بیہودے پھر وجہ کیا تاخیر کی
ایسی چہ اور یہ امیدِ روشنی !

ہے عیاں تونے نہیں کی بندگی
اور نہ ہے نیّت کوئی پوشیدہ بھی

اور نہ راتوں میں مناجات و قیام
اور نہ دن کو تجھ میں پرہیز و صیام

لب نہیں محفوظ غیر آزار سے
اور متلاشی تو عبرت کے لیے

اپنی موت اور نزع بس آگے ہے کیا
مرگِ یاراں کے سوا پیچھے ہے کیا

نے ستم پر توبہ کا تجھ میں خروش
اے تو ہے گندم نما و جو فروش

تھی غلط میزاں تری اے پُردغا
راست ہو کیوں کر ترازوئے جزا

پاؤں غداری میں تیرا ہے گڑھا
نامہ دائیں ہاتھ میں کیوں آئے گا

تو خمیدہ قد، جزا سایہ ترا
پھر یہ لازم ہے کہ ہو سایہ جھکا

سخت جب ایسے خطابات آئیں گے
کوہ بھی جھک کر دوتا ہوجائیں گے

بندہ بھی بولے بیاں سن کر سبھی
اس سے سو گنا زیادہ ہوں ابھی

خود بدی تونے چھپائی حلم سے
تھی سزا معلوم ورنہ علم سے

جہد عمل سے کرکے سب قطعِ نظر
ماورائے دینداری خیر و شر

با نیازِ عاجزانہ ہر کوئی
میں، مجھ ایسے سینکڑوں وہمی سبھی

آس سب کی لطفِ عامہ سے بندھی
ماورائے راستی و سرکشی

بخششِ خالص کا طالب بے عوض
آس باندھے تھا، کریمِ بے غرض

دیکھوں تجھ خالص کرم کو لوٹ کر
پھر نہ ڈالوں اک نظر اعمال پر

تکیہ میرا تھا بس اِس امید پر
کی عنایت اس نے ہستی پیشتر

مفت بخشا خلعتِ ہستی مجھے
اعتماد اس پر تھا اوّل روز سے

جب کرے خاطی خطاؤں کا شمار
اس سراپا لطف کو آجائے پیار

بولے لاؤ اے فرشتو میرے پاس
اس کے دل میں میری رحمت کی تھی آس

بے نیازانہ کریں آزاد ہم
مار دیں اس کی خطاؤں پر قلم

لا اُبالی پن اسی کو ہے روا
ہیں جسے نیکی بدی بے فائدہ

آگ اچھی لطف سے بھڑکائیں ہم
تا نہ ہو یہ جرم و ذلّت بیش و کم

شعلہ وہ جس کا بس اک ادنیٰ شرار
پھونک ڈالے جرم و جبر و اختیار

خاک و خیمہ گاہِ انسانی کریں
خار کو گلزارِ روحانی کریں

بھیجیں ہم چرخِ نہم سے کیمیا
کام ہو اعمال کی اصلاح کا

منبعِ انوار کے آگے بھلا
اختیارِ بوالبشر ہے چیز کیا

وہ زباں ہے اس کی ٹکڑا گوشت کا
ٹکڑا چربی آلہ ہے بینائی کا

ہیں سماعت کو دو ٹکڑے ہڈیاں
خوں کی دو بوندیں ہیں مدرک دل کہاں

ایک کیڑا گندگی اس میں بھری کرّ و فر والی وہ ہستی ہے بڑی
کیوں بڑائی اصل تیری ہے منی پوستیں مت بھول ایاز اپنی کبھی

ایاز اور اس کے چپل اور پوستین کے لیے حجرہ رکھنے کا قصہ اور اس کے ساتھیوں کا گمان کرنا کہ اس حجرے میں اس کا خزانہ ہے۔ دروازے کی مضبوطی اور تالے کے بھاری پن اور اس کے وہاں جانے کی وجہ سے

وہ ایاز اک پیکرِ دانائی تھا پوستیں چپل وہاں لٹکا دیا
جاکے خالی گھر میں ہر دن کہتا تھا یہ ہے چپّل سر کو مت اونچے اٹھا
بولے شہ سے ہے الگ اک اس کا گھر ٹھلیا میں رکھا ہے بھر کر سیم و زر
داخلہ کو راہ نہیں دیتا مگر بند رکھتا ہے ہمیشہ اس کا در
شاہ بولا ہے عجب اس میں بڑا مجھ سے پوشیدہ و پنہاں ہوگا کیا
حکم اک سردار کو ایسا دیا نیم شب تو کھول در کمرے میں جا
جو بھی پائے گا تو اس کو لوٹ لا اور سارے ساتھیوں کو تو دِکھا
باوجود اس لطف کے اکرام کے کیوں چھپایا سیم و زر اور کس لیے
وہ جتاتا ہے وفا و عشق و جوش پس وہ ہے گندم نما و جَو فروش
عاشقی ہے جس کو شانِ زندگی کفر ہے اس کے لیے جز بندگی
نیم شب تیس آدمی ہمرہ لیے بولا جاؤں گا تلاشی کے لیے
مشعلیں لیتے ہوئے کچھ پہلواں کمرے کی جانب ہوئے خوش خوش رواں
حکمِ شہ ہے جاکے حجرہ لوٹ لیں سیم و زر کی تھیلیاں اپنی بھریں
کوئی بولا کیا ہے ذکرِ سیم و زر لعل و یاقوت و گہر کی بات کر
خاصِ خاصِ مخزنِ سلطاں وہی بلکہ وہ ہے بادشہ کی جان بھی
ہیچ اس محبوب کے آگے تمام کیا ہے یاقوت و زمرد کا مقام
بدگمانی شاہ کو اس پر نہ تھی امتحاں وہ اس کو تھا اک دل لگی

جانتا تھا گو وہ ہے بے غِش و غِل | وہم سے پھر بھی لرز جاتا ہے دل
اس کے دل دُکھنے کا بھی ڈر تھا اُسے | اور نہ تھا مقصد کہ شرمندہ کرے
نہ کیا وہ گر کیا ہو بھی تو کیا | وہ مرا پیارا، اسے ہے سب روا
ہے کیا محبوب کا، اپنا کیا | دونوں ہم ہیں ایک ہی پردہ ہے کیا
اور پھر کہتا تھا ایسا خوش خصال | ایسی گڑبڑ اس سے ہو صادر محال
وہ ایاز، اس سے یہ ہوگا بھی کہیں! | وہ سمندر ہے کہ تہ اس کی نہیں
سات دریا اس میں قطرے کی مثال | جز و کل سب ایک ذرّے کی مثال
سب کو پاکی اس کے دریا کی عطا | قطرہ قطرہ اس کا میناگر رہا
شاہ وہ شاہوں کا بلکہ شاہ شاز | وجہِ تظرِ بد ہے نام اس کا ایاز
وجہِ غیرت خوش نظر بھی اس کو بد | حسن کی اس کے نہیں ہے کوئی حد
چاہیے منھ ایک جوں کُل آسماں | تا کروں تعریف اس کی میں بیاں
سو دہانِ آسماں بھی پاؤں میں | ہو بیاں کیوں اس کا سارے تنگ ہیں
اس قدر بھی گر نہ کہہ پاؤں گا میں | شیشہ جوں ہوجاؤں گا صد پارہ میں
شیشۂ دل چوں کہ نازک ہے مرا | بہر تسکیں پھاڑتا ہوں صد قبا
تین دن ہر ماہ کے پہلے جانِ من | مجھ پہ غالب رہتا ہے دیوانہ پن
یہ انہی تینوں سے پہلا روز ہے | دن ہے خوش بختی کا نا فیروزہ ہے
عشقِ سلطاں میں جو دل ہے مبتلا | ہوتی ہے اس دن سے اس کی ابتدا

اس بیان میں کہ جو کچھ بیان کیا جائے گا وہ قصہ کا ظاہر ہے اور یہ کہ وہ ظاہر، ظاہر پرستوں کے لائق اور ان کی تصویر کے آئینے کے لائق ہے اور وہ لطافت جو اس قصہ کی حقیقت ہے میری گویائی کو اس کے بیان کرنے سے شرم آتی ہے اور شرمندگی سر اور داڑھی اور قلم کو گم کیے دیتی ہے اور عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے

ذکر محمود اور اوصافِ ایاز | میری وحشت سے ہوا بیرونِ ساز

فیل میرا دیکھا ہندوستاں بخواب — باج کیسا؟ ہوگیا گاؤں خراب
قافیہ اور نظم کیوں ہو دستیاب — ہوگئی جب عافیت کی جڑ خراب
اتنے غم! واحد بھلا کیوں کر جنون — ہیں جنوں جیسے جنوں اوپر جنوں
کنیتوں نے مجھ کو ان جانا کیا — نیستی سے میں نے حاصل کی بقا
اے ایاز الفت میں تیری میں گھلا — ذکر تیرا بس، تو کر ذکر اب مرا
قصہ تیرے عشق کا میں نے کہا — جوں کہانی ہوں تو کر ذکر اب مرا
پڑھ رہا ہے تو بھی خود اے مقتدا — طور میں، موسیٰ ہے تو، اور یہ صدا
کوہ کیا بولے گا وہ بے چارہ ہے — نطق سے بے بہرہ و بے چارہ ہے
فہم کرسکتے ہیں موسیٰ اس کی بات — کوہ خود گم صم ہے اے عالی صفات
کوہ کو بھی علم ہے مقدور بھر — اس میں بھی ہے روحِ تن کا کچھ اثر
تن ہے اضطرلاب بہرِ احتساب — ہے نشانِ روح مثلِ آفتاب
اُس منجم کی نہیں بینائی تیز — چاہیے اس کو اک اضطرلاب ریز
تا بنا لائے وہ اضطرلاب اسے — تا ہو آگہ حالتِ خورشید سے
جاں جو اضطرلاب پر تکیہ کرے — قدرِ مہر و چرخ کیوں کر پاسکے
دیکھا اپنی دید کی حد تک جہاں — ہے جہاں دراصل کیا دیکھا کہاں
مانگ جو ہے سرمہ بہرِ عارفاں — تا ہو دریا آنکھ کی جوئے رواں
ہو جو عقل و ہوش مجھ میں ذرّہ بھی — بات کیوں بے ربط، کیوں دیوانگی
مغز عقل و ہوش سے عاری مرا — پس ہے اس گڑبڑ میں کیا میری خطا
عقل لی جس نے نہ ہی اس کا قصور — مردہ عقلِ عاقلاں اس کے حضور
اے تو حیراں عقل تیری مبتلا — کون ملجا بن ترے امیدوں کا
عقل کیوں جب دے دیا تو نے جنوں — جب سجاوٹ تو نے دے دی حسن کیوں
عشق میں تیرے جنوں مجھ کو بھلا — بول، خوب، اللہ دے، اچھی جزا
بولے عربی یا کہ بولے فارسی — کون پاسکتا ہے باتوں کو تری

اس کی مے قابل ہے کب ہر ہوش کے — حلقہ وہ لائق نہیں ہر گوش کے
مثلِ دیوانہ دوبارہ آ گیا — جا مری جان جلد اک زنجیر لا
لائے گر زنجیر غیرِ زلف یار — توڑ کر رکھ دوں میں زنجیریں ہزار
پا بہ زنجیر عشق سے ہے دل مرا — پھر اثر کیا ہوگا وعظ و پند کا
اس کی نظمِ عشق کا مطلع کہاں — جب نہ ہو مطلع تو پھر مقطع کہاں

چپل اور پوستین کو دیکھنے کی حکمت کیونکہ پس انسان دیکھے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے "فَلۡیَنۡظُرِالۡاِنۡسَانُ مِمَّا خُلِقَ"

پھر شروع کر قصۂ عشقِ ایاز — کیوں کہ ہے دراصل وہ اک گنج راز
جاتا تھا ہر روز کمرے میں چھپے — اپنی چپّل پوستیں کو دیکھنے
کیوں کہ پستی لاتی ہے مستی بڑی — شرم دل سے عقل سر سے جائے گی
اب سے لاکھوں سال پہلے بھی یونہی — نشۂ ہستی نے کی ڈاکہ زنی
بن گیا ابلیس عزازیل اس لیے — مجھ سے افضل ہے صفیؑ یہ کس لیے
میں خود آقا اور آقا زادہ ہوں — سو ہنر میں ماہر اور آمادہ ہوں
میں کسی فن میں کسی سے کم نہ تھا — کیوں رہوں دشمن کی خدمت میں کھڑا
آگ سے میں اور وہ کیچڑ سے بنا — پیشِ آتش رتبہ کیچڑ کا ہے کیا
وہ کہاں تھا ان دنوں میں جب کہ تھا — صدرِ عالم، فخرِ دوراں خود رہا

آیت کریمہ کے بیان میں جنوں کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا "خَلَقَ الۡجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ" قوله تعالیٰ فِی حَقِّ ابلیس عَلَیۡهِ اللّعنة اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهٖ "اوراللہ تعالیٰ کا ابلیس (اس پر لعنت ہو) کے بارے میں بے شے وہ جنوں سے تھا پھر بھاگ نکلا اپنے رب کے حکم سے

شعلہ زن تھی آتشِ جانِ شقی — آتشی تھا باپ جو بیٹا وہی

نے غلط کہتا ہوں ہے قہرِ خدا
پھر سبب بتلاؤں کیا اس کا بھلا

کار بے علت ہے کب وقفِ علل
جاری ساری ہے ازل سے بے دخل

علّتوں سے پاک ہے کارِ خدا
علت و حادث کو گنجائش کجا

اس کی صنعت ہی تو ہے رازِ پدر
پوست جوں صورت ہے مغزِ صنع پر

فندقِ[1] تن عاشقی ہو یار اگر
مغز باہر لائے چھلکا کوٹ کر

دوزخی ہوتا ہے چوں کہ پوست دوست
دمبدم دیتے ہیں اس کو تازہ پوست

مغز و معنی آگ پر فرماں روا
اور ایندھن آگ کو چمڑا ترا

آبجو ہے کوزۂ چوبیں میں گر
آگ اثر کرتی ہے اس کے ظرف پر

جوہر ہیزم ہے حاکم آگ پر
جسمِ چوبیں پر ہے آتش کا اثر

تن کے بدلے تقویت معنی کو دے
تا کہ مالک آگ کا تو بن سکے

چمڑی پر چمڑی بڑھاتے چل دیا
پوست میں جیسے کوئی کیڑا چھپا

پوست ہی ہے آگ کے حق میں غذا
مارے گردن کبر کی قہرِ خدا

ہے تکبر کا سبب یہ تیرا پوست
کبر کی اس وجہ سے دولت ہے دوست

کبر پیدا اصل سے دوری ہو جب
برف ہے سورج کی غفلت کے سبب

پس خبر سورج کی پگھلائے اسے
ہو کے نرم و گرم وہ بہنے لگے

دیکھے جوہر کو بنے تن لالچی
ہوگیا عاشق وہ جب خواری ہوئی

عزت اس دم کافری، خواری ہے دیں
سنگ سالم ہو تو کیوں ہوگا نگیں

تو ہے پتھر اس پہ یہ زعمِ انا
یہ ہے وقتِ تنگ حالی اور فنا

ہے تکبر کی طلب یہ جاہ و مال
یعنی گوبر سے ہے بھٹی کو کمال

یہ دو دایہ پوست کو افزوں کریں
گوشت، چربی، کبر و نخوت سب بھریں

اصل تک کیوں پہنچے لوگوں کی نظر
ہے گمانِ مغز ان کو پوست پر

پیشوا ابلیس ہے اس راہ کا
وہ کہ خود تھا صید دامِ جاہ کا

1۔ فُندق = ایک پھل

مال جیسے سانپ عزت اژدہا — ہے زمرّد ان کو سایہ مرد کا
خیرہ کرتا ہے زمرّد چشمِ مار — بے خطر رہرو کے حق میں رہ گزار
راہ میں کانٹے بچھائے وہ رئیس — اور مجروح بھیجے لعنت بر بلیس
اس کی غداری سے ہے سب غم مجھے — پیشوا اس رہ میں وہ سب کے لیے
اس کے بعد آئیں گئیں صدیاں کئی — پیروی کرتے چلے اس کی سبھی
سنتِ بد کی کرے جو ابتدا — جب تلک اس پر چلے خلقِ خدا
جمع ہوں گے اس کے حق میں سب گنہ — پیشوا وہ پیرو ہر اک دوسرا
بوالبشرؑ لائیں گے چپّل ، پوستیں — اپنی اصلیت کے ہمرہ، ماء و طیں
اپنی اصلیت نہ بھولا جب ایاز — پایا نیک انجام ٹھہرا سرفراز
نیستی کا بھی تو ہے خالق خدا — ہے وجودِ خلق غیر از نیست کیا
کیا نوشتہ پر بھی لکھتا ہے کوئی؟ — کاشت پر پودے لگایا ہے کوئی؟
سادہ کاغذ مانگے لکھنے کے لیے — ہو جگہ خالی تو بونا چاہیے
بھائی بن جا کھیت بن بویا ہوا — کورا کاغذ بن نہ ہو جس پر لکھا
ہو مشرف تا کہ از نون و القلم — بیج بوئے تا کہ تجھ میں ذوالکرم
لذتِ فالودہ سے خود کو بچا — دیکھے بھی مطبخ سے ان دیکھا ہی جا
مست کردے گا یہ فالودہ تجھے — پوستیں چپّل بھلا دے گا ترے
مرتے دم تو نالہ و آہیں کرے — دلق، چپّل تب تجھے یاد آئیں گے
تا نہ ہو تو غرقِ امواجِ بلا — جب نہ ہو بچنے کا کوئی راستہ
بھول جائے ناؤ تو سچائی کی — اور نہ دیکھے پوستیں چپّل تری
ہوگا تو جس وقت غرقابِ بلا — بولے خود پر ظلم میں نے ہی کیا
دیو بولے دیکھنا اس خام کو — ذبح کردو مرغِ بے ہنگام کو
پاک اس خصلت سے خوب عقلِ ایاز — تا میسر ہو نمازِ بے نیاز
آسمانی مرغ وہ پہلے سے ہی — نعرہ ہے ہر وقت اس کا ہر کبھی

اس معنی کے بیان میں کہ ہمیں چیزوں کو ایسا دکھا جیسی وہ ہیں "اَرِنَا الْاَ شْیَا کَمَا ھِیَ"
اس کے معنی کہ اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو اور اس بت کے معنی:

در کہ ہر تو ازدیدۂ بدمی نگری   از چیزۂ وجودِ خود می نگری
جس شخص کو تو بدنظری سے دیکھے   اپنی نظرِ بد نگراں سے دیکھے

اور اس مصرع کے بیان میں:

''ٹیڑھا قد ڈالے گا ٹیڑھا سایہ''

بانگ سیکھو اس سے اے مرغو! ذرا   بانگ ہوتی ہے فقط بہرِ خدا
صبحِ کاذب اس کو گر دے گی دغا   جس کو ہو علم اپنے خوب و زشت کا
عقلِ ناقص رکھتے ہیں اہلِ جہاں   صبح صادق کا انھیں اس پر گماں
صبح کاذب نے ڈبوئے کارواں   باہر آئے دن کے دھوکے میں جہاں
اے کہ تیرا صبح کاذب پر مدار   صبح صادق کو نہ کاذب کر شمار
گر نفاقِ بد نہ دے تجھ کو اماں   ہے خود اپنے بھائی سے کیوں بدگماں
بدگماں ہوتے جو ہوں بد شعار   تھوپتے ہیں یار کے سر اپنے کار
وہ کمینے خود غلط کار آپ ہی   ان کو نبیوں پر گمانِ ساحری
وہ کمینے مالدار و قلب ساز   بدظنی تھی ان کو در بابِ ایاز
کہ ہے اس کے گھر دفینۂ سیم و زر   آئینہ میں اپنا منھ، عیبِ دگر
جانتا تھا شاہ اس کی پاکی کو   پر کرائی ان کی خاطر جستجو
اے امیرو! کھولو اس کے گھر کا در   نصف شب اس کو نہ ہوگی کچھ خبر
تا ہوں ظاہر اس کی سب چالاکیاں   پھر سزا پائے گا وہ اپنے یہاں
پھر تمھیں دے دوں گا سارا مال و زر   چاہیے مجھ کو فقط اس کی خبر
دل گیا قابو سے یہ کہتے ہوئے   اس ایازِ مردِ یکتا کے لیے

یہ جو سب میری زباں پر آ گیا
وہ جو سن لے تو غضب ہو جائے گا

دین کی کھا کر قسم کہنے لگا
یہ کہ رتبہ اس کا ہے اس سے سوا

خستہ دل ہوگا مری بدگوئی سے
علم کیوں ہو میری غایت کا اسے

غم کی تاویلیں جو دیکھے مبتلا
فتح پائے منھ نہ دیکھے مات کا

صاحبِ تاویل ہے صابر ایاز
دیکھنا ہے عاقبت ناظر ایاز

دیکھتے ہیں خواب جو یہ قیدیاں
مثلِ یوسفؑ ان پہ ہے تعبیر عیاں

خواب جب اپنا نہ سمجھے مردِ خیر
کس طرح سمجھے وہ سرِّ خوابِ غیر

زخم صدہا تیغ کے وہ کھائے بھی
مجھ سے دوری وہ نہ چاہے گا کبھی

وہ یہ سمجھے تیغ خود مجھ پر چلی
درحقیقت وہ ہے میں اور میں وہی

حقیقت کے اعتبار سے عاشق اور معشوق کے اتحاد کے بیان میں اگرچہ وہ اس اعتبار سے متضاد ہیں کہ نیاز بے نیازی کی ضد ہے جیسا کہ آئینہ بغیر صورت کا سادہ ہے اور صورت کا ہونا صورت کی ضد ہے لیکن درحقیقت ان میں ایسا اتحاد ہے جس کی شرح دراز ہے اور عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے

دیر تک سہتے جدائی کا عذاب
قیس کی آخر ہوئی صحت خراب

خون کھولا بڑھ گیا جب اشتیاق
ہوگیا مجنوں کو آزارِ خناق[1]

چارہ گر بھی آ گیا بہرِ دوا
فیصلہ نشتر لگانے کا ہوا

دفعِ خوں ہے مقصدِ نشتر زنی
آ گیا فوراً وہاں فساد بھی

بازو باندھا اور تھاما آگے سے
عشق کا مارا لگا ہے چیخنے

بولا لے لے اپنی مزدوری تو جا
گر مروں تو بول گھٹیا تن گیا

پوچھا آخر فصد سے کیوں ڈر تجھے
تو ہے جب بے خوف شیر بیشہ سے

1۔ خناق= گلے کی بیماری

ریچھ، شیر، اکثر درندے بھیڑیے
رات بھر پھیرے لگاتے ہیں ترے

تجھ سے وہ پاتے نہیں بوئے بشر
عشق کی حدت سے بے قابو جگر

گرگ، شیر اور ریچھ جانے عشق کو
کتّے سے کمتر نہ جانے عشق جو

گر نہ ہوتی عشق کی رگ کتّے کو
قلبِ اہل اللہ میں گھر کیوں کرتا وہ

جنسِ خود میں بوئے دل پایا نہ تو
پائے گرگ ومیش میں کیوں اس کی بُو

عشق بن ہوتی کہاں ہستی کوئی
تو نہ ہوتا اور نہ ہی روٹی تری

عشق اور خواہش سے تیری جاں بنی
ورنہ تو ہوتا نہ روٹی ہی تری

مردہ روٹی عشق سے پاتی ہے جاں
جانِ فانی اس سے جان جاوداں

بولا مجنوں کب میں سوزن سے ڈرا
صبر میرا سخت پتھر سے سوا

زخم چاہوں زخم میں آرام ہے
میں ہوں عاشق زخم ہی سے کام ہے

مجھ میں لیلیٰ کی سمائی ہے مگر
اس صدف میں اس گہر کا سب اثر

ڈر ہے مجھ کو فصد لے فصّاد اگر
ہو نہ جائے اس سے لیلیٰ کو ضرر

عقلِ روشن دل ہی جانے گی اسے
یہ وجود اپنا مجھے لیلیٰ لگے

کون لیلیٰ کون میں دونوں وہی
ہم دو روحیں ہیں بدن ہے ایک ہی

ایک معشوقہ نے عاشق سے دریافت کیا تو اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے مجھے۔اس نے کہا میں اپنے اعتبار سے مردہ ہوں اور تیرے ذریعہ زندہ ہوں اپنے آپ سے اور اپنی صفات کے اعتبار سے معدوم ہو گیا ہوں اور تیرے ذریعہ سے موجود ہوا ہوں، میں نے اپنا علم بھلا دیا ہے اور تیرے علم کے ذریعہ عالم بن گیا ہوں، میں نے اپنی قدرت کو برباد کر دیا ہے اور تیری قدرت کے ذریعہ صاحبِ قدرت ہو گیا ہوں۔اگر اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں تو تجھے دوست رکھتا ہوں تجھے دوست رکھتا ہوں تو اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں:

وہ کہ آئینۂ یقیں ہے جسے
اپنے دیدار میں خدا ہے اُسے

تیری مخلوق کی طرف میری صفات میں نکل جس نے تجھے دیکھا تو بیشک اس نے مجھے دیکھا اور جس نے تیرا قصد کیا اس نے میرا قصد کیا اور جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور اسی پر قیاس کر لے

پوچھا یار عاشق سے بہرِ امتحاں — صبح دم تو اے فلاں ابنِ فلاں
دوست تر رکھتا ہے مجھ کو اے عجب — یا کہ خود کو بول اے مغموم اب
بولا تجھ میں ہوگیا ایسا فنا — تجھ سے ہوں میں راز از سر تا بپا
کیا ہے میری بود میں اک نام بس — تو ہی اس پیکر میں ہے خوش کام بس
اس قدر فانی ہوں میں، اب میرا حال — شہد کے دریا میں سرکہ کی مثال
جس طرح پتھر کا ہونا لعلِ ناب — جذب کرنا خود میں خوئے آفتاب
کر کے زائل وصف سنگی اپنے وہ — بنتا ہے خورشید تاباں ہو بہو
دوست اگر رکھتا ہے خود کو بعد ازاں — دوست ہے خورشید کا وہ اے جواں
گر رکھے وہ دوست سورج کو بجاں — دوست اپنے آپ کا وہ بے گماں
خواہ خود کا دوست ہو وہ لعلِ ناب — یا کہ بن جائے وہ یارِ آفتاب
دوستی یہ ہو کہ وہ ہو دوستی — ہر دو جانب روشنی ہی روشنی
دشمنِ خود ہو نہ ہو گر لعل سا — اک نہیں چوں کہ ہیں اس میں دو انا
سنگ ظلمت ہے سبھی اے باشعور — اور ظلمت ہوتی ہے برعکسِ نور
دوست رکھے خود کو جو کافر ہوا — چوں کہ وہ منکر رہا خورشید کا
سنگ کو زیبا کہاں ہوگی انا — وہ جو ہے تاریک ہے غرقِ فنا
بول کر فرعون انا رسوا ہوا — اور اونچا اس سے سر حلاج کا
اُس انا پر لعنتوں کی بارشیں — اِس انا پر رحمتوں کی بارشیں
وہ نہ تھا یاقوت، تھا سنگِ سیاہ — وہ نہ تھا عاشق عدوِ نور تھا
یہ انا دراصل ہے ہو اے فضول — اتحادِ نور ہے نے وہ حلول

جہد کر تیری قساوت تا گھٹے — لعل سے پتھر ترا محکم بنے
صبر کر وقت مشقت و معرکہ — نیستی میں ڈھونڈ تو اپنی بقا
پس سقاوت لحظہ لحظہ ہوگی کم — ہوں گے محکم وصفِ لعلی دم بدم
محو ہوتے جائیں ہستی کے نشاں — اور بڑھے باطن میں مستی ہر زماں
کان بن جا تو سماعت کے لیے — تا وہ تیرے کان کا حلقہ بنے
مرد ہو تو خاک تک سے دے نکال — تا تو پائے چشمۂ آبِ زلال
گر خدا چاہے تو یہ آبِ معیں — بن کیے اک چہ جوش کھائے از زمیں
کام میں مشغول رہ کاہل نہ بن — خاک تھوڑی تھوڑی کھودے چاہ کن
سن مری کر کام اور پانی چلا — تھوڑی تھوڑی خاک اور مٹی ہٹا
جو اٹھائے رنج، گنجینہ اسے — جو کرے کوشش اسے حصہ ملے
بولے آقاؐ سے رکوع و سجدہ کیا — کھٹکھٹانا ہے درِ حاجت روا
جو کوئی بھی کھٹکھٹائے اس کا در — اس کی خاطر خاک اگلے گنجِ زر

ان چغل خور امیروں کا مع سپاہیوں کے آدھی رات کو آنا اور ایاز کا حجرہ کھولنا، چپل اور پوستین کو لٹکا ہوا دیکھنا اور خیال کرنا کہ یہ مکاری اور آڑ ہے اور گھر کے ہر اس گوشہ کو کھودنا جس کا انھیں خیال آیا اور کنواں کھودنے والوں کو لانا اور دیواروں میں سوراخ کرنا اور کسی چیز کو نہ پانا اور شرمندہ و ناامید ہونا، جیسا کہ انبیا اور اولیا کے معاملے میں بدگمان اور سوچنے والوں کو جو کہتے تھے کہ جادوگر ہیں اور اپنے آپ کو بنائے ہوئے ہیں اور بڑائی چاہتے ہیں۔ جستجو کے بعد ان کا شرمندہ ہونا مفید نہیں ہے

در پہ حجرہ کے وہ سردار آ گئے — سونے اور چاندی کی ٹھلیا کے لیے
قفل دروازے کا کھولے حرص سے — چند لوگ اور عقل دنیا بھر کی لے
قفل اک مضبوط تھا اس پر لگا — منتخب دشوار تالوں سے جو تھا

اس کا باعث حرصِ مال و زر نہ تھا
راز کو رکھنا تھا اوروں سے چھپا

جس سے ہوں گے لوگ بعضے بدگماں
اور کریں گے بعض بدنامِ جہاں

فاش ہے اہلِ ہمم پر رازِ جاں
اور خسوں سے جیسے لعل کاں نہاں

زر ہے بہتر جاں سے پیشِ ابلہاں
اور وہ صدقہ جان کا پیشِ شہاں

لے چلی ان کو بھگا کر حرصِ زر
عقل کہتی تھی نہیں آہستہ تر

حرص دوڑے مفت میں سوئے سراب
عقل چونکائے نہیں وہ دیکھ آب

زر بنا جاں حرص جب غالب ہوئی
اور آواز عقل کی گم ہوگئی

بڑھ کے شور حرص سوگنا ہوا
زور دانائی کا دب کر رہ گیا

جا تکبر کے کنویں میں گر پڑے
تا کہ حکمت کی ملامت نہ سنے

زعم ٹوٹا دام میں جب پھنس گیا
غالب اس پر نفسِ لوامہ ہوا

تا نہ کھائے ٹکّر اس آفت سے سر
سنتا کیا آواز دل باگوش کر

بچے سب حلوے شکر کے لالچی
پند دانا کی نہیں سنتے کبھی

درد دنبل کا ہوا آغاز جب
پند سننے کو کھلے دوکان تب

آئے حجرے کو وہ باحرص و ہوس
کھولے دروازے کو اس دم چند کس

گھس پڑے سب ایک ساتھ اندر وہاں
جوں سڑی چھاچھ اس میں کیڑے مکھیاں

عاشقانہ آ پڑے باکرّ و فرّ
نوش کیا کرتے چپک جائیں جو پر

چار سو ڈھونڈے مگر پائے وہاں
پوستیں ایک اور پھٹی دو جوتیاں

بولے گھر یہ شہد سے خالی نہیں
پس چھپانے کو ہیں چپل پوستیں

چاہئیں ہم کو سلاخیں نوکدار
جانچنے کو نالیاں رخنے و غار

لیتے تھے ہر سو تلاشی کھود کر
گھر کے اندر سب بنا ڈالے کھنڈر

دی صدا غاروں نے ان کو اس زماں
ہم ہیں خالی کچھ نہیں اندر یہاں

بدگمانی سے وہ سب شرمندہ تھے
خندقوں کو پاٹنے میں لگ گئے

چھید پھر دیواروں میں کرنے لگے
یونہی اپنے جہل میں اندھے بنے

پڑھتے تھے لاحول دل ہی دل میں سب
حرص لا حاصل رہی ہے ان کی جب

ان کی گمراہی و بیجا جہد کے
روزن و دیوار شا کی بن گئے

لیپ ناممکن جو تھی دیوار کی
پس نہ تھی صورت کوئی انکار کی

عذر منوانے نہ تھی کوئی جگہ
صحن اور دیوار تھے دونوں گوا

شب پریشاں عذر کی صورت ہو کیا
تا کہ اُس گرداب سے ہوویں رہا

لب چباتے تھے و فرطِ یاس میں
پیٹتے تھے اپنا سر جوں عورتیں

پھر چلے واپس وہ سوئے شہریار
چہرہ گرد آلودہ، زرد و شرمسار

چغل خوروں کا ایاز کے حجرے سے بادشاہ کی طرف خالی توبرہ اور شرمندہ ہوکر واپس ہونا جیسا کہ انبیا علیہم السلام سے بدگمانی کرنے والے ان کی برأت اور پا کی کے ظاہر ہو جانے کے وقت کہ اس دن جب کہ کچھ چہرے سفید اور کچھ چہرے کالے ہوجائیں گے "یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَ تَسْوَدُّ وُجُوْہٌ" اوراللہ تعالیٰ کا قول قیامت کے لیے اور تو دیکھے گا ان لوگوں کو جنھوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا ان کے چہرے کالے ہوں گے

شہ نے قصداً پرسشِ احوال کی
کیوں ہیں زر سے اپنی ہمیاں یہ تہی

دمڑیاں دینار رکھے ہوئے نہاں
وہ چمک چہرے کی وہ خوشیاں کہاں

گو شجر رکھتے ہیں جڑ اپنی نہاں
سبز پتّے ان کے رخ پر ہیں عیاں

ہیں جڑیں حالاں کہ بے برگ وثمر
برگ ہائے سبز ہیں اشجار پر

خاک میں جڑ اور بند اس کی زباں
ہاتھ پیر اس کے ہیں شاخوں میں عیاں

آئے پھر جملہ امیراں عذر خواہ
مثلِ سایہ سجدہ کرتے پیشِ ماہ

زعم و شیخی کے سبب سب عذر خواہ
آئے با تیغ و کفن وہ پیشِ شاہ

شرم سے آئے چباتے انگلیاں
کہہ رہا تھا ہر کوئی شاہِ جہاں

گر بہائے خوں ہمارا ہے روا — ورنہ بخشش ہے سب انعام و عطا
جو تھا ہم کو سزا ہم نے کیا — شاہِ والا تم کو لائق فیصلہ
جرم گر بخشے بجا اے دلفروز — ہوگا یوں جوں شب ہے شب اور روز
عفو ہو تو ہو رہائی یاس سے — ورنہ سو جانیں ہیں صدقے شاہ کے
شاہ بولے دے سزا و یا جزا — قادر اس پر ہے ایاز، اس کو سزا

بادشاہ کا چغل خوروں اور حجرہ کھودنے والوں کی توبہ کو قبول نہ کرنا اور سزا دینا اور ان کو تنبیہ کرنا، ایاز کے سپرد کرنا کیوں کہ یہ زیادتی اس کی آبرو پر ہوئی تو اس کا عذر وہ قبول کرے

زد پہ ان کے وہ اور اس کی آبرو — زخم خوردہ وہ سراپا نیک خو
دونوں ہم ایک ہی بجا از روئے جاں — ہیں بظاہر ہر دور در سود و زیاں
بندے پر تہمت سے شہ کو عار کیا — حلم اور پشتی بڑھانے کے سوا
شہ نہیں غافل کسی کے کام سے — حلم آڑے آتا ہے اظہار کے
کون ہے اس کی شفاعت کے لیے — لا اُبالی پن کے اس کے حلم کے
حلم حق سے ہوتے ہیں صادر گناہ — ورنہ ہمت کس کو عصیاں کی بھلا
جرمِ قتلِ نفس میں جوں خوں بہا — حلم سے قاتل کے خوشیوں پر روا
مست و بےخود نفس اس کے حلم سے — دیو بھی مستی میں ٹوپی لے چلے
حلم ساقی گر نہ ہوتا بادہ ریز — دیو آدم سے کہاں کرتا ستیز
چوں کہ جنت میں شرابِ حلم پی — دادِ شیطاں سے ہوئی شرمندگی
پائی تعلیم اس نے جو اللہ سے — زیرکی، چستی بھی حاصل تھی اسے
نشۂ افیونِ حلمِ سخت سے — چور پہنچا مال اڑانے کے لیے
عقل آئی جستجو میں حلم کی — بولی ساقی دستگیری کر مری

بادشاہ کا ایاز سے فرمانا کہ بدلے اور معاف کرنے میں سے جو بھی پسند کرے اختیار کر کیونکہ انصاف اور مہربانی میں سے جو بھی کرے گا اس مقام پر درست ہے اور ہر ایک میں مصلحتیں ہیں اس لیے کہ ہر انصاف میں ہزاروں مہربانیاں درج ہیں اور تمھارے لیے بدلہ لینے میں زندگی ہے جو شخص بدلہ لینے کو ناپسند کرتا ہے اس میں قاتل کی ایک زندگی پر نظر کرتا ہے اور ان لاکھوں زندگیوں کو جو سزا کے خوف کے قلعے میں محفوظ اور مامون ہوں گی نہیں دیکھتا ہے

مجرموں کا فیصلہ کر اے ایاز — تو کہ ہے پرہیز گار و پاکباز
یوں تو دیتا ہوں میں ترغیبِ عمل — جوش میں تیرے نہیں پاتا دغل
امتحاں سے لوگ خائف بے شمار — لوگ تجھ کو جانچنے سے شرمسار
بولا وہ جو کچھ بھی ہے تیری عطا — میرے چپّل پوستیں بس اور کیا
اس لیے فرمائے پیغمبرؐ صریح — خود شناسی حق شناسی ہے صحیح
نطفہ ہے چپل تو خوں ہے پوستیں — یہ عطا سب ہے اسی کی بالیقیں
اس لیے تو کر طلب کچھ اور بھی — یہ نہ کہنا ہے عطا اس کی یہی
سیب دکھلاتا ہے اک دو باغباں — تا تو جانے باغ میں کیا ہے وہاں
مشتِ گندم دیتے ہیں گاہک کو گر — اس کا مطلب ہے کہ ہے انبار ادھر
شرح تھوڑی سی کرے استاد اگر — تا کرے اس کو زیادہ سوچ کر
تو اگر بولے مجھے اتنا ہی بس — پھینک دے گا دور تجھ کو مثلِ خس
اے تو آجا اور ابھی، انصاف کر — رکھ انوکھی داد کی بنیاد اِدھر
گو ترے مجرم ہیں لائق قتل کے — طمع بخشش کی ہے تیرے حلم سے
دیکھیں غالب ہوگی رحمت یا غضب — کون فاتح ہوگا کوثر یا لہب
دونوں ہیں مرغوب انساں کے لیے — صبر بھی غصہ بھی اول روز سے
ہے 'الست' اک لفظ معنی دو عیاں — لفظ 'نہ' سے متصل ہے لفظ 'ہاں'
پوچھنا یہ ہے نشاں اثبات کا — پھر بھی اندر ہے نفی کا شائبہ

بس کر اب یہ قصہ ناقص ہی رہے　　جام خاصاں پیش عاماں رکھ نہ دے
لطف و قہر اس کے صبا ہیں یا وبا　　اک مقناطیس، دیگر کہربا
راستی سچوں کو ہے حق کی عطا　　اہلِ باطل کو ہے باطل میں مزا
معدۂ حلوائی کو حلوا ملے　　معدۂ صفرائی کو سرکہ ملے
گرم بستر لے گا ٹھنڈک اور کی　　سرد بستر گرمی کھاجائے سبھی
دوست دیکھے ہوگا از خود مہرباں　　دیکھے دشمن تو دکائے قہروماں
نور دیکھے روشنی ہوگی عیاں　　لائے ظلمت نار، یا لائے دھواں
دوست دشمن، نور و نار و فخر عار　　خار و گل یا گرم و سرد و تخت و دار
شادی و غم تانا بانا، مور و مار　　کر ہر اک کو جنس میں اس کی شمار

بادشاہ کا ایاز کو جلدی کرنے کا حکم دینا کہ جلد اس حکم کا فیصلہ کر دے اور منتظر نہ رکھے اور ہمارے پاس بہت وقت ہے نہ کہہ کیوں کہ انتظار سرخ موت ہے اور ایاز کا بادشاہ کو جواب دینا اور اس سے معذوری ظاہر کرنا

اے ایاز اس میں تو جلدی کر ذرا　　انتظاری بدلہ ہے اک قسم کا
بولا اے شہ حکم ہے تجھ کو سزا　　سامنے سورج کے تارے ہیں فنا
زہرہ کس کا؟ کیا عطارد کیا شہاب　　تا چمک دکھلائیں پیشِ آفتاب
گر بھلاتا اپنی دلق و پوستیں　　بیج میں دھتکار کا بوتا وہیں
حجرے کو تالا لگاتا میں کہاں　　جب کہ ہوں سو حاسدوں کے درمیاں
ڈوبے ہوں جب ہاتھ اندر آب جو　　سوکھا ڈھیلا چاہیے ہر ایک کو
ڈھیلا پانی میں ہو کیوں سوکھا بھلا؟　　مچھلی کا پانی میں رہنا ہے خطا؟
بدگمانی مرد مسکیں پر ہے بار　　ہے وفاداری بھی مجھ سے شرمسار
گر نہ بیگانوں سے ہوتا واسطہ　　عرض کر تا کچھ تو دربابِ وفا
لوگ ہیں مشکل پسند و بدگماں　　پوست سے باہر کا کرتا ہوں بیاں

خود شکن بن مغز ہاتھ آئے ترے — اور عمدہ مغز کی باتیں سنے
پوست سے اخروٹ کا شور و وغا — مغز و روغن ہو جو آگے شبہ کیا
وہ صدا ہے کانوں کے قابل کہاں — وہ ہے گوشِ ہوش کے اندر نہاں
مغز کی آواز خوش ہوتی نہ گر — کھڑکھراہٹ پوست کی پاتے کدھر
پوست کی کھڑ کھڑ گوارا ہے تجھے — تا کہ لذت یاب ہو تو مغز سے
چند لمحے رہ ذرا بے گوش و لب — شہد سے محفوظ ہوجائے گا تب
کب تلک یہ نظم و نثر، افشائے راز — آزما اک روز لب کو کر نہ باز
بس یہ کھارا، تلخ و تیز اور شور سب — اک ذرا میٹھا بھی کر تیار اب
کب تلک میٹھا، مرغن ہر غذا — روزے بھی رکھ آزما بھی لے ذرا
کب تلک یہ خوابِ شیریں کے مزے — جاگ اک شب دولتِ بیدار لے
اک زمانہ بس تمسخر میں گیا — مستعد بن اور کوشش کر ذرا

اس بات کو واضح کرنے کے لیے ایک حکایت کو اتنے ہم نے گفتگو کو آزمایا کچھ مدت تک خاموشی کے صبر کو بھی ہم آزماتے ہیں

جس کے ہاتھ آیا زراہِ انتباہ — نامہ ہاتھ آیا گناہوں کا سیاہ
جیسے خطِّ تعزیت عنواں سیاہ — پُر معاصی اس کا متن و حاشیہ
فسق اور بدکاریوں سے تھا بھرا — کفر سے معمور دارالحرب تھا
اس قدر ناپاک اتنا پُر وبال — پہنچا بائیں ہاتھ میں وجہِ ملال
دیکھ اپنا نامۂ اعمال آ ! — دائیں بائیں کس طرف آیا بتا
بایاں موزہ بایاں جوتا رہ گیا اندر دکاں — بایاں سب معلوم پیش از امتحاں
گر نہیں دایاں تو تو بایاں بجا — شیر اور بندر کے نعرے ہیں جدا
وہ جو گُل کو خوبی و خوش باس دے — فضل سے الٹے کو بھی سیدھا کرے
الٹے کو سیدھا بناتا ہے وہی — دیتا ہے پانی وہی دریا کو بھی

گر ہے الٹا سیدھا ہو جا اس کے ہاں — تا کہ دیکھے جوشِ لطفِ مہرباں
اے عجب یہ دفترِ بد تجھ کو بھائے — بائیں کو چھوڑ اب جو سیدھے ہاتھ آئے
ایسا نامہ سر بسر ظلم و جفا — کب ہے دستِ راست کے قابل بھلا

زاہداور غیرت مند بیوی اور زاہد کا لونڈی کے ساتھ ہم بستری کرنا ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص ایسی بات کہے کہ اس کی حالت اس بات کے مناسب اور وہ بات اس کے دعوے کے مناسب نہ ہو۔ جیسا کہ کفار اگر تو ان سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پتھر کے بت کی خدمت کرنا اور جان و مال کو اس پر قربان کرنا کیا مناسب ہوگا اس جان کے لیے جو جانتی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا سمیع و بصیر اور نگہبان غالب اور غیرت مند خدا ہے

تھی کسی زاہد کی بیوی جیسے حور — رشک اس پر کرنے والی اور غیور
خادمہ تھی خوبرو اس کی بڑی — مرد کے دل میں تھی آگ اس سے لگی
زن نگہباں اپنے شوہر کی جو تھی — دونوں کو باہم نہ ہونے دی کبھی
زن نگہبانی میں تھی ہر دونوں کی — تا نہ پائیں موقع خلوت کا کبھی
آخرش آہی گیا حکمِ خدا — کر گئی عقل اس نگہباں کی خطا
ہو جو ناگہ حکمِ تقدیرِ خدا — عقل کیا خود چاند گہنا جائے گا
بیوی تھی حمام میں اور ناگہاں — گھر میں تھا طشت اس کو یاد آیا وہاں
بولی باندی سے تو فوراً جا وہاں — اور سیمیں طشت لا گھر سے یہاں
ہوگئی وہ تازہ جاں جب یہ سنی — کہ وہ اب آقا کی قربت پائے گی
گھر میں مالک ہے اکیلا اس گھڑی — دوڑی فوراً گھر کو وہ باصد خوشی
منتظر تھی اس کی وہ چھ سال سے — خواجہ سے تا اس طرح تنہا ملے
گھر کی جانب پھاندتی نکلی تبھی — عین تنہائی میں خواجہ سے ملی
دونوں عاشق غرقِ شہوت ہوگئے — بند دروازے کو کرنے سے رہے

باخوشی اک دوسرے میں گھس پڑے
جڑ گئی جاں جان سے وہ جوں ہی ملے

بیوی فوراً چونکی اپنی بھول سے
بولی گھر کو کس لیے بھیجی اسے

میں نے خود رکھ دی ہے روئی آگ پر
بھیڑ پر خود ہی چڑھایا میش نر

سر سے مٹی دھو کے دوڑے زود تر
جاتی تھی چادر گھسیٹے راہ پر

وہ چلی تھی عشق سے، وہ خوف سے
کب ہیں عشق اور خوف دونوں ایک سے

سیرِ عارف لمحہ بھر میں تا بہ شاہ
سیرِ زاہد ماہ میں اک روزہ راہ

گو کرے دن کو بڑا زاہد شمار
اس کا دن کیا اور کہاں وہ پنج ہزار

دن بسر کرتا ہے جو اک مردِ کار
قدر اس کی جوں برس پنجاہ ہزار

عقل تو اس راز سے ہے بے خبر
وہم کا پھٹ جائے پتہ کیا ہے ڈر

عاشقی میں ڈر نہیں ہے بال بھر
یہ ہے قربانی کا مسلک سر بسر

عشق ہے وصفِ خدا لیکن یہ ڈر
ہے ز وصفِ بندۂ شہوات و خور

تو یُحِبُّوْنَہٗ پڑھے گا جب کبھی
پڑھ یُحِبُّوْ ھُمْ بھی اس کے ساتھ ہی

ہے محبت وصفِ حق بھی عشق بھی
ڈر نہیں عادت مگر اللہ کی

وصفِ حق کیا وصفِ مشتِ خاک کیا
وصف حادث کیا و وصف پاک کیا

گر بیانِ عشق بولوں میں مدام
حشر سو ہوں بھی رہے وہ ناتمام

حد ہے تاریخِ قیامت کی بجا
حد میں کیونکر بند ہو وصفِ خدا

پانسو پر عشق کے ان میں ہر اک
طول کیا، تحت الثریٰ سے عرش تک

زاہدِ پُر ترس دوڑے پاؤں سے
اور برق و باد پر عاشق اڑے

کیا مجالِ برق اور باد اے پسر
کیوں کہ کھولے اس نے راہِ حق میں پر

ڈرنے والے پائیں گے کیا گردِ عشق
روندتا ہے آسماں کو دردِ عشق

ہاں جو ہوجائے کسی پر فیضِ نور
ہوگا رسم و راہِ دنیا سے وہ دور

اپنے زعم و زیب سے تو باز آ
پاسکے تا نزد شہ شہباز جا

زعم و زینت کیا ہے جبر و اختیار
اور ان دونوں سے بالا جذبِ یار

بیوی کا گھر میں پہنچ جانا اور زاہد کا لونڈی سے علیحدہ ہوجانا اور رسوا ہونا

آئی زن گھر کو کیا دروازہ وا — پہنچی فوراً ان کے کانوں میں صدا

کھو کے سدھ بدھ بھاگی ہے لونڈی وہ زود — مرد کودا ہوگیا وقف سجود

وہ کنیزک تھی پریشاں اور تھی — سرکش و حیرت کی ماری بے تکی

مرد کو دیکھی تھا مشغولِ نماز — پڑ گئی شک میں کہ وہ تھا پُر نیاز

مرد کا دامن اٹھائی بے خطر — دیکھا اس کا تن تھا ناپاکی میں تر

جسم سے ٹپکی وہیں باقی منی — تھی پلیدی ران اور زانو پہ بھی

ماری دھپہ سر پہ بولی بدخصال — تو نمازی اور پاکی کا یہ حال

لائق ذکر و عبادت ہیں کہاں — شرم گہ اس درجہ گندی، گندی ران

نامہ ظلم و فسق سے پُر کفر و کیں — ہوگا دستِ راست کے قابل کہیں

پوچھے گر کافر سے بھی یہ آسماں — کس نے ڈھالا ہے، بنایا ہے جہاں

بولے ان سب کو بنایا ہے خدا — ہے خدائی اس کی خلقت پر گوا

پھر یہ کفر، ایسا ستم، ایسی جفا — بعد اس اقرار کے کب ہے روا

کب ہے لائق ساتھ اس اقرار کے — ایسی رسوائی، عمل ایسے برے

قول کو افعال نے جھٹلا دیا — کہ عذاب و ہول کے لائق ہوا

جھوٹ سر سے پاؤں تک ثابت ہوا — شرح اس کی ہے مقام افسوس کا

بھید محشر میں ہر اک کھل جائے گا — ہوگا رسوا جس کسی نے کی خطا

دست و پا دیں گے گواہی صاف صاف — پیشِ حق جو بھی کیا اس نے خلاف

ہاتھ بولے میں نے چوری ایسی کی — بولیں لب بوسے لیے یوں ہم نے بھی

پاؤں بولے ہاں گیا قصداً گیا — شرم گہ بولے زِنا میں نے کیا

آنکھ بولے گی کیا غمزہ حرام — کان بولے ہاں سنا وہ بدکلام

جھوٹ سر سے پاؤں تک ظاہر ہوا — دی جو اعضا نے گواہی برملا

یوں نمازِ با فروغ اس کی جو تھی — تن کی ناپاکی سے باطل ہوگئی
پس عمل کر یوں کہ بے شرح و بیاں — اور گواہی کے بنا بھی ہو عیاں
تا کہ ہر اک عضو تیرے جسم کا — نفع و نقصاں پر ترے ٹھہرے گوا
سوئے آقا بندے کا جانا گوا — کہ ہوں میں محکوم وہ آقا مرا
عمر بھر تونے کیا نامہ سیہ — توبہ کر اس سے جو کچھ پہلے کیا
عمر گزری جوں کی توں ہے جڑ مگر — توبہ کے پانی سے جا سیراب کر
عمر کی جڑ کو بھی دے آبِ حیات — پیڑ تا کہ عمر کا ہو باثبات
نیک ہوگا تیرا ماضی سر بسر — زہر ماضی کا جو ہے ہوگا شکر
سب بدی تیرا بدل دیتا ہے حق — تا ہو طاعت میں مبدل ماسبق
توبہ خالص پہ تنتا ہے نہ تن — رکھ تعلق سعی سے با جان و تن
توبۂ خالص کے معنی مجھ سے لے — تازہ کر اس کو ہے دُھن اس کی تجھے

نصوح کی توبہ کے بیان میں حکایت کہ جس طرح دودھ پستاں سے باہر آجاتا ہے تو پھر پستان میں نہیں جاتا جس شخص نے نصوح والی توبہ کر لی وہ ہرگز گناہ کو رغبت کے طور پر یاد نہیں کرتا بلکہ ہر لمحہ اس کی نفرت بڑھتی ہے اور وہ نفرت اس کی دلیل ہوتی ہے کہ اس نے (توبہ کی) قبولیت کی لذت حاصل کر لی ہے، وہ شہوت اول بے لذت بنی اور یہ اس کی جگہ بیٹھ گئی:

نہ کاٹے عشق کو جز عشقِ دیگر — تو کیوں لاتا نہیں یارِ نکوتر

اور جس کا دل پھر اس گنہ کی طرف رغبت کرتا ہے یہ اس کی علامت ہے کہ اس کو توبہ کی قبولیت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اور قبولیت اس گناہ کی لذت کی جگہ نہیں بیٹھی ہے اور اس کو ہم عنقریب سہولت کے لیے آسانی دے دیں گے (کا مصداق) نہیں بنا

ہے پس ہم اس کو تنگی کی سہولت دیں گے۔اس کی لذت اس کے باقی تو ہم اس کے لیے وہ صفتیں مہیا کریں گے جو اس کو دوزخ میں لے جائیں گی

کوئی حمامی نصوح تھا جس کا نام
مَلنا نہلانا زناں کو اس کا کام

اس کا چہرہ جیسے رخسارِ زناں
اپنی مردی کو وہ رکھتا تھا نہاں

وہ تھا حمامِ زناں میں مُشت مال
مکر، چالاکی تھی اس کی بے مثال

کئی برس کی مشت مالی اس نے پر
اس کی بوالہوسی سے سب تھے بے خبر

جیسے زن آواز اس کی چہرہ بھی
پر تھی شہوت پوری اور بیدار تھی

ہوتا سربند اور پہنتا تھا نقاب
مرد شہوانی اور آغازِ شباب

دخترانِ شہ کو بھی اس طرز سے
مَلتا اچھی طرح نہلاتے ہوئے

بارہا کی توبہ بچنے کے لیے
نفس نے توبہ کے پرزے کردیے

پھر وہ اک عارف کی خدمت میں گیا
بولا مت بھولو ہمیں وقتِ دعا

بھید اس کا ہوگیا اس پر عیاں
پھر بھی مثلِ حلم حق رکھا نہاں

قفل لب پر راز سے دل باخبر
لب خموش اور دل میں شورش سربسر

جام حق کے پینے والے عارفاں
جان کر رکھتے ہیں سب دل میں نہاں

جن کو ہیں معلوم اسرارِ خدا
وہ زباں کو بند رکھتے ہیں سدا

مسکرا کر بولا اے بدخو تجھے
توبہ کرنے کا خیال اللہ دے

اس کا بیان کہ عارف واصل (بحق) کی اللہ تعالیٰ سے درخواست ایسی ہی ہے جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی خود اپنے آپ سے درخواست، کیوں کہ میں اس کے لیے کان اور آنکھ اور زبان اور ہاتھ ہو جاتا ہوں فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے "وَمَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی"۔ ''تو نے نہیں پھینکا جب کہ تو نے پھینکا لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا اور حدیثیں، اور صحابہ کے اقوال

اس بارے میں بہت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سبب سازی کی شرح یہاں تک کہ نصوح سے اس نے کان پکڑ کر توبہ کرادی

وہ دعا سات آسماں پھاڑے چلی — کامیابی اس کے حصہ میں ہوئی
وہ دعائے شیخ اوروں سے جدا — فانی وہ، قول اس کا تھا قولِ خدا
آپ خود سے مانگتا ہے جب خدا — رد کرے گا وہ کہیں خود کی دعا
پس بہانہ ڈھونڈتا ہے ذوالجلال — تا کرے دور اس کا دکھ اس کا ملال
طشت پُر حمام میں اس نے کیا — دخترِ شہ کا گہر اک کھوگیا
کھوگیا تھا اس کی بالی کا گہر — جستجو میں یہ اِدھر تھی وہ اُدھر
غسل خانہ کا کیا بس بند در — دیکھ لیں گھر کا ساماں چھان کر
ڈھونڈا سب ساماں نہ پایہ وہ گہر — چور بھی کوئی نہیں آیا نظر
ڈھونڈ میں منہمک تھا ہر کوئی — منہ میں کانوں میں شگافوں میں سبھی
نیچے اوپر روزنوں میں ہر طرف — چھانی موتی کی طلب میں ہر صدف
ڈھونڈتے تھے مرد و زن اس کے لیے — دیکھتے تھے ہر صدف کو کھول کر
ہوگیا اعلان ننگے ہوں سبھی — وہ عجوزہ یا جواں ہو ہر کوئی
بس تلاشی حاجبہ نے سب کی لی — بہرِ دردانہ مگر حیرت نہ تھی
وہ نصوح ہیبت سے تھا اندر چھپا — ڈر سے نیلے ہونٹ، چہرہ زرد تھا
سامنے آنکھوں کے تھا پیغامِ مرگ — کانپتا تھا جسم سب مانندِ برگ
بولا یارب ہوگئی برگشتگی — توبہ توڑی بارہا اور عہد بھی
کردیا میں نے جو تھا مجھ کو سزا — تیرہ بختی کا یہ سیلاب آگیا
جب مرا وقتِ تلاش آجائے گا — میری جاں پر کیا مصیبت ڈھائے گا
میرے سینہ میں ہیں پیدا سو شرر — ہے دعاؤں میں میری بوئے جگر
ایسا دُکھ کافر کو بھی یارب نہ دے — دامنِ رحمت ہوں تھامے داد لے
ماں جنم مجھ کو نہ دیتی کاش کے — یا درندہ بن میں کھالیتا مجھے

اے خدا وہ کر تجھے جو ہے سزا
سانپ ہر سوراخ سے ڈسنے لگا

جان سنگین اور دل ہے آہنیں
ورنہ ایسے دکھ میں بچ سکتا کہیں؟

وقت بے حد تنگ ہے، اک لمحہ بس
سن تو شاہانہ میرے فریاد رس

گر کرے اس بار ستاری مری
توبہ کرتا ہوں زہر ناکردنی

دے اجابت توبہ کو بارِ دگر
بہر توبہ باندھی میں سو کمر

میں نے اب کی بار اگر تقصیر کی
پھر نہ سن میری دعا ہرگز کبھی

زاری کرتا، اشک برساتا رہا
کہ ہوں جلادوں کے نرغے میں پھنسا

کوئی افرنگی نہ موت ایسی مرے
ہو کوئی ملحد بھی ایسا دکھ نہ دے

نوحہ وہ کرتا تھا اپنی جان پر
روئے عزرائیل تھا پیشِ نظر

اس کے لب پر یا خدا و یا خدا
سب در و دیوار اس کے ہم نوا

نصوح کی تلاش کی نوبت آنا اور آواز آنا کہ ہم نے سب کی تلاشی لے لی۔ نصوح کی تلاشی لی اور اس خوف سے نصوح کا بے ہوش ہوجانا اور انتہائی بندش کے بعد معاملہ کا حل ہوجانا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت فرمایا کرتے تھے جب ان کو مرض یا غم ہوتا تھا مصیبت تو سخت ہو کھل جائے گی

''یارب و یارب'' بس اس کا ورد تھا
دی تلاشی لینے والوں نے صدا

لی تلاشی سب کی بڑھ کر آ نصوح!
کھویا ہوش اور کرگئی پرواز روح

جیسے دیوارِ شکستہ تھا پڑا
کھویا عقل و ہوش، تن پتھرا گیا

ہوش اس کے تن سے جونہی اڑ گئے
راز اس کا خفیہ تھا اللہ سے

جوں ہی وہ ہستی سے خالی ہوگیا
پیشی کو حق سے بلاوا آگیا

اس کی کشتی جب شکستہ ہوگئی
بحرِ رحمت کے کنارے جا لگی

ہوش گم جاں حق سے واصل ہوگئی
اس کی رحمت جوش دکھلانے لگی

تنگیِ تن سے ہوئی آزاد جاں
اصل کی جانب ہوئی خوش خوش رواں

جان جیسے باز تن جوں کندہ تھا ٹوٹے پر پاؤں میں بند پرندہ تھا
ہوش جس دم گم ہوئے پاؤں کھلے سوئے سلطاں باز کو پر لے گئے
بحرِ رحمت جوش دکھلانے لگا پتھروں کو آبِ حیواں مل گیا
موٹا تازہ ذرہ خود جب ہوسکے کیوں نہ فرش خاک اطلس کا بنے
مردہ سو سالہ جو ہو بیرونِ گور جب بنے ملعون شیطاں رشک حور
کل زمیں سرسبز جس دم ہوگئی خشک ڈالی سے نکل آئے کلی
ہم پیالہ گرگ و بکری ہوں اگر کیوں نہ ہو نومیدی کوئی بارور

موتی کا مل جانا اور شہزادی کے دربانوں اور لونڈوں کا نصوح سے معافی چاہنا اور اس کے سر اور ہاتھ کو چومنا اور عذر خواہی کرنا

ڈر گیا، آواز آئی ناگہاں ہوگیا گم گشتہ موتی لو عیاں
ختم جب خوفِ ہلاکِ جاں ہوا آئے اعلانات ''کھویا مل گیا''
غم گیا خوشیوں کی پھیلی روشنی مل گیا موتی ملے انعام بھی
تالیوں، نعروں کا برپا غلغلہ غم گیا کا شور کل حمام تھا
وہ نصوح بے ہوش تھا ہوش آگئے روشنی دیکھی فزوں سو روز سے
معذرت خواہ اس سے ہر کوئی ہوا دست بوسی اس کی ہر کوئی کیا
بخش ہم کو بدگماں تھے ہم سبھی گوشت کھایا تیرا کی بے ہودگی
تھا گماں سب کا اسی کی ذات پر تھا سبھوں سے اک وہی نزدیک تر
خاص حمامی تھا اس کا وہ نصوح وہ تھے گویا دو بدن اور ایک روح
کی ہے گر چوری تو اس نے چوری کی خاص خادم دختِ شہ کا تھا وہی
چاہی تھی پہلی تلاشی اس کی ہی آبرو رکھنی تھی اس کی ، دیر کی
پا کے مہلت تا کہیں وہ پھینک دے اور فکر اپنی رہائی کی کرے
چاہتے تھے معذرت اس سے سبھی احتراماً خود کھڑے ہوکر سبھی

بولا تھا فضلِ خدائے داد گر — ورنہ ہوں ان کے کہے سے بھی بتر
معذرت کی کیا ضرورت ہے بھلا — میں ہوں اک مجرم زمانے سے برا
سو میں ایک ہی تو گنائی ہے بدی — بات مجھ پر شک کی مجھ پر فاش تھی
کون جانے گا مجھے میرے سوا — ہیں ہزاروں جرم اک بدکاری کیا
میں ہی جانوں اور مرا ستار وہ — میرے جرم اور میرے بد کردار کو
پہلے شیطاں خود مرا استاد تھا — بعد میرے سامنے سے ہے ہوا
حق نے دیکھا، سب کو ان دیکھا کیا — تا نہ موقع ہو مری رسوائی کا
پردہ پوشی کی ہے میری لطف سے — جان جیسی شیریں توبہ دی مجھے
میرے بداعمال زائل کردیا — طاعتیں جو کی نہیں کردہ کیا
سر و سوسن سا کیا آزاد وہ — بخت و دولت سے کیا دِل شاد وہ
دفترِ نیکاں میں دی مجھ کو جگہ — دوزخی تھا مجھ کو جنت کی عطا
بخش ڈالے سب مرے جرم و گناہ — کردیا روشن رخ و نامۂ سیاہ
آہ کی میں نے وہ رسّی ہوگئی — چاہ کے اندر جو تھی لٹکی ہوئی
تھام کر رسّی کو باہر آگیا — موٹا تازہ شادماں گلگوں ہوا
چہ کے اندر تہ میں جب میں تھا اسیر — رات دن محو فغاں و در نفیر
تھا ہوس کی تنگیوں میں میں زبوں — وسعت عالم سے افزوں آج ہوں
آفریں ہو تجھ پہ اے میرے خدا — کردیا فوراً مجھے غم سے رہا
ہو بھی گر ہر موئے تن میرا زباں — شکر تیرا ہو نہیں سکتا بیاں
خلق میں للکارتے پھرتے چلوں — چار سو یَا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْن

شہزادی کا نصوح کو توبہ کے استحکام کے بعد مالش کے لیے دوبارہ بلانا اور اس کا بہانہ کرنا اور دفع کرنا اور عذر کرنا

قاصد آیا پھر کہا کہ لطف سے — شاہ زادی نے بلایا ہے تجھے

دخترِ شہ کا بلاوا ہے تو آ
نیک خو آکر سر اس کا تو دُھلا

غسل تیرے ہاتھ کا بھایا اسے
دھوئے تو مٹی سے تو مالش کرے

بولا جا جا ہاتھ اب بیکار ہے
یہ نصوح تو آج کل بیمار ہے

جلد جا اور ڈھونڈ لے دیگر کوئی
ہاتھ اپاہج ہے قسم اللہ کی

بولا دل میں جرم ہیں حد سے سوا
غم یہ تیرے دل سے کیسے جائے گا

میں کہ مرکر زندہ دوبارہ ہوا
تلخیِ مرگ و عدم بھی چکھ لیا

کی ہے سچی توبہ جو پیشِ خدا
میں نہ توڑوں گا اسے مرجاؤں گا

بعد اتنے دکھ کے کیا میں بھی ہوں خر
جا کے خطرے میں پڑوں بارِ دگر

اس بیان میں حکایت کہ کوئی شخص توبہ کرے اور شرمندہ ہوا اور پھر شرمندگیوں کو بھلادے اور آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمائے اور مستقل ٹوٹے میں مبتلا ہوجائے۔ کیونکہ جس شخص نے آزمائے ہوئے کو آزمایا اس کو ندامت ہوئی اور جب اس کی توبہ کا ٹھکانہ اور قوت اور شیرینی اور قبولیت اور مدد اس کو حاصل نہ ہو تو وہ بغیر جڑ کے درخت کی طرح ہے جو روزانہ زیادہ زرد اور خشک ہو رہا ہے۔ ہم اس بات سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں

تھا کسی دھوبی کا اپنا ایک خر
پیٹ خالی، لاغر اور زخمی کمر

جائے پتھریلی، زمیں بھی بے گیاہ
روز و شب وہ بے نوا و بے پناہ

پانی بن کھانے وہاں کچھ بھی نہ تھا
پس پریشاں رات دن پھرتا رہا

آس پاس اک دشت تھا اور نیستاں
اک شکاری شیر رہتا تھا وہاں

ہوگیا اس شیر پر ہاتھی کا وار
شیر زخمی ہوگیا اور بے شکار

ایک مدت ضعف سے تھا بے شکار
بے نوا اس سے تھے دیگر مفت خوار

شیر کے جھوٹے پہ جن کا تھا بسر
شیر زخمی تھا پریشاں خود ادھر

شیر اک روباہ سے بولا کہ جا
کر گدھے کو صید میرے پاس لا
پاس جنگل میں گدھا پائے کہیں
پھونک مار اور مکر سے لے آ یہیں
یا گدھا یا گائے کچھ بھی ڈھونڈ لا
جو بھی منتر جانتا ہے آزما
گوشتِ خر سے مجھ کو جب قوت ملے
جانور لاؤں پکڑ کر دوسرے
چھوڑ کر سب کچھ ذرا سا کھاؤں گا
واسطہ ہوں میں تمھارے رزق کا
اچھی باتوں سے اور اپنے مکر سے
اس جگہ ہر حیلہ لے آنا اسے

قطب، عارف واصل بحق، کی مخلوق کو رحمت اور مغفرت کی ان مراتب کے اعتبار سے روزی دینے کی تشبیہ بیان کرنا جو اللہ نے اس کو الہام کیا ہے اور شیر سے مثال دینا کیونکہ وہ اس کے روزی خوار اور بچا کھچا کھانے والے ہیں۔ شیر سے نزدیکی کے اعتبار سے مکانی قرب کے اعتبار سے نہیں بلکہ صفاتی قرب کے اعتبار سے اور اس کی بہت تفاصیل ہیں اور خدا ہدایت کرنے والا ہے

قطب گویا شیر، کام اس کا شکار
اور باقی خلق سب پس خوردہ خوار
کر صدا کوشش رضائے قطب کی
مار لائے صید تا بن کر قوی
ہو دکھی تو خلق بے ساماں سبھی
عقل کے ہاتھوں ہے روزی جلق کی
اس کے جھوٹے پر گزارا خلق کا
بوجھ یہ گر ہے شکاری دل ترا
عقل وہ اور خلق جوں اعضائے تن
عقل سے وابستہ تدبیرِ بدن
ضعف اس کا جسم سے از روح نہیں
ضعف کشتی کے سبب از نوحؑ نہیں
گھومتا ہے قطب اپنے گرد ہی
گردشِ افلاک اس کے گرد ہی
وہ مرمت میں ہے حامی کشتی کی
گر ہے مخصوص اس سے تیری بندگی
تیری یاری سے قوی تر ہوگا تو
بولا حق اِنْ تَنْصُرُاللّٰہ یَنْصُرُ
صید کر جوں روبہ اس پر ہو فدا
صید تا صدہا ملیں اس کا صلہ

مثلِ روبہ ہے مریدوں کا شکار — اور بجّو سا ہے سرکش کا شعار
مردہ اس کے آگے پائے زندگی — وہ اُگائے کھاد بھی فالیز بھی

روباہ کا شیر کو جواب دینا

بولی روبہ لاؤں گی خدمت بجا — حیلوں سے کردوں گی عقل اس کی فنا
حیلہ و افسوں گری ہے میرا کام — کام میرا کھوج مکاری تمام
کوہ سے دوڑی سوئے جوئے رواں — لاغر و مسکیں گدھا دیکھی وہاں
کی سلامِ گرم آئی سامنے — سیدھے سادے اُس گدھے درویش کے
پوچھی کیا ہے حال صحرا میں ترا — بے گیاہ و کیسی پتھریلی جگہ
بولا خر غمگین یا جنت میں ہوں — دین ہے اللہ کی شاکر رہوں
میں ہوں شاکر خیر ہو یا کوئی شر — ہے قضائے حق میں بد سے بھی بتر
وہ ہے قاسم، کفر ہے شکوہ گلہ — صبر لازم، صبر مفتاحُ الصِّلہ
صبر کنجی ہے فراخی کے لیے — سختی و تنگی ہے صابر سے پرے
میں ہوں راضی قسمتِ قسام پر — کہ خدا نگراں ہے خاص و عام پر
بانٹ ایسی، بہرہ ور ہر خاص و عام — کھاتے ہیں رزق اس کا دام و دد تمام
مرغ و ماہی کا بھی حصہ اس کے ہاں — سانپ، چیونٹی کا بھی وہ روزی رساں
خوان اس کا سارے عالم کے لیے — کُل خلائق خواں پر حیرت کرے
کھاتے ہیں پر نہیں اس میں کمی — بولو دنیا میں ہے بے روزی کوئی؟
شاد رہ تو، گر ترا دل زندہ ہے — کہ وہی روزی رسانِ بندہ ہے
دوست حق اور غیرِ حق سارے عدو — ہے عدو سے دوست کا شکوہ نِکو؟
تا نہ پائے بد سے بدتر شکر کر — ورنہ ہوگا جس طرح دلدل میں خر
چھاچھ جب تک دے نہ مانگوں انگبیں — کیوں کہ غم ہوتا ہے نعمت سے قریں
گنج کب بے مار و گل بے خار ہے؟ — جشنِ بے غم کا کہیں بازار ہے؟
اک حکایت باپ سے میں نے سنی — بولے بیٹا پند ہے اس میں بڑی

سقے کے گدھے کو خاص اصطبل میں ساز و سامان کے ساتھ عربی گھوڑوں کو دیکھنے کی حکایت اور اس دولت کی تمنا کرنا، اس نصیحت کے بارے میں کہ سوائے مغفرت اور مہربانی کے تمنا نہ کرنی چاہیے خواہ سینکڑوں تکالیف ہوں جب مغفرت کی لذت حاصل ہوجائے گی وہ تکالیف سب شیریں ہوجائیں گی۔ بقیہ ہر دولت کی بغیر آزمائے تو تمنا کرے تو اس کے ساتھ کوئی تکلیف ہوگی جس کو تو نہیں دیکھ رہا ہے جیسا کہ ہر جال کا دانہ کھلا ہوا رہتا ہے اور جال پنہاں ہوتا ہے تو اس جال میں رہتے ہوئے تمنا کرتا ہے کاش کہ اس دانے تک پہنچ جاتا تو خیال کرتا ہے کہ وہ دانے بغیر جال کے ہیں

ایک سقّہ تھا اور اس کا اک گدھا ہوگیا تھا جو مشقّت سے دوتا
پشت زخمی بوجھ اٹھاکر دس جگہ اس کے لب پر موت کی ہر دم دعا
جَو تو کیا، خود گھاس سے سیری نہ تھی پیٹھ بھی زخمی سلاخوں سے سبھی
دیکھا داروغہ تو رحم اس پر کیا مالکِ خر کا تھا چوں کہ آشنا
وہ سلام کو کیا اور پوچھا حال ہوگیا خر کیوں دوتا مانندِ دال
بولا افلاس اور مری تقصیر سے اس لیے کہ جَو نہیں ملتی اسے
بولا کچھ کردے سپرد اس کو مرے زور ور تا آخرِ شہ میں بنے
خر کیا اس کے حوالے خوش ہوا باندھ کر آخر میں شہ کے چل دیا
خر نے دیکھے اسپ تازی چار سو ساز کے ہمراہ فربہ خوبرو
اصطبل کو جھاڑ کر وہ دھودیا گھاس، جَو، بروقت لایا اور رکھا
ہوگئی مالش، کھریرا بھی چلا دی دہائی پیشِ حق سر کو اٹھا
کیا نہیں مخلوق تیری گو ہوں خر کیوں ہوں لاغر، زخم کیوں یہ پیٹھ پر
شب کو دردِ پشت اور خالی شکم آرزوئے مرگ مجھ کو دمبدم
حال ان گھوڑوں کا اچھا بانوا مجھ سے کیوں مخصوص ہیں درد و بلا

جنگ کا اعلان ناگہ ہوگیا تازیوں پر زین اب کسنا پڑا
خستہ وہ دشمن کی تیروں سے ہوئے تیر ہر سو تن کے اندر دھنس گئے
جوں ہی گھوڑے جنگ سے واپس ہوئے اصطبل آ کر وہ سب تھے چت پڑے
پاؤں تھے ان کے نواڑوں سے کسے نعلبند اں بھی تھے صف باندھے کھڑے
چیرتے تھے جسم کو نشتر لیے کرنے باہر تیر ان کے زخم سے
دیکھا یہ سب خر تو بولا اے خدا راضی فقر و عافیت پر میں ہوا
زخم کاہے کو یہ ساماں کس لیے عافیت جو چاہے دنیا چھوڑ دے

لومڑی کا گدھے کو جواب دینا

بولی روبہ ڈھونڈنا رزقِ حلال فرض سب پر از برائے امتثال
رزق اس عالم کے اندر بے سبب ملتا ہے کب چاہیے اس کو طلب
جہد بہرِ فضل ہے حکمِ خدا جوں درندہ غصب کرنا ناروا
بولے پیغمبرؐ کہ در اس رزق کا بند ہے اور قفل ہے اس پر لگا
آنا جانا کسب کی کوشش سبھی در حقیقت ہے کلید اس قفل کی
در یہ کھل سکتا نہیں کنجی بنا بے طلب دیتا نہیں روزی خدا
تو کنویں میں بیٹھ جائے گا اگر رزق حاصل ہوگا کیوں اے با ہنر

اس گدھے کا دوبارہ لومڑی کو جواب دینا

بولا وہ ضعفِ توکل نشاں ورنہ دے گا ناں بھی جس نے دی ہے جاں
جو بھی ڈھونڈے بادشاہی و ظفر رزق کب کم اس کا ہوگا اے پسر
کھاتے ہیں حیوان رزق اپنا سبھی ان میں کا سب ہے نہ حامل ہے کوئی
دیتا ہے رزاق روزی سب کو ہی ان کے آگے ان کی قسمت ہے دھری
پیشِ صابر بھی ہے رزق اس کا دھرا رنج کوشش ہے نشاں بے صبری کا

لومڑی کا گدھے کی اس بات کا جواب دینا کہ میں اپنے حصہ پر راضی ہوں

بولی روبہ یہ توکّل ہے کہاں　　کون ماہر ہے توکّل میں یہاں
یہ توکّل کا طریقہ جہل ہے　　شاہی سب کے واسطے کب سہل ہے
ہے قناعت گنج بولے مصطفیٰؐ　　ہر کوئی گنج نہاں کیوں پائے گا
بڑھ کے اپنی حد سے تو اوپر نہ جا　　شور و شر کی غار میں پڑ جائے گا
جہد کر ذوقِ طلب کر آشکار　　گر توکّل سے نہیں تجھ کو قرار

گدھے کا دوبارہ لومڑی کو جواب دینا

بولا خر تونے یہ سب الٹا کہا　　جاں میں شور شر ہے لالچ کا صلہ
جاں قناعت میں کوئی کھوتا نہیں　　حرص سے سلطاں کوئی ہوتا نہیں
خوک و سگ محروم ہیں ناں سے کہیں؟　　ابر و باراں کسبِ انسانی نہیں
جیسے تو ہے رزق کی خواہش میں زار　　رزق کو بھی ہے جنونِ رزق خوار
تو نہ گر دوڑے وہ آئے تیرے در　　اور اگر دوڑے وہ لائے دردِ سر

توکل کے معنی کی تقریر اور اس زاہد کا قصہ جس کو توکل کا امتحان کرنا تھا اور اسباب سے جدا ہو گیا تھا اور شہر سے باہر آ گیا تھا اور راستوں اور لوگوں کی رہ گزر سے دور ہو گیا تھا اور بے آباد پہاڑ کی جڑ کے نیچے انتہائی بھوک کی حالت میں ایک پتھر پر سر رکھے ہوئے تھا اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ اے خدا میں نے تیری سبب سازی اور رزاقی پر توکّل کیا ہے اور اسباب سے علیحدہ ہو گیا ہوں تاکہ میں توکل کے سبب بن جانے کو دیکھوں

اک زاہد نے پیمبرؐ سے سنا　　رزق حق سے چلتا ہے ہر ایک کا
رزق تو چاہے نہ چاہے آئے گا　　تیرا عاشق بن کے دوڑے آئے گا

امتحاں کرنے وہ زاہد چل دیا　　دشت میں ٹیلے کے نیچے سوگیا
دیکھے تا رزق اس کا پہنچے گا وہیں　　رزق کا ہوجائے تا اس کو یقیں
آیا کھوکر راہ اِدھر اک قافلہ　　پایا زاہد کو وہاں سویا ہوا
پوچھا ہے یہ فرد تنہا کس لیے　　دور اس جنگل میں شہر و راہ سے
زندہ ہے یا مردہ اس کا کیا ہے حال　　بھیڑیوں کا ڈر نہ دشمن کا خیال
پاس آیا اور ہاتھ اس پر دھرا　　پر وہ عمداً بات کرنے سے رہا
خود بھی ساکت سر کو بھی جنبش نہ دی　　آزمانے کو نہ کھولی آنکھ بھی
پس کہے یہ نامراد و ناتواں　　بھوک سے بے حِس پڑا ہوگا یہاں
کھانا روٹی لے کے فوراً آگئے　　اپنے ہاتھوں سے کھلانے کے لیے
بند قصداً منھ رکھا مضبوطی سے　　تا درستی قولِ حق کی دیکھ لے
رحم انھیں آیا کہ یہ ہے بے نوا　　مر رہا ہے بھوک کا مارا ہوا
دوڑے دوڑے لوگ لے آئے چھرا　　بند دانتوں کو اسی سے وا کیا
ڈالا ہے منھ میں انھوں نے شوربا　　ناں کے پرزے بھی دیے مُنھ میں دبا
بولا اے دل تونے گو چپ سادھ لی　　تو ہے نازاں جانتا ہے راز بھی
بولا دل واقف ہوں میں قصداً مگر　　یہ کیا ہے حق کو رازق جان کر
اس سے بڑھ کر کیا ہو دیگر امتحاں　　سوئے صابر رزق آتا ہے دواں
تاکہ جانے اعتبارِ حق کرے　　پس شکارِ حرص ہوتے ہیں گدھے
بعد ازاں اس مرد نے کھولا دہاں　　بولا اپنے رزق کا تھا امتحاں
جو کہا اپنے رسولِ پاک نے　　ٹھیک ہے اور پاک ہے ہر ریب سے

لومڑی کا پھر گدھے کو جواب دینا اور اس کو کمائی کی طرف رغبت دلانا

بولی روبہ چھوڑ یہ قصے سبھی　　کسب کو کر جہد تو درویش سی
ہاتھ اللہ نے دیے ہیں بہرِ کار　　تا کرے کسب اور کرے امدادِ یار

جو کوئی قائم رہے گا کسب پر　　وہ کرے یاریِ یارانِ دِگر
ایک سے ممکن نہیں ہیں سارے کار　　ایک کب ہیں جولاہا وہ کاشتکار
ہے شراکت پر یہ عالم برقرار　　اپنی حاجت سے ہیں سب مشغولِ کار
حرص نازیبا ہے اے بسیار خوار　　سنتِ پیغمبری ہے کسب و کار

گدھے کا لومڑی کو جواب دینا کہ توکل بہترین کمائی ہے کیوں ہے ہر شخص توکل کا محتاج ہے کہ اے خدا میرے اس کام کو سیدھا رکھ اور دعا توکل پر مشتمل ہے اور توکل وہ کمائی ہے جو کسی دوسری کمائی کی محتاج نہیں ہے

جز کہ اللہ پر توکّل کے سوا　　میں نہ جانوں کسب کیا ہے دوسرا
میں نہ جانوں کوئی ہمتا شکر کا　　شکرِ نعمت پر خدا دے گا سوا
خود توکّل کسب سب سے بہتریں　　ہاتھ اٹھاؤں سوئے رب العالمیں
اے خدا ہو ہر عمل اچھا مرا　　یہ توکّل ہے دعائے ہر دعا
کچھ توکّل میں نہیں ہے احتیاج　　کچھ نہیں ہے خوفِ محصول و خراج
ہوگئی جب بحث بے حد و حساب　　ختم کر ڈالے سوالات و جواب

لومڑی کا گدھے کو جواب دینا

پھر یہ بولی تو ہے خطرہ کی جگہ　　حق تجھے بچنے تباہی سے کہا
کاہے کو دشت و زمینِ سنگلاخ　　ابلہ کیا دنیا نہیں حق کی فراخ
چل یہاں سے آ تو سوئے مرغزار　　اُس جگہ چر سبزہ نزدِ جوئے بار
مثلِ جنت مرغزار سبزہ و تر　　سبزہ اُگتا ہے وہاں پر تا کمر
شاد وہ حیواں جو اِس جا جائے گا　　اونٹ سے بھی اونچا سبزہ پائے گا
ہرطرف اک چشمہ ہے اُس میں رواں　　جانور آسودہ اس میں با اماں
یہ گدھا پن تھا نہ پوچھا اے لعیں　　تو وہاں سے ہو تو فربہ کیوں نہیں

وہ نشاطِ فربہی وہ خر کہاں　　لاغری اور یہ تنِ مضطر کہاں؟
باغ کی یہ شرح جھوٹی گر نہیں　　اس سے مست آنکھیں تری کیوں کر نہیں
یہ گدا پن یہ تری نادیدگی　　یہ گدائی ہے نہیں بگلر بگی
چشمہ سے گر آئی ہے کیوں ہے تو خشک　　نافِ آہو تو کہاں ہے بوئے مشک
گر وطن تیرا ہے گلزارِ جناں　　ہے کہاں گلدستہ بہرِ ارمغاں
جس کی تو تفصیل کرتا ہے بیاں　　کیوں نہیں اندر ترے اس کا نشاں

اونٹ کی مثال لانا، اس بارے میں کہ اقبال مندی کی بات کرنے والے میں اس کی شان وشوکت اور اثر اگر تو نہ دیکھے تو تہمت لگانے کا موقع ہوگا کہ وہ اس بارے میں مقلد ہے

اونٹ سے وہ کوئی کہتا تھا کہ ہاں　　نیک پے آیا کہاں سے تو یہاں
بولا آیا ہوں یہاں حمّام سے　　بولا وہ ظاہر ہے زانو سے ترے
مارِ موسیٰؑ دیکھا ہے فرعون جب　　نرم ہوکر چاہی مہلت اس نے تب
بولے عاقل گر خدا ہوتا کبھی　　ہوتا غصہ سخت اس کا اور بھی
معجزہ وہ مار تھا یا اژدہا　　نخوت اور غصہ خدا کا کیا ہوا
ربِّ اعلیٰ وہ اگر ہے تخت پر　　چاپلوس اک کیڑے سے کیوں اس قدر
تو شراب و نقل کا دیوانہ ہے　　غیب تیری روح کو نادیدہ ہے
یہ نشانی ہے جو ہو دیدارِ نور　　تجھ سے ہوگا دُور یہ دارالغرور
مرغ چکرائے گا آبِ شور پر　　آبِ شیریں جب نہیں آتا نظر
بلکہ ہے تقلید پر اس کا یقیں　　چہرہ جو ایمان کا دیکھا نہیں
ہے مقلد کے لیے خطرہ عظیم　　خوفِ رہ، رہزن و شیطانِ رجیم
پائے اطمینان جو دیکھے حق کا نور　　اضطرابی اور شک ہوجائے دور
جھاگ کا دریا میں ٹکراؤ سے کار　　خاک پر آکر وہ پاتا ہے قرار

خاکی ہے سو اجنبی وہ اندر آب — وجہِ غربت اس کا سارا اضطراب
جب کھلی آنکھ اس کی منتر پڑھ لیا — ختم غلبہ دیو کا اس سے ہوا
خر نے گرچہ راز روباہ سے کہے — سرسری سب باعثِ تقلید تھے
وہ سراپا پانی کا شائق نہ تھا — پھاڑا منھ، جامہ نہیں، عاشق نہ تھا
ٹھیک ہے عذرِ منافق بھی کہیں؟ — لب سے ظاہر ہے فقط، دل میں نہیں
سیب کی بو ہے نہیں جزو سیب کا — اور خوشبو حصہ بس آسیب کا
حملۂ زن کا درمیانِ کارزار — صف نہ چیرے گا، بنے گا کارِزار
صف کے اندر شیر لگتی ہے ہو مگر — ہاتھ لرزے آئے جب تلوار پر
حیف اس پر عقل جس کی مادہ ہو — نر ہو جس کا نفسِ بد آمادہ ہو
عقل ہے مغلوب اس کی بے گماں — ٹوٹے کی جانب ہی لے جائے یہاں
حملہ زن دیکھنے کو ہے جری — آفتیں اس کی بھی ہیں وجہِ خری
وصفِ حیوان پائی ہے عورت زیاد — رنگ و بو کی اس میں چاہت ہے زیاد
مرحبا اس کو ہو جس کی عقل نر — نفس نر جس کا ہے مطیع و خوار تر
عقلِ جزوی جس کی غالب ہے و نر — حکمرانی اس کی مادہ نفس پر
سونگھ کر خر رنگ و بوئے سبزہ زار — سب دلیلیں بھولا بھاگا بے قرار
پیاسا بارش چاہا اور بادل نہ تھا — انتہائی بھوک، کیسا صبر کیا
صبر ہے گویا کہ لوہے کی سپر — اس پہ ہے تحریرِ حق جاء الظفر
سو دلیلیں کرتے ہیں ناقل یہاں — سب قیاسی ہے وہ دیکھے ہیں کہاں
مشک آلودہ ہے بو ہے مشک کی — مشک کا ہے کا وہ ہے بس مینگنی
مینگنی کو مشک بننے کے لیے — چاہیے اُس باغ میں برسوں چرے
اس جگہ چرنا نہیں ہے جوں خراں — آہوؤں جوں پرختن میں ارغواں
چر فقط لونگ اور گلاب و یاسمن — ساتھ ان کے چل بصحرائے ختن
معدے کو رکھ گھاس جَو سے باز تو — کر گل و ریحاں کی قوت آغاز تو

تن کا معدہ کھینچے کہداں کی طرف ۔۔۔ دل کا معدہ کھینچے ریحاں کی طرف

کھانے والا کاہ و جَو قرباں بنے ۔۔۔ نورِ حق جو کھائے وہ قرآں بنے

نصف اک مُشک، نصفِ دیگر مینگنی ۔۔۔ مُشک کر افزوں گھٹا کر مینگنی

ناقلوں کی سو دلیلیں سو بیاں ۔۔۔ سب زباں پر، جاں میں ان کی ہیں کہاں

جان خالی اس کی اُس گفتار سے ۔۔۔ خالی مغز اس کا ہے ان اسرار سے

چوں کہ قائل ہے بغیرِ جان و فرّ ۔۔۔ گفت اس کی لائے کیوں برگ و ثمر

گو دکھاتا ہے وہ گمراہوں کو راہ ۔۔۔ تن میں جاں لرزاں ہے اس کی مثلِ کاہ

بات اس کی گرچہ ہے با زور و فرّ ۔۔۔ گفتگو میں لرزہ ہے پر مستتر

کامل شیخ واصل (بحق) کی دعوت اور ناقصوں کی بات کے درمیان فرق جو فضل کے مدعی ہیں اور جنھوں نے دوسروں سے فضل لے کر اپنے آپ سے وابستہ کرلیا ہے

شیخ نورانی دکھانے راستہ ۔۔۔ نور ہمراہی ہے اس کی بات کا

جہد کرتا مست و نورانی بنے ۔۔۔ نور تیری بات کے ہمرہ چلے

جوش دیں انگور کے رس میں جسے ۔۔۔ وہ مزہ انگور کے شیرے کا دے

سیب، گاجر ہو کہ اخروٹ و بہی ۔۔۔ لذتِ دوشاب[1] ہی ان سے ملے

علم جو ہو نور میں شیر و شکر ۔۔۔ قوم سرکش کے لیے وہ راہبر

ہوگا نورانی وہ جو کچھ بھی کہے ۔۔۔ آسماں بس پاک برسایا کرے

آسماں و ابر بن برسات لا ۔۔۔ برسے پرنالہ تو وہ کس کام کا

پانی پرنالے میں ہے صرف عارضی ۔۔۔ ابر و دریا کا ہے پانی فطرتی

فکر و دانش اپنی پرنالہ سماں ۔۔۔ وحی کے آگے کھلا سب آسماں

آبِ باراں باغ سو رنگوں کا لائے ۔۔۔ اور پرنالہ پڑوسی سے لڑائے

لوٹتا ہوں پھر سوئے روباہ و خر ۔۔۔ کیوں ہوا گمراہ خر کو دیکھ ادھر

1۔ دوشاب= انگور وغیرہ کا رس

گھاس کی حرص کی وجہ سے گدھے کا لومڑی کے ہاتھوں مغلوب ہو جانا

سخت حملے اک دو روبہ پر کیا　　خر تھا ناقل دھوکا اس کا کھا گیا
کروفر اس کی بصیرت میں نہ تھا　　فکر نے روبہ کی ساکت کردیا
حرصِ گہ نے کردیا اس کو ذلیل　　مات کھایا، گرچہ تھیں صدہا دلیل

ہیجڑے کا قصہ اور لوطی اور لواطت کی حالت میں اس سے دریافت کرنا کہ یہ خنجر کس کام کے لیے ہے۔ اس نے کہا اس لیے کہ جو میرے ساتھ بات سوچے گا میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گا۔ لوطی اس پر چڑھتا اور اترتا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں تجھ سے برے کام کی نیت نہیں رکھتا:

میرا گھر گھر نہیں ہے اک اقلیم　　ہزل بھی ہزل کیوں وہ ہے تعلیم

اللہ تعالیٰ کا قول ہے " اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا " بیشک اللہ حیا نہیں کرتا اس بارے میں کہ مچھر کی مثال بیان کرے۔ پس اس سے بھی زیادہ چھوٹی چیز کی جو انکار کی وجہ سے نفوس میں تغیر پیدا کرنے کے لیے اس سے بڑھی ہوئی ہوں (انھوں نے کہا) اس مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہے اور یہ کہ جواب فرماتا ہے کہ میں نے یہ چاہا اس سے بہت سے گمراہ ہوں اور بہت سے ہدایت پائیں کیونکہ ہر آزمائش ایک ترازو ہے کہ بہت سے اس سے سرخ رو ہو جاتے ہیں اور بہت سے بے مراد ہو جاتے ہیں اور اگر تو اس میں تھوڑا سا بھی غور کرے تو اس میں بہت عمدہ فوائد پائے گا

زنخا کو لوطی کوئی گھر لے گیا　　اوندھا ڈالا اور اندر بھر دیا
اس لعیں کو پایا خنجر در کمر　　پوچھا کیا تیری کمر میں ہے اِدھر

بد مری بابت اگر سوچے کوئی / پھاڑ کر رکھ دوں شکم اس کا تبھی
بولا لوطی شکر حق مجھ کو یہی / میں نے اس فن میں نہیں دیکھی بدی
جب نہیں مردی تو کیا خنجر سے سود / دل نہ ہو پہلو میں تو کاہے کو خُود
پائی گر تو مرتضیٰؓ سے ذوالفقار / بازوئے شیرِ خدا بھی لا اے یار
یاد اگر ہے تجھ کو عیسیٰؑ کی دعا / جالب و دندانِ عیسیٰؑ بھی تو لا
گر فتوح و چندے سے کشتی بنائے / ہے ضروری نوحؑ سا ملاح لائے
بت کو توڑا ہے جو ابراہیمؑ وار / تن بھی ہے ایسا کہ ہو جو نذرِ نار
ہے دلیل عملاً کوئی لاکر دکھا / ذوالفقار اس تیغِ چوبیں کو بنا
اُس عمل سے منع کرتی ہے دلیل / جو ہے موجب نعمتِ ربِّ جلیل
دل سے سالک کے نکالا تو نے ڈر / اندر اندر خود ہے لرزیدہ اِدھر
درس دیتا ہے توکّل کا تو ہی / کرتا ہے مجھ پر یہ خود نشترزنی
اے مخنث تو چلا پیشِ سپاہ / جھوٹ داڑھی پر ترا خایہ گواہ
چوں کہ دل تیرا ہے نامردی بھرا / مونچھ، داڑھی پہ ہنسی کو راستہ
توبہ کر برسات جوں آنسو بہا / ہجو سے داڑھی و مونچھوں کو بچا
تو دوا مردی کی کھا اندر عمل / گرم سورج تاپنے اندر حمل
کچھ مداوا کر نہ بن نامرد تو / تجھ سے پیدا ہوں گے صد گوں خوبرو
چھوڑ معدہ چل سوئے دل گام گام / حق سے تا پہنچے کھلا تجھ کو سلام
گر ہے رستم چاہیے خنجر تجھے / ہیجڑا ہوگا تو چادر اوڑھ لے
رستمی چاہے پہن لے اک ذرہ / ہیجڑا پن چاہے ہوجا بے حیا
چل تو اک دو گام اتراتے ہوئے / عشق اس کا تا تجھے گودی میں لے
تو سرِ میداں قدم اپنا جما / ہو نہ جائے دار میں تا مبتلا
جامۂ زن میں کہاں تک جوں زناں / صف میں مردوں کی در آ مثلِ سناں

گدھے کے بچاؤ اور حفاظت پر لومڑی کے حیلے کا غالب آ جانا اور لومڑی کی گدھے کو شیر کی کچھار کی جانب کھینچ لے جانا

لومڑی اب مکر میں غالب رہی — تھامے داڑھی ساتھ خر کو لے چلی
آیا مطرب خانقہ کا، دف بجا — گایا خوش خوش، خر گیا لو خر گیا
شیر کو خرگوش جوں لایا بہ چاہ — کیوں نہ لاتی لومڑی خر تا گیاہ
سن نہ افسوں، کانوں کو تو بند کر — ہاں مگر بہرِ ولیِ داد گر
خوب تر حلوؤں سے اس کی ساحری — خوشتر اس کی خاکِ پا حلووں سے بھی
ہیں لبالب شاہی مٹکے بادہ سے — مایہ اس کے ہونٹوں کا خود میں لیے
عاشق بادہ مگر بے بادہ ہے — وہ مئے لعلینِ لب نادیدہ ہے
آب شیریں جب نہ پائے مرغِ کور — کیوں نہ گھومے گردِ چشمہ آب شور
موسیِٰ جاں سینہ کو سینا بنائے — طوطیانِ کور کو بینا بنائے
خسرو جاں کا جہاں ڈنکا بجے — کیوں نہ قند اس شہر میں ارزاں رہے
یوسفانِ غیب لشکر لائے ہیں — مصر کے بوروں میں شکر لائے ہیں
اِس طرف آیا ہے مصری قافلہ — طوطیو! سنتے ہو آوازِ درا
وہ ہمارا شہر شکر سے بھرے — شکر ارزاں ہے اب ارزاں تر بنے
لوٹو اب شکّر تم حلوائیو — پھیر لو منھ اپنا اے صفرائیو
نیشکر لوٹو یہی اک کار ہے — جاں لٹاؤ بس یہی اک یار ہے
شہر میں اب ایک بھی کھٹا کہاں — شیریں نے بٹھلا دیے ہیں خسرواں
نقل پر ہے نقل مے پر مے سنو! — لاٹھ پر چڑھ کر صلائے عام دو
سرکہ نو برسوں میں خود شیریں بنے — سنگ مرمر لعلیں وزرّیں بنے
چرخ پر سورج بجائے تالیاں — رقص میں ذرّے سبھی جوں عاشقاں
چشمِ مخمور اور ہر سو سبزہ زار — خندہ بر لب پھول زیبِ شاخسار

چشمِ دولت کا ادھر افسوں چلے
جان جوں منصور 'انا' کا دم بھرے

وجہِ یوسفؑ وہ زلیخا تھی جواں
از سرِ نو زندگی میں شادماں

اپنے دل کی آگ کو بھڑکا ذرا
بد نظر کو کالے دانے دے جلا

اپنی ہر حالت میں رہ تو شادماں
تا مرادِ دل میں ہو تم کامراں

کاٹ کر لے جائے روبہ خر کا سر
بول لے جا! غم نہ کھا خود بن نہ خر

حکایت اس شخص کی جس نے خوف سے اپنے آپ کو گھر میں جا ڈالا، رخساروں کو زعفران کی طرح زرد کیے ہوئے اور ہونٹوں کو نیل کی طرح نیلا کیے ہوئے، ہاتھ درخت کے پتوں کی طرح کپکپاتے ہوئے۔ گھر کے مالک نے دریافت کیا خیر ہے اور کیا واقعہ ہے۔ اس نے کہا باہر بیگار میں گدھے کو پکڑ رہے ہیں، اس نے کہا تو تو گدھا نہیں ہے کیوں ڈرتا ہے، اس نے کہا کوشش کر کے پکڑ رہے ہیں اور تمیز اٹھ گئی ہے اب ڈرتا ہوں کہ مجھے گدھا نہ سمجھ لیں

خوف سے گھر میں کوئی آ کر گھسا
چہرہ پیلا، ہونٹ نیلے رنگ اڑا

صاحبِ خانہ نے پوچھا کیا ہوا؟
ہاتھ میں تیرے ہے لرزہ بید سا

واقعہ کیا ہے جو بھاگے آ گیا
رنگ کیوں فق ہوگیا رخسار کا

بے عوض شاہِ ستمگر کے لیے
باندھنے نکلے ہیں باہر کے گدھے

بولا وہ باندھے ہیں خر اے جانِ عم
تو نہیں ہے خر، تجھے کاہے سے غم

خر پکڑنے میں وہ کوشاں ہیں سبھی
کیا عجب گر جان لیں خر مجھ کو بھی

خر پکڑنے کو چلے ہیں وہ سبھی
جدِّ بے حد میں گئی تمیز بھی

بے تمیز افسر ہمارے ہیں سبھی
خر کے بدلے لیں گے وہ مالک کو ہی

سننے والا دیکھنے والا ہے شاہ
وہ نہ پکڑے گا کسی کو خواہ مخواہ

آدمی بن چھوڑ خر گیروں کا ڈر
عیسیِ دوراں ہے تو کاہے کو خر

چرخِ چارم پر ہے تیرے نور سے
اصطبل تیرا ٹھکانہ کیوں بنے

تاروں سے افلاک سے برتر ہے تو
مصلحت ہے اصطبل میں گر ہے تو

تھان میں ہوتا ہے اس کا داروغہ
ہوگا خر وہ اس کو خر جس نے کہا

تھان کا داروغہ دیگر خر دِگر
جو بھی جائے تھان میں کیوں ہوگا خر

خر کے پیچھے کس لیے ہم چل پڑے
باغ اور گلہائے تر کی چاہیے

ہو انار و سیب و لیموں کا بیاں
اور ہو ذکرِ شراب و شاہداں

یا وہ دریا جس کی موجیں ہیں گہر
نطق و بینائی سے جو ہے بہرہ ور

یا پرندے جو بھی گلچینی کریں
چاندی اور سونے کے انڈے وہ جو دیں

باز جن کے سایہ میں تیتر پلے
پیٹ کو یا پیٹھ کے نیچے کر اڑے

اس جہاں میں ہیں نہانی سیڑھیاں
پایہ پایہ تابہ سقفِ آسماں

ہر جماعت کی ہے دیگر نرد باں
ہر روش کا اور ہی ہے آسماں

ہر کوئی حالِ دگر سے بے خبر
ہے کشادہ ملک بے پایان و سر

اس کو حیرت یہ کہ وہ شاداں ہے کیوں
یہ ادھر حیراں کہ وہ حیراں ہے کیوں

ہے کشادہ صحن ارض اللہ کا
جھاڑ کر اک اک زمیں سے جُڑا

شکر میں جھاڑوں پہ ہر اک برگ وشاخ
خوش کشادہ ملک و میداں فراخ

بلبلیں کلیوں کو گھیرے گانٹھ پر
کہتی ہیں کھاتی ہو جو کچھ دو اِدھر

یہ سخن بے حد ہے تو بس لوٹ آ
کر بیاں روباہ و بھوکے شیر کا

لومڑی کا اس گدھے کو شیر کے سامنے لے جانا اور گدھے کا شیر سے کود کر بھاگنا اور لومڑی کا شیر پر غصہ کرنا کہ گدھا ابھی دور تھا کہ تو نے جلدی کر دی اور شیر کا معذرت کرنا اور شیر کا لومڑی کی خوشامد کرنا کہ جا دوبارہ اس کو فریب دے

لے گئی روبہ چراگہ کو اسے
تا جھپٹ کر شیر اس کو ماردے

دور ابھی تھا، شیر اِدھر پُر غصہ تھا
پاس آنے تک نہ صبر اس نے کیا

شیر نے جست ایک اونچائی سے کی
جب کہ خود اس میں تھی کمزوری بڑی

خر جو دیکھا لوٹ کر بھاگا وہیں
تا بہ زیرِ کُہہ نہ ٹھہرا وہ کہیں

بولی روبہ شیر سے اے بادشاہ
کیسے بھولا صبر کو وقتِ وغا

تا وہ گمرہ پاس تیرے آسکے
غلبہ پالیتا تو ادنیٰ حملہ سے

مکرِ شیطانی ہے عجلت اور شتاب
لطفِ رحمانی ہے صبر و احتساب

حملہ دیکھا دور سے بھاگا تبھی
ضعف تیرا کھل گیا عزت گئی

بولا سمجھا ہے سلامت میرا زور
ہوگیا خود ضعف سے نادان و کور

میں یہ سمجھا زور سالم ہے مرا
پر نہ دیکھا اپنا ضعفِ دست و پا

ہوگئی حد سے سوا حاجت مری
بھوک کی شدت میں کھویا عقل بھی

ہوسکے تو بارِ دیگر عقل سے
پھیر کر لے آ مری خاطر اسے

مجھ پہ ہوگا یہ بڑا احساں ترا
مکر سے پھر اُس کو میرے پاس لا

گر خدا روزی کرے گا وہ گدھا
صید صدہا میں کروں تجھ کو عطا

یہ بھی ممکن وہ بُھلا دے اپنا ڈر
وہ خری سے دور کب ہے وہ ہے خر

ہاں جو لاؤں گر نہ اس پر دوڑ کر
کھو نہ دے جلدی میں تا بارِ دگر

بولا ہاں ہے تجربہ اس کا مجھے
ہوں دکھی اعصاب ڈھیلے پڑگئے

آ نہ جائے جب تلک نزدیک خر
میں بلا حرکت پڑا ہوں گا اِدھر

بولی روبہ حوصلہ دے شہ مجھے
غلبہ وہ غفلت کا میں پھانسوں اسے

خر نے توبہ کی حضورِ کردگار
پھر نہ جاؤں بن کے صید نابکار

عقلِ خر بازیچہ میرے مکر کا
نرم و ناقص ہے کماں تو فکر کیا

توبہ تڑوائیں گے صاحبِ فن ہیں ہم
عقل و روشن عہد کے دشمن ہیں ہم

گلہ خر کھیل بچوں کا ہمیں
فکر ان کی فن کا بازیچہ ہمیں

عقل جو ہے زیرِ تاثیر زحل
عقلِ کل کے سامنے ہے بے محل

عقل عطارد اور زحل کی دیں اسے
اور ہم نے پائی وہ اللہ سے

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ ہے اپنا نشاں ہے خزانہ علم کا اللہ کے ہاں
تربیت پائی ہے روشن مہر سے ربّیَ الْاَعلیٰ ہے لب پر اس لیے
تجربہ ہے گریہ سب رکھتے ہوئے ہوں گے باطل اس سے صدہا تجربے
توڑ بھی سکتا ہے کاہل توبہ ہاں اس کی بدبختی سے بچتا ہے کہاں

اس کا بیان کہ توبہ اور عہد کو توڑنا مصیبت کا سبب ہوتا ہے بلکہ مسخ کا سبب ہے چنانچہ سبت والوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان والوں کے بارے میں ہے اور "وَ جَعَلَ مِنۡهُمُ قِرَدَةً وَالۡخَنَازِيۡرَ" کر دیا ان میں سے بندر اور سور اور اس امت میں دل مسخ ہوگا ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور قیامت کے دن بدن کو دل کی صورت دے دیں گے

توڑنا توبہ کا ، نقص اقرار کا موجب لعنت ہے ان کی انتہا
توڑی ہے توبہ جو اہلِ سبت نے مبتلا مسخ و ہلاکت میں ہوئے
کر دیا بندر انھیں اللہ نے توڑ کر جب عہد کو سرکش بنے
مسخ صورت گو نہیں اس قوم میں ہے عذاب مسخ دل لاحق انھیں
اس کا دل ہوجائے گا بندر کا دل بندروں کو ِگل سے برباد ان کی ِگل
اس کا دل حاصل جو کر لیتا ہنر خوار ہوسکتا کہیں صورت سے خر
تھی سگِ اصحاب کی سیرت بھلی شکل سے ان کی ہوا نقصاں کوئی؟
مسخ اہلِ سبت کا تھا ظاہری شکل سے ظاہر ہو تا ان کی بدی
مسخ باطن سے ہوئے لاکھوں دِگر توڑ کر توبہ تھے آخر خوک و خر

بھاگے ہوئے گدھے کے پاس لومڑی کا دوبارہ آنا تا کہ پھر فریب دے

پس دوبارہ آئی روبہ سوئے خر بولا خر یاری سے تیری الحذر
میں نے اے بزدل بدی کیا تجھ سے کی شیر سے مجھ کو لڑانے لے چلی

کیا تھی میری جاں سے تجھ کو دشمنی؟
تیری فطرت ہی اے سرکش ہے بُری

ڈنک مارے جیسے بچھو بے سبب
کوئی آفت اس کو پہنچی ہو نہ جب

دشمن اپنی جاں کا شیطاں کوئی
دکھ ہی دیکھا جب نہ ہی نقصاں کوئی

بلکہ ہے طبعًا عدوے آدمی
ہے ہلاکت اس کو وجہِ خرّمی

ہے تعاقب میں بشر کے ہر کبھی
چھوڑنے والا نہیں عادت بری

اس کی ہستی ہے وابستہ بدی
اس میں ذوق ظلم و ذوق دشمنی

عیش کی جانب بلاتا ہے تجھے
تاکہ وہ تجھ کو کنوئیں میں ڈال دے

کہ ہے حوض اس جا پہ اور جوئے رواں
غرق کردے حوض میں تا ناگہاں

آدمی با وصفِ صدہا کرّ و فر
اس کے باعث مبتلائے شور و شر

باوجود اس وحی کے انداز کے
ڈالے انساں کو کنوئیں میں مکر سے

بے گناہ و بے ضرر وہ پہلے سے
آدمی سے کب ضرر پہنچا اسے

آدمی سے کب بدی پہنچی اسے
دکھ کے تودے کردیے اس نے کھڑے

بولی روبہ وہ طلسمِ و سحر تھا
جو نظر آیا تھا تجھ کو شیر سا

ورنہ میں ہوں تجھ سے بھی کمزور تر
اور اُسی جا چرتی ہوں شام و سحر

سحر ایسا گر نہ ہوتا اُس جگہ
ہوتا وہ میدان ہر پُرخوار کا

ہوتی کثرت ہاتھی گینڈوں کی وہاں
سبزہ خوار ایسا وہاں ہوتا کہاں

خود بتانا چاہتی تھی میں تجھے
خوف میں بھی بچ کے رہنا خوف سے

میں بھُلا بیٹھی یہ بتلانا تجھے
کیوں کہ دکھی تھی میں تیرے درد سے

بھوک کی شدت میں پایا بے نوا
تجھ کو لے دوڑی دکھانے کو غذا

ورنہ کردیتی بیاں جادو کا حال
کہ نہیں کچھ ٹھوس، بس ہے اک خیال

بھول بیٹھی پھر وہ بتلانا تجھے
حلِ مشکل، دلربا کہیے جسے

گدھے کا لومڑی کو جواب دینا

بولا جا جا تو اب دور مجھ سے اے عدو | تا نہ دیکھوں میں تجھے اے زشت رو

تجھ کو بد قسمت بنایا ہے خدا | دی بری صورت بنایا بے حیا

آئی کس منھ سے، یہ جرأت کیوں ہوئی | ایسی بے شرمی کہاں گینڈے میں بھی

تو مرے درپے علانیہ ہوئی | کہ میں جنگل تک کروں گی رہبری

دیکھی اس جا شکل عزرائیل کی | دیکھے حیلے تیرے مکاری تری

وہ نہ بھائے، ہوں اگرچہ ننگِ خر | ہوں گدھا، اور جاندار و جانور

ہول جو دیکھا ہے میں نے بے اماں | طفل دیکھے، ہوگا بوڑھا در زماں

اس کے ڈر سے بے دل و بے جاں ہوا | منھ کے بل کہسار سے میں گر پڑا

بندھ گئے پاؤں مرے ڈر سے شتاب | دوبدو میں جوں ہی دیکھا وہ عذاب

عہد باندھا ہے تبھی اللہ سے | بستگی سے پاؤں میرے کھول دے

کوئی بہکانے نہ بہکوں پھر کبھی | اے مرے حامی یہ منت مان لی

کھولے پھر پاؤں مرے اللہ نے | التجا، زاری مری ہیہائے سے

ورنہ مجھ پر پھاند آتا شیرِ نر | زیرِ پنجۂ شیر کیا ہو حالِ خر

شیر نے دوبارہ بھیجا ہے تجھے | اے رفیق بد مرے ہاں مکر سے

میں اٹھاتا ہوں حلف اللہ کا | یارِ بد سے مارِ بد ہی ہے بھلا

مارِ بد لیتا ہے جاں ہی اے سلیم | یارِ بد لے جاتا ہے سوئے جحیم

یار سے بولے بنا بے گفتگو | دل چرا لیتا ہے اس کی خو سے خو

ڈالتا تجھ پر وہ سایہ جب کبھی | بس اڑا لیتا ہے وہ پونجی تری

عقل تیری اژدہا بھی گر بنے | ہے زمرّد یار اس کے واسطے

آ رہیں گی باہر آنکھیں عقل کی | اس کا طعنہ پنجۂ طاعون ہی

یارِ بد سے کوئی بھی بدتر نہیں | یہ ہے میرے واسطے عین الیقیں

لومڑی کا گدھے کو جواب دینا

بولی روبہ مے ہے بے تلچھٹ مری پر نہیں ہیں سست رگ اوہام بھی
وہم ہیں یہ سب ترے اے سادہ دل ورنہ تجھ میں کھوٹ کوئی ہے نہ غِل
بدخیالی سے نہ مجھ کو دیکھنا دوستوں سے بدگمانی کیوں بھلا
مخلصوں سے چاہیے اچھا گماں گر جفا بھی ان سے ہوجائے عیاں
جب بھی وہمِ بد ہوا ہے رونما پڑ گیا یاروں کے اندر تفرقہ
آزمائے دے کے دکھ گر مہرباں عقل کو ہونا نہیں ہے بدگماں
میں نہ بد رگل ہوں نہ ہی میں بدرہی سحر تھا جو بھی دکھائی دی بدی
بد بھی ہو تو کھیل ہے تقدیر کا بخش دی جاتی ہے یاروں کی خطا
یہ خیال و وہم اور یہ طمع و بیم راہرو کے حق میں سب سدِّ عظیم
نقش جو کرتا ہے پیدا نقش گر ان سے ابراہیمؑ نے دیکھے ضرر
ہٰذا ربیّ لب پہ ابراہیمؑ کے مبتلا جب وہم عالم میں وہ تھے
وہ ستاروں کی عجب تاویل تھی صاحبِ تنزیلِ قرآں نے جو کی
وہم و اندیشہ جو آنکھیں موند دے جو پہاڑوں کو اکھیڑے پایہ سے
ہٰذا ربیّ ان کے لب پر آگیا تو خر اور احمق کا اس میں ذکر کیا
عقلیں عقلا کی وہ مانندِ جبال غرق اندر بحرِ اوہام و خیال
عقل جو مضبوط تر ہے کوہ سے ہم نے کیا کہنے کہا ہے دیکھ اسے
کوہ بھی طوفان سے رسوا ہوئے امن سے جو نوحؑ کی کشتی کو لے
وہم اپنا رہزنِ راہِ یقیں ہیں بہتّر فرقے اس سے اہلِ دیں
دور مومن سے یہ سب وہم و خیال موئے ابرو کو نہ بولے وہ ہلال
جو نہیں نورِ عمرؓ سے بہرہ ور دھوکا کھائے موئے ابرو دیکھ کر
کشتیاں لاکھوں ہراس و سہم سے تختہ تختہ بحر میں اوہام کے

فلسفہ میں چست گو فرعون تھا
چاند اس کا وہم سے گہنا گیا
جانتا ہے کون ہے قحبہ یہاں
جانے جو خود پر نہیں کرتا گماں
وہم سے اپنے جو تو ہے خیرہ سر
پھرتا ہے کیوں وہم سے گردِ دگر
میں جو ہوں آپ ہی میں بیزار خودی
کر نہ میرے پاس اظہارِ خودی
جو بھی لے آئے ہیں اس در پر انا
گم خودی میں پھرتے ہیں گردِ فنا
بیخودوں کی جستجو میں میں بجاں
تا بنوں میں گیند چوگاں کا یہاں
سب کی خودیاں اس میں جو بیخود ہوا
دوست وہ سب کا تھا پر خود کا نہ تھا
صاف ہو جو آئینہ پائے بہا
سب کا مظہر ہوگا ایسا آئینہ

شیخ محمد سررزی غزنوی کی حکایت خدا ان کی معزز روح کو پاک کرے

زاہد دانا تھے کوئی غزنوی
تھا محمد نام کنیت سررزی
کونپلیں افطاری کو انگور کی
سات سال ان کے کٹے آخر یونہی
دیکھے قدرت کے عجوبے چار سو
دیکھنا تھا جلوۂ دادار کو
چڑھ کے بولے چوٹی سے کہسار کی
جلوہ دکھلا ورنہ جاں دے دوں ابھی
بولا وقت اعزاز کا آیا نہیں
گر جو گرنا ہے میں ماروں گا نہیں
کودا فرط شوق میں اونچائی سے
آ پڑا اوپر وہ گہرے پانی کے
جان سے بیزار مرنے سے بچا
نوحہ گر وہ موت سے بچنے پہ تھا
موت کے ہمسر تھی اس کو زندگی
کام الٹا ہوگیا کوشش جو کی
کی دعائے موت اس نے غیب سے
موت میں ہے زندگی میرے لیے
موت کو وہ زندگی کہنے لگا
مطمئن اہلاک جاں پر ہوگیا
جوں علیؓ تیغ و سناں سے شادماں
نرگس و نسرین سے آزارِ جاں
آئی اک آواز، سوئے شہر جا
صاف بھی مخفی، نرالی وہ صدا
بولا سب کچھ علم ہے تجھ کو مرا
شہر جا کر کیا کروں گا میں بتا!

بولا تجھ کو چاہیے تذلیلِ نفس
خود کو کر لے جس طرح عباس دبس

مدت اک زر مالداروں سے تو لے
اور درویشوں میں اس کو بانٹ دے

بولا یہ خدمت ہے کچھ دن کے لیے
بولا سمجھا، کرلیا تسلیم اسے

تھے سوالات و جواب ایسے وہاں
زاہد و ربُّ الوریٰ کے درمیاں

ہوگئے پُرنور سب ارض و سما
ذکر تحریروں میں اس کا آگیا

مختصر کرتا ہوں پر گفتار کو
تا کمینے پا نہ لیں اسرار کو

شیخ کا بہت سالوں کے بعد جنگل سے غزنی آنا اور غیبی اشارے سے جھولی گھمانا اور جو کچھ جمع ہوتا اس کو فقرا میں تقسیم کر دینا

جس کسی کا شعار ہے لبیک
نامہ پر نامہ آئے پیک پہ پیک

شہر کو نکلا وہیں طاعت شعار
شہر غزنی بن گیا روشن دیار

لوگ استقبال کو خوش خوش چلے
شہر میں وہ آگیا چھپتے ہوئے

اس کی خاطر تھے امیر امرا کھڑے
سب گھر اپنے وہ سجانے میں لگے

بولا ہوں کب خود نمائی کے لیے
خوار آیا ہوں گدائی کے لیے

محترز ہوں اب میں قال و قیل سے
در بدر جاؤں گا یہ جھولی لیے

بندۂ فرماں ہوں ہے حکمِ خدا
بھیک مانگوں اور رہوں بن کر گدا

بھیک کو نامِ دگر دوں گا نہ میں
غیرِ راہِ خس گدا لوں گا نہ میں

ڈوب جاؤں گا میں ذلت میں تمام
تلخ و شیریں تا سنائیں خاص و عام

امرِ حق کی اتباع ہے میرا کام
طمع وہ چاہے قناعت ہے حرام

طمع چاہے جب کہ مجھ سے شاہ دیں
خاک ڈالوں میں قناعت پر وہیں

چاہے وہ ذلّت تو میں عزت نہ لوں
بھیک کا وہ حکم دے میری کروں؟

ہے بھلی اب ذلت و گدیہ گری
ہیں کئی عباس جھولی میں مری

شیخ نکلے ہاتھ میں جھولی لیے
دے مجھے للہ جو کچھ توفیق دے

عرش و کرسی سے سوا وہ راز دار
کچھ تو دو نامِ خدا اس کی پکار

ہر نبی کا نعرہ ایسا ہی رہا
خلق مفلس، بھیک ان کا کام تھا

قرض دو اللہ کو تم قرض دو
کہتے پھر امداد اللہ کی کرو

در بدر شیخ عاجزی کرتے رہے
بہرِ شیخ افلاک کے سو در کھلے

جو گدائی کی انھوں نے جہد سے
بہرِ یزداں تھی نہ تھی خود کے لیے

وہ اگر کرتے بھی اپنے واسطے
تو گلا لبریز ہوتا نور سے

ہاں جو کھاتے بھی وہ شہد و شیروناں
اس کے ہمسر طاعتِ فقرا کہاں

نور کھاتے ہیں نہ کہ کھاتے ہیں ناں
بوتے ہیں لالہ وہ چرتے ہیں کہاں

جوں شرر کھاتے ہیں روغن شمع سے
نور پھیلاتے ہیں محفل کے لیے

نان کھانے والوں کو لاتسرفوا
نور خوروں کو نہ بولا اِکتفوا

یہ گلو ہے آزمائش ، وہ گلو
اس میں نے اسراف نے اس میں غُلو

حکمِ حق تھا حرص اور لالچ کہاں
حرص پر مائل نہیں ہے ایسی جاں

بولے مِس سے کیمیا ہو جا مرا
غلبۂ لالچ سے ہوجائے رہا

وہ گدائی جہد سے جو اس نے کی
وہ نشانِ حکمتِ ربّانی تھی

گنج خاکی سات طبقوں کے جو تھے
رکھ دیے اللہ نے آگے شیخ کے

شیخ بولے اے خدا عاشق ہوں میں
غیر کو چاہوں اگر فاسق ہوں میں

جائے جنت پر اگر میری نظر
گر سبب طاعت کا ہے خوفِ سقر

میں تو مومن ہوں سلامت جُو بنوں
حظِّ تن وہ اس کو لے کر کیا کروں

عشق حس سے ملتی عاشق کو قوت
سو بدن کیا چیز پیشِ برگِ تُوت

شیخ دانشمند کا جو ہے یہ تن
اور شے ہے اس کو مت کہیے بدن

عاشق عشق خدا اور اس پہ مزد
اک امانت جبرئیلی اور دُزد

عاشقِ لیلیٰ کو لیلیٰ چاہیے
ملک دنیا اس کے آگے کس لیے

اس کو ہے سب ایک مٹی ہو کہ زر
زر بھی وہ جب بھول بیٹھے جاں کا ڈر

بھیڑیے شیر اور درندوں کا حال گرد گھیرے اس کو خویشوں کی مثال
کیوں کہ وہ ہے خوئے حیوانی سے پاک عشق سے پُر گوشت اس کا زہر ناک
زہرِ دد ہے عقل ہے وارے شکر کیوں کہ نیک و بد ہیں ضدِ یک دِگر
گوشت عاشق کا درندوں کا ہے رد آشنا ہیں عشق سے سب نیک و بد
کھا بھی لیں یہ دام و دد اس کو اگر لحمِ عاشق زہر ہے جائیں گے مر
ماسوائے عشق سب اس کی غذا چونچ میں اک دانہ دو جگ اور کیا؟
مرغ کو چٹ دانہ کرتا ہے کبھی؟ اصطبل گھوڑے کو چرتا ہے کبھی؟
بندگی کرتا کہ تو عاشق بنے کسب یہ شاید ترے کام آسکے
بندہ تو آزادی کا کیوں لالچی عاشق آزادی نہ چاہے گا کبھی
بندہ خواہاں خلعت و انعام کا خلعتِ عاشق ہے دید دلربا
کہنے سننے میں کہاں عشق آئے گا عشق دریا ہے نہیں تہ کا پتہ
قطرے دریا کے کوئی کیا گن سکے ساتوں دریا چھوٹے اس کے سامنے
اس بیاں کی حد نہیں ہے اے فلاں لوٹ سوئے قصۂ شیخِ زماں

"لَوْ لَاكَ لِمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" اگر نہ ہوتے آپ تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا کے معنی

شیخ اک پھرتے تھے در در جوں گدا عشق لا پروا ہے بچ رہنا ذرا
عشق سے دریا ہیں جوشاں مثلِ دیگ عشق پیسے کوہ کو مانند ریگ
عشق سے ہیں سو شگاف افلاک میں عشق لائے زلزلے بھی خاک میں
مصطفیٰؐ کے ساتھ عشقِ پاک تھا اس لیے لولاک اللہ نے کہا
عشق میں یکتا تھے آپ اور منتہی اس لیے تخصیص نبیوں میں ہوئی
گر نہ ہوتے آپ عشقِ پاک کو کیوں عطا کرتا وجود افلاک کو
کردیا بالا و روشن چرخ کو تا کہ رفعت عشق کی معلوم ہو
فائدے ہیں دوسرے بھی چرخ سے اس کو انڈا جانو اور چوزہ اسے

خاک کو میں نے بنایا جیسے خار — تا ہو ذلت عاشقوں کی آشکار
ہم نے دی مٹی کو سبزی تازگی — جانے تا تبدیلی کو درویش کی
ہے پہاڑوں کے جماؤ سے عیاں — صورتِ حالِ ثباتِ عاشقاں
وہ ہیں معنی اور یہ ظاہر اے پسر — تا ہو تیری فہم سے نزدیک تر
کانٹا کہنا غصہ کو تشبیہ ہے — وہ نہیں ویسا مگر تنبیہ ہے
سخت دل کو کرتے ہیں سنگیں خیال — نامناسب پر بجا بہرِ مثال
کر نہیں سکتا قیاسِ عین اگر — نقصِ صورت سے نفی اس کی نہ کر

شیخ کا ایک امیر کے گھر پر غیبی اشارے سے چار مرتبہ مع زنبیل کے بھیک مانگنے جانا اور امیر کا ان پر بے شرمی کے لیے ناراض ہونا اور ان کا امیر سے معذرت کرنا

شیخ اک زردار کے گھر چار بار — بھیک کو اک دن گئے بے اختیار
ہاتھ میں جھولی زباں پر تھی صدا — ایک روٹی کر عطا بہرِ خدا
سب کچھ الٹا ہے یہاں پر اے پسر — عقلِ کُلّی کا بھی چکرائے گا سر
دیکھ کر بولا امیر اے بے حیا — بخل کے الزام سے مجھ کو بچا
بھاگ دوڑ اتنی کمینے بے حیا — کب تلک یوں بھیک کا یہ سلسلہ
کتنی جرأت، کیا یہ منھ، کیسا شعار — اندر آیا ایک دن میں چار بار
ہے یہاں بڈھے کوئی نوکر ترا ؟ — میں نے دیکھا ہی نہیں تجھ سا گدا
تونے کی برباد عزت فقرا کی — کیسی یہ عباسی کی راہ تونے لی
تیرے آگے مات ہے عباس بھی — گت بُری ایسی نہ ہو ملحد کی بھی
بولا میں ہوں بندۂ فرماں خموش — آگ دیکھی ہے مری؟ دکھلا نہ جوش
حرصِ ناں ہوتی اگر مجھ میں کہیں — چیر لیتا میں شکم اپنا وہیں
سات سال اس عشق میں جلتا رہا — پتّے بس انگور کے کھاتا گیا
تازہ سوکھے پتّے ہی کھاتا رہا — سبز سارا جسم میرا ہوگیا

آدمیت پردہ ہے جب تک ترا — کم نگاہی عاشقوں پر ہے خطا
موشگافی کر کے دانشور کئی — علمِ ہیئت کی بھی پائے روشنی
شعبدے علمِ سحر و فلسفہ — کر نہ پائے معرفت کا حق ادا
کیں انھوں نے کوششیں مقدور بھر — ان کو سبقت اپنے خود ہم چشموں پر
عشق غیرت مند دور ان سے رہا — کیسے سورج کو انھوں نے کھودیا
دن کو تارے ڈھونڈ پائے وہ نظر! — اس کو سورج کیوں نہیں آیا نظر
ہاں نصیحت سن مری اور چھوڑ اسے — دیکھ عاشق کو نگاہِ عشق سے
منتظر جان اور وقتِ امتحاں — عذر اپنا کیا کروں تجھ سے بیاں
فہم کر خود کان باتوں پر نہ دھر — سینۂ عشاق کو گھائل نہ کر
تو گماں میں مبتلا محوِ نشاط — عاقبت اندیش بن کر احتیاط
واجب و جائز ہو یا ہو وہ محال — رکھ تو ہر حالت میں اوسط کا خیال

شیخ کی نصیحت اوران کی سچائی کے پرتو سے امیر کا رو پڑنا اور جرأت و گستاخی کے بعد خزانہ پیش کر دینا اور شیخ کا بچنا اور شیخ کا قبول نہ کرنا اور فرمانا کہ میں بغیر اشارے خرچ نہیں کر سکتا ہوں بغیر غیبی حکم کے نہیں لے سکتا ہوں

اتنا کہہ کر ہوگیا گریہ کناں — اور تھے رخسار پر آنسو رواں
ہوگئی تاثیر سچ کی میر پر — عشق کی تدبیر ہے ہر دم دِگر
صدقِ عاشق کا اثر بے جان پر — کیا عجب دانا ہوں گر زیرِ اثر
غلبۂ موسیٰ تھا برکوہ و عصا — بلکہ قلزم کو بھی سر ہونا پڑا
چاند ادھر شق صدق احمد سے ہوا — ڈھل گیا سورج تو لوٹا یا گیا
روبرو دونوں تھے مصروفِ بکا — اشک برساتے تھے وہ میر و گدا
یوں ہی دونوں دیر تک جب رو چکے — بولا دولت مند اے صاحب مرے
جو بھی چاہے لے خزانے سے مرے — سو خزانوں پر مرے حق ہے تجھے

گھر ترا ہے جو بھی تو چاہے سو لے
دونوں عالم بھی ہیں کم تیرے لیے

بولا ایسا حکم فرمایا نہیں
میں خوشی سے اس کو کیوں لوں گا نہیں

خود سے میں باتیں نہیں کرتا فضول
غاصبانہ میں نہیں کرتا دخول

یوں بہانہ کرکے بازی جیت لی
رد کیا کیوں کہ عطا مخلص نہ تھی

گرچہ وہ سچا تھا، غِل، غصہ نہ تھا
شیخ کو ہر پیچ نظر آتا نہ تھا

بولا مجھ کو ہے یہ فرمانِ خدا
نان مانگوں میں بھکاری بن کر گیا

مانگتے ہیں بھیک ہم بس اس کے لیے
ہم کو کچھ لینا نہیں ہے مال سے

شیخ کو غیب سے اشارہ ہوا کہ ہمارے حکم کے مطابق ان دو سال میں تم نے لے لیا اور دیا اس کے بعد دو اور لو نہیں۔ بورے کے نیچے ہاتھ ڈالو کیوں کہ ہم نے اس کو تمھارے لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تھیلے کی طرح کر دیا ہے تم جو چاہو گے لے لو گے تا کہ دنیا والوں کو یقین آ جائے کہ اس عالم کے علاوہ کوئی عالم ہے جس میں تم مٹی ہاتھ میں لو تو سونا ہو جائے اور مردہ اس میں آجائے تو زندہ ہو جائے نحس اکبر اس میں آئے تو سعد اکبر بن جائے کفر اس میں آئے تو ایمان بن جائے زہر اس میں آئے تو تریاق بن جائے۔ وہ نہ اس عالم میں داخل ہے نہ اس عالم سے خارج نہ اوپر نہ نیچے نہ ملا ہوا نہ جدا۔ بے مثال و بے کیف ہے ہر وقت اس سے ہزاروں اثر اور نمونے ظاہر ہوتے رہتے ہیں جس کے ہاتھ کی دست کاری ہاتھ کی صورت کے ساتھ آنکھ کی ادا، آنکھ کی صورت کے ساتھ اور زبان کی فصاحت، زبان کی صورت کے ساتھ نہ داخل ہے نہ خارج ہے۔ نہ متصل ہے نہ جدا ہے اور عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے

شیخ نے دو سال تک یونہی کیا
بعد ازاں حکمِ خدا ان کو ملا

اور اس کے بعد دیتے جانہ لے
ہم نے یہ قدرت عطا کی ہے تجھے

ایک مانگے یا ہزار اس کو ملے
ہاتھ زیرِ بوریا ڈال اور لے
ہاں تو گنجِ رحمتِ بے حد سے لے
خاک سونا ہوگی تیرے ہاتھ دے
جو بھی چاہے دے بلا اندیشہ داد
داد حق کی ہے زیادہ سے زیاد
کچھ کمی ہوگی نہیں اس دین میں
کچھ پشیمانی نہیں اس دین میں
بوریے کی تہ سے لے اے معتمد
تا نہ لگنے پائے تجھ کو نظرِ بد
بوریے کی تہ سے مٹھی بھر کے لے
مانگنے والے ہر اک بے بس کو دے
بعد اس کے اجر تا ممنون دے
جو بھی چاہے گوہرِ مکنون دے
بن کے رہ جوں دست پر دستِ خدا
دستِ حق جوں رزق کرتا جا عطا
قرض سے تو قرضداروں کو چھڑا
مینہ بن کر فرشِ خاکی کر ہرا
کام یوں پھر سالِ دیگر تک کیا
جیب حق سے لے کے زر دیتا رہا
سونا اس کے ہاتھ تھی خاکِ سیہ
صف میں حاتم بھی تھا مانندِ گدا

بغیر کہے شیخ کا سائل کے دل کی بات جان لینا اور ان کے کہے بغیر قرض خواہوں اور قرض کی مقدار کو جان لینا اور کہنا کہ علامت یہ ہوتی ہے کہ میری مخلوق کی جانب سے میری صفات کے ساتھ نکل جس نے دیکھا اس نے کہا مجھے دیکھا

اپنی حاجت بھی نہ بتلاتے فقیر
دیتا تھا پاکر اشاراتِ ضمیر
ان کے آگے ہر کوئی روشن ضمیر
قرض خواہ و قیدی ہو یا ہو فقیر
دل میں جتنی مانگ ہوتی بہرِ داد
اتنا ہی ملتا اسے کم نا زیاد
پوچھتے لوگ ان کو کیوں کر پالیا
تم نے ان کے دل میں جو پوشیدہ تھا
وہ بتاتے دل جو ہو بے مدعا
خلد کے ہمسر ہے وہ خلوت کدہ
وہ ہے خالی عشقِ یزداں کے سوا
جز خیالِ وصل اس میں ہوگا کیا؟
جھاڑ ڈالا اس سے نیک و بد کا نام
گھر مرا عشقِ احد اس میں تمام
اس میں اب جو کچھ بھی ہے غیرِ خدا
وہ نہیں میرا، وہ ہے عکسِ گدا

پیڑ پانی میں اگر آئے نظر — عکس ہے باہر کے پیڑوں کا ادھر
تہ میں پانی کی جو شکل آئے نظر — نقشِ بیرونی کا ہے وہ عکس ادھر
کوڑا پانی سے ہٹانے کے لیے — تن کے چشمہ کی صفائی چاہیے
تا کدورت، گھاس، پھوس اس میں نہ ہو — تا دکھائے بے ملاوٹ عکسِ رو
تن میں تیرے ہے یہ کیچڑ کے سوا — خصمِ دل مٹی کو پانی سے ہٹا
اپنے کھانے پینے سے تو ہر گھڑی — ڈالتا ہے خاک جو میں تو خود ہی

لوگوں کے دل کی بات جاننے کا سبب

ہے درونِ آب جب ان سے تہی — عکس ان اشیا کا ہے باہر سے ہی
پس صفائی اپنے باطن کی تو کر — باطنِ درویش تا آئے نظر
پس ترا باطن مکدر ہے ابھی — دیو، دو، بن مانس ہیں اس میں سبھی
اے گدھے جھگڑوں سے تجھ میں ہے خری — پائے کیوں بوئے مسیحائی کبھی؟
کیسے سمجھے گا خیالِ نو کو تو — کس نہاں خانے سے آیا روبرو
زہد سے تن پاک ہو جیسے خیال — ذہن سے تا دھوئے تو اوچھے خیال
دل سے دھودے اپنے تو ہر کج خیال — تا نہ ہوجائے تو غیروں کی مثال

لومڑی کے مکر کا گدھے کے بچاؤ پر غالب آنا

دفع کرنے خر نے کوشش کی سبھی — پر تھی آفت اس پہ جوع الکلب کی
حرص غالب، صبر ڈھیلا پڑ گیا — حرص نے کاٹا ہے کتنوں کا گلا
آقا فرمائے، وہ حق سے باخبر — فقر بھی ہے کفر سے نزدیک تر
بھوک کی شدت نے بے بس کردیا — بولا گر ہے مکر لو مرجاؤں گا
چھوٹ جاؤں گا میں ظالم بھوک سے — موت بہتر گر ہے یوں جینا مجھے
کھاکے سوگند خر نے اول توبہ کی — پھر جو کی گڑبڑ وہ تھی اس کی خری

حرص، اندھا، احمق و ناداں کرے   احمقوں پر موت کو آساں کرے
موت ہے آسان برجانِ خراں   علم ان کو آبِ حیواں کا کہاں
جاں نہ ہو پائندہ جس کی وہ شقی   جرأت آگے موت کے ہے احمقی
جہد کرتا جاں تری دائم رہے   موت کے دن تا وہی توشہ بنے
اعتماد اس کا نہ تھا رزاق پر   بارشِ ابرِ کرم سے تا ہو تر
وہ نہ تھا اب تک بلا روزی کبھی   گاہے گاہے گو مسلط بھوک تھی

پرہیز اور بھوک کی فضیلت کے بیان میں

گر نہ ہو بھوک اور ہیں بیماریاں   ہونے والی ہیضہ کے پیچھے عیاں
بھوک ان بیماریوں سے خوب تر   پاک تر، آسان تر اور کارگر
سب دُکھوں سے بھوک ہے پاکیزہ تر   بھوک کے سو فائدے ، صدہا ہنر
بھوک ہے ساری دواؤں کی دوا   بھوک کو رسوا نہ کر جاں سے لگا
بھوک سے سب بےمزہ،خوش ذائقہ   بھوک بن کیا ذائقہ کیسا مزہ
دیکھا وہ کھاتا ہے جَو کی ناں کوئی   پوچھا اس سنت سے رغبت کیوں ہوئی
بولا ہوگی بھوک دونا صبر سے   لگتی ہے نانِ جویں حلوہ مجھے
پس میں چٹ کرلیتا ہوں حلوہ تمام   جب ہو لازم، صبر سے لیتا ہوں کام
بھوک کب قابو میں ہے ہر شخص کے   یہ چراگہ ہے سوا اندازہ سے
بھوک خاصانِ خدا کو دی گئی   بھوک سے تا ہوسکیں شیر اور قوی
بھوک ہر ناقص گدا کو کیوں ملے   چارہ ہے بسیار پھینکیں سامنے
ارزاں ہے کھاتو بھی اس خوراک کو   تو نہیں مرغابی، مرغِ ناں ہے تو
تیرے دل میں کچھ نہیں جز فکر ناں   تیرے لب پر کچھ نہیں جز ذکرِ ناں
گزری اتنی عمر حاصل کیا تجھے   موت کی خواہش بھلی اس زیست سے

اس مرید کی حکایت جس کے دل کی حرص سے شیخ واقف ہو گئے اور اس کو زبان سے نصیحت کی اور نصیحت کے دوران اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو توکّل کی قوت بخش دی

شیخ ہمراہِ مرید آئے وہاں — شہر کے اندر تھا قحطِ ناں جہاں
بھوک کا ڈر، قحط کا اندیشہ تھا — لحہ لحہ بھول ہوتی تھی سوا
شیخ کو تھی اس کے دکھ سے آگہی — پوچھے کب تک ہوگی یہ حالت تری
جل رہا ہے فکرِ ناں میں کس قدر — سربسر صبر و توکّل بھول کر
تو نہیں ان نازنینوں سے کوئی — کیا ضرورت کشمش اور اخروٹ کی
بھوک رزقِ جان خاصانِ خدا — اس سے کیوں محظوظ ہو تجھ سا گدا
مطمئن رہ تو کچھ ایسوں سے نہیں — تا ہو اس مطبخ میں تو بے ناں کہیں
کاسہ پر کاسہ ہے ناں پر ناں مدام — کھانے والوں کو میسر ہے تمام
ناں پہ مرتا ہے تو بھاگے تجھ سے ناں — مفلسی کے خوف سے دے دے گا جاں
تو چلا، ناں رک گئی، لینے ٹھہر — دشمنِ جاں یاس کے مارے نہ مر
کر توکّل، کیوں ہیں لرزاں دست و پا — تجھ سے بڑھ کر رزق ہے عاشق ترا
کہتا ہے عاشق ترا رُک رُک ابھی — اس کو ہے معلوم بے صبری تری
صبر گر کرتا تو پاتا رزق بھی — جیسے عاشق بھاگے آتا آپ ہی
یہ بخار و لرزہ تیرا بھوک سے — ہے توکّل میں شکم سیری تجھے

اس بیل کی حکایت جو ایک بڑے جزیرے میں اکیلا ہے، اللہ تعالیٰ اس بڑے جزیرے کو روز گھاس اور خوشبودار پودوں سے بھر دیتا ہے تا کہ رات تک اس بیل کے لیے چارہ رہے وہ بیل سب چر لیتا ہے اور پہاڑ کی طرح موٹا ہو جاتا ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو اس کو ڈر سے نیند نہیں آتی ہے کہ میں تمام جنگل چر لیا کل کو کیا چروں گا یہاں تک کہ وہ اس رنج سے تنکے کی طرح لاغر ہو جاتا ہے۔ ہر روز

اٹھتا ہے تمام جنگل کو زیادہ سبز اور زیادہ گھنا دیکھتا ہے اور اس میں سے پھر کھاتا ہے اور موٹا ہو جاتا ہے پھر رات کو اسے وہی غم آ پکڑتا ہے۔ سالوں گزر گئے ہیں کہ وہ یہی دیکھ رہا ہے اور بھروسہ نہیں کرتا

اک جزیرہ ہے جہاں میں سبز و تر — اک اکیلا بیل چرتا ہے اُدھر
سارے جنگل میں وہ چرتا تا بشب — تا ہو فربہ و بزرگ و منتخب
وقتِ شب یہ فکر کل کیا کھاؤں گا — تار بنتا ہوکے غم میں مبتلا
صبح کو ہوجاتا جنگل سب ہرا — تا کمر، ہوتا نیا غلہ اُگا
بیل گھستا اس میں باجوع البقر — شب تلک چر لیتا چارہ سربسر
کھاکے ہوتا موٹا تازہ اور قوی — جسم پر گوشت، اس میں سب چربی بھری
رات بھر کٹتی تھی تپ میں خوف سے — کرتا تھا لاغر غمِ صحرا اسے
یہ کہ کل صحرا میں جاکر کھاؤں کیا — بس یہی معمول برسوں تک رہا
پر نہیں آیا کبھی اس کو خیال — چر رہا ہوں سبز اس جا سال سال
کم نہیں پائی گئی روزی کبھی — کیسا غم کاہے کو دل سوزی مری
جوں ہی آیا موٹا، کھاپی کے بہ شب — دکھ میں لاغر کہ ہے خالی چارا سب
نفس ہے وہ بیل، صحرا یہ جہاں — ہوتا ہے لاغر وہ وجہِ خوف ناں
آنے والے دن میں میں کیا کھاؤں گا — حلوہ اپنا کل کہاں سے لاؤں گا
کھایا برسوں کم نہ پایا رزق پر — بدلے فردا کے ہو ماضی پر نظر
یاد کر حلوہ جو تو کھاتا رہا — دیکھ ماضی ، چھوڑ غم آئندہ کا
قصہ اب اس بیل کا تو چھوڑ کر — اب بیاں کر داستانِ شیر و خر

شیر کا اس گدھے کو شکار کر لینا اور محنت کی وجہ سے شیر کا پیاسا ہو جانا اور چشمہ پر جانا تا کہ پانی پیئے۔ شیر کے واپس آنے تک لومڑی گدھے کا جگر، دل اور گردہ کھا چکی تھی کیوں کہ

عمدہ تھا۔ شیر نے تلاش کیا تو دل وجگر نہ پایا، لومڑی سے دریافت کیا کہ دل وجگر اور گردہ کہاں ہے، لومڑی نے کہا کہ اگر دل وجگر اس کے ہوتا تو وہ سختی جو اس نے اس دن دیکھی تھی جس سے ہزار حیلے جاں بچائی تھی تو تیرے پاس کب آتا، اگر ہم سنتے اور سمجھتے دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے

لے گئی روباہ خر کو پیشِ شیر — اس کے ٹکڑے کردیا شیرِ دلیر
کرکے محنت شیر پیاسا ہوگیا — اور سوئے چشمہ پانی کو چلا
روبہ نے چٹ کرلیے دل اور جگر — اس کو تب فرصت میسر تھی اِدھر
شیر لوٹا چشمہ سے خوراک پر — ڈھونڈا دل اس میں نہ دل تھا نے جگر
پوچھا روبہ ہے کہاں دل اور جگر — ہوتے ہیں حیواں میں یہ دو خاص کر
بولا ہوتا دل جگر اس کو کوئی — پاس تیرے وہ نہ پھر آتا کبھی
حشر بھی دیکھا قیامت دیکھ لی — کود کر کہسار سے بھاگا تبھی
گر جگر یا دل اُسے ہوتا کوئی — کیا وہ تیرے پاس پھر آتا کبھی
جس میں نور دل نہ ہو وہ دل نہیں — جب نہیں جاں اس میں وہ جز گل نہیں
شیشہ وہ جس میں نہیں ہے نورِ جاں — بول کی بوتل ہے وہ بتّی کہاں
روشنیِ شمع دادِ ذوالجلال — صنعتِ انساں ہے شیشہ و سناں
برتنوں میں پائی جاتی ہے دوئی — روشنی ہوتی ہے مل کر ایک ہی
شمعیں چھ روشن اگر ہوں اک جگہ — نور ایک اک کا کہیں ہوگا جدا
وہ یہودی ظرف سے مشرک ہوا — نور دیکھا مومن اور مدرک بنا
روح سے جس کو رہا ہے واسطہ — ایک ہیں اس کو خلیل اور مصطفیٰؐ
دیکھے برتن اور نہ دیکھے روح کو — پایا دو وہ شیثؑ کو اور نوحؑ کو
نہر وہ پانی رہے جس میں رواں — آدمی کہلائے وہ جس میں جاں
مرد کاہے کو فقط صورت ہیں یہ — مردۂ ناں کشتۂ شہوت ہیں یہ

اس درویش کی حالت جو دن میں چراغ لیے ہوئے بازار میں چکر لگاتا رہا اس باطنی حالت کی وجہ سے جو اس کو حاصل تھی

شمع لے کر دن میں پھرتا تھا وہ روز — گردِ بازار اس کا دل پُرعشق و سوز
پوچھا اک بیہودہ اس کو اے فلاں — ڈھونڈتا کیا ہے تو نزد ہر دکاں
ڈھونڈتا پھرتا ہے تو لے کر دیا — روزِ روشن سے مذاق اچھا ہوا
بولا ہر سو ڈھونڈتا ہوں آدمی — حَی کی سانسوں پر ہو جس کی زندگی
بولا بس اک طالبِ انساں ہوں میں — پر نہ پایا ایک بھی حیراں ہوں میں
بولا انسانوں سے ہے بازار پُر — یہ سب انساں ہی تو ہیں اے مردِ حُر
بولا تو جویا ہے نادر چیز کا — کیا نہیں معلوم فرمانِ قضا
دیکھتا ہے شاخ جڑ کو چھوڑ کر — شاخ ہم اور اصل احکامِ قدر
چرخ گرداں کو قضا گمرہ کرے — سو عطارد کو قضا ابلہ کرے
بے بس آگے اس کے تدبیریں سبھی — لوہا پانی اس سے سنگِ خارہ بھی
بولے کرلوں راہ طے میں گام گام — خام تو خامی تری، تو خام خام
دیکھا جب تو گردشِ سنگِ آسیا — کرنے اب تو جو کا نظارہ بھی آ
خاک بردوشِ ہوا دیکھا ہے کیا — درمیانِ خاک بھی دیکھ اب ہوا
دیکھتا ہے فکر کے دیگوں کا جوش — دیکھ اندر آگ کے بھی تو بہ ہوش
حضرتِ ایوبؑ سے حق نے کہا — صبر ہر مو کو ترے میں نے دیا
منزلت پر صبر کی اپنے نہ جا — دیکھ تو ہے وہ عطائے صبر کیا
دیکھتا ہے چرخ کی گردش کو کیا — فضل بھی تو دیکھ میرِ آب کا
دیکھنے کا تو کرے اقرار بھی — دیکھنے کے ہیں کئی آثار بھی
جھاگ کی گردش تو دیکھی ہے مگر — ہوگی حیرت ڈال دریا میں نظر
جس نے دیکھا کف کو پیٹا اپنا سر — بحر دیکھا جس نے حیراں سر بسر

جس نے بھی کف دیکھا عہد اس نے کیا — بحر دیکھا جس نے دل دریا ہوا
جس نے کف دیکھا کرے گا وہ شمار — دیکھے دریا جو وہ ہو بے اختیار
دیکھے جو کف کو وہ گردش میں رہے — دیکھے جو دریا اسے پاکی ملے
جس نے کف دیکھا وہ مارا مفت کا — دیکھا دریا جس نے سولی پر چڑھا
کف کو جو دیکھا وہ متوالا بنا — دیکھا دریا غرق ہو وہ ہوگیا
کف جو دیکھے وہ کرے اس کی ثنا — دیکھے جو دریا بھلا بیٹھے انا
کف کو جو دیکھے اسے پاکی ملے — دیکھے جو دریا وہ آسودہ بنے

مسلمان کا ایک آتش پرست کو اسلام کی دعوت دینا اور اس کا جواب

گبر سے کہتا تھا کوئی اے فلاں — بن مسلماں ہو شریکِ مومناں
بولا گر چاہے خدا مومن بنوں — مہربانی گر بڑھے موقن بنوں
بولا حق کو چاہیے ایماں ترا — تا کہ تیری جاں ہو دوزخ سے رہا
پر ترا وہ نفس وہ شیطانِ زشت — تجھ کو کھینچے ہے سوئے کفر و کشت
بولا اے عادل جو غالب ہیں وہی — یار ہوں ان کا وہ بازور و قوی
میں اسی کا یار جو غالب رہے — میل اسی کی سمت جو جاذب رہے
مجھ سے صدقِ پختہ کا خواہاں خدا — صرف خواہش سے بھلا کیا فائدہ
نفس و شیطاں کی طلب بڑھتی رہی — وہ عنایت ریزہ ریزہ قہر تھی
تیری اک تعمیر وہ قصر و سرائے — سو نقوش اس کے حسیں تو نے بنائے
چاہے تو مسجد بنے و جائے خیر — دوسرا آئے بنائے اس کو دیر
روئی سے کپڑا بنایا تا اِسے — جامہ کرلے تن چھپانے کے لیے
تو قبا چاہے ترا دشمن مگر — ہے مصر اپنے لیے شلوار پر
پس کپاس اس کا کرے گی کیا علاج — جز کہ خدمت اس کی غالب ہو جو آج
خود زبوں وہ، جرم کیا کر پاس کا — کون جو مغلوب پر غالب نہ تھا

گر کسی نے بے طلب حملہ کیا
کانٹوں سے ملک و مکاں سب بھر دیا

گھر کا مالک آپ خود ذلت اٹھائے
اور خلافت غیر کے ہاتھوں میں جائے

تازہ رہتے بھی میں بوسیدہ بنوں
یعنی یارِ پُر مذلت ہو رہوں

جب ہے خواہش نفس کی حامی مری
''جو خدا چاہا ہوا'' ہے مسخری

ہوں اگر کافر میں یا تنگِ مغاں
ہو نہیں سکتا خدا سے بدگماں

اس کی مرضی بن خلافت اس کے کوئی
ملک میں اس کے حکومت اس نے کی

ملک اپنا ہار سکتا ہے کہیں؟
خود دیا دم، دم نہ مارے گا نہیں

دفع کرنا چاہے، اس کو چاہیے
اس کا غصہ دیو بھڑکاتا رہے

ہوگی لازم بندگی شیطان کی
کیوں کہ ہر محفل میں ہے غالب وہی

ڈر ہے شیطاں کینہ ور ہوجائے گا
دستگیری کیا خدا فرمائے گا؟

جو بھی چاہے گا اسے مل جائے گا
پھر عمل میرا کہیں کام آئے گا؟

رحمٰن کے در پر شیطان کی مثال

حاشا للہ حق نے جو چاہا ہوا
دو جہاں کا حکمراں ہے بس خدا

ملک اس کا گر نہ وہ فرمان دے
بال بھر بھی کیا اضافہ کر سکے

سلطنت اس کی ہے اس کا حکم بھی
اس کے در کا کتا شیطانِ شقی

ترک کے دروازے پر کتا ہو گر
رکھتا ہے چہرہ وہ سر دروازے پر

گھر کے بچے دم سے کھیلیں بھی ہزار
چپ ہے گو ہوتا ہے ان کے ہاتھ خوار

اجنبی کوئی گر آجائے اُدھر
اس پہ جھپٹے گا وہ گویا شیر نر

وہ اشدّاءُ علی الکُفّار تھا
پھول اپنوں کو عدو کو خار تھا

آش جو دیتا تھا اس کو ترکماں
تھا وفادار اور اچھا پاسباں

وہ سگِ شیطاں بنایا حق جسے
حیلے اور صدہا خیال اس کو دیے

آبروئیں رزق اس کے واسطے
نیک و بد کی آبرو وہ لوٹ لے

ہے حریرہ اس کو ناموسِ عوام ‏ اس سے پاتا ہے سگِ شیطاں طعام
بارگاہِ حق پہ رہتا ہے پڑے ‏ امرِ حق پر کیوں نہ جاں قرباں کرے
باغی اور وافی پرے اندر پرے ‏ بازو اس کے در سے پھیلائے ہوئے
کہفِ حق کے آگے جوں کتا پڑا ‏ منتظر ہے ذرّہ ذرّہ حکم کا
ہاں کر اے شیطان کتّے امتحاں ‏ پھرتے آئے جب کوئی بندہ یہاں
منع کر یا چھوڑ اس کو جانچ کر ‏ کہ وہ سچائی میں مادہ ہے کہ نر
پس اَعُوذُ کیوں ہے سکھلایا ہوا ‏ سگ تکبر میں جو آئے دوڑتا
ہے اعوذ ترکِ خطا کو اک صدا ‏ کہ ذرا کتّے کو رستے سے ہٹا
تا ترے دربار تک میں آسکوں ‏ جود سے تا حاجت اپنی پاسکوں
سطوتِ سگ سے ہے ترک عاجز اگر ‏ ہے اعوذُ بے فائدہ اور بے اثر
تُرک بھی تب کتّے چاہے پناہ ‏ گھر کے کتّے سے میں خود تنگ آ گیا
تو جو اندر گھر کے آسکتا نہیں ‏ گھر سے باہر میں بھی تو جا سکتا نہیں
ہائے اس تُرک اور اس مہماں کا حال ‏ دونوں کو پھانسے ہے اک کتّے کا جال
حاشا للہ تُرک اک نعرہ بھرے ‏ سگ بھی جیسے شیر نر خوں قے کرے
اے کہ تونے خود کو شیر حق کہا ‏ رہ کے برسوں کتے سے عاجز رہا
کیوں کرے تیرے لیے کتّا شکار ‏ جب شکارِ سگ ہے تو خود آشکار

بندہ کے اختیار کے ثابت کرنے میں سنی مومن کا جبری کافر کو جواب دینا اور دلیل بیان کرنا کہ سنت وہی راستہ ہے جو انبیا علیہم السلام کے پاؤں کا روندا ہوا ہے اس کے دائیں جانب جبر کے جنگل کا راستہ ہے جو کہ اپنا اختیار نہیں سمجھتا ہے اور امر و نہی کا منکر ہو جاتا ہے اور تاویل کرتا ہے اور امر و نہی کے منکر ہونے سے بہشت و دوزخ کا انکار لازم آتا ہے کیوں کہ بہشت فرماں برداروں کی جزا ہے اور دوزخ حکم کے مخالفوں کی جزا ہے۔

میں اور مزید نہیں کہتا کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے، عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے اور اس کے بائیں جانب قدر کا جنگل ہے جو اللہ کی قدرت کو مخلوق کی قدرت سے مغلوب سمجھتے ہیں اور اس سے وہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن کو وہ جبری آتش پرست گنا تا ہے

بولا سنّی سن اے جبری یہ خطاب
تو نے اپنی بات کہہ دی سن جواب

بس کھلاڑی تیری بازی دیکھ لی
دیکھ لمبی چوڑی بازی خصم کی

دفتر اپنے عذر کا پورا کیا
تو کتابِ سنّی بھی پڑھ لے ذرا

جبریانہ ہے یہ تعریفِ قضا
بھید اس قصہ کا سن مجھ سے ذرا

اختیار اپنے لیے بھی ہے یقیں
جس کا ہم انکار کرسکتے نہیں

بن نہ جبری دیکھ اپنا اختیار
ٹھیک رہ چل چھوڑ دی جب رہ گزار

کوئی پتھر سے نہیں کہتا کہ آ!
کس کو ہے ڈھیلے سے امیدِ وفا

آدمی کو کون اڑنے کو کہے
اور نہ اندھے کو کہیں گے دیکھنے

بولا اندھوں پر کوئی تنگی نہیں
تنگ کرے گا رب کشائش کا کہیں

سنگ کو کیا بولیں آیا دیر سے
یا کہیں لکڑی کو کیوں مارا مجھے

ایسے استفسار اک مجبور سے
کون پوچھے گا بھلا معذور سے

گر نہ کر ، غصہ و اعزاز و عتاب
راست ہے مختار کے حق میں جناب

ہے نشانِ حاکمی جور و جفا
نفس و شیطاں سے یہی ہے مدعا

اختیار اندر ترے دل میں نہاں
دیدِ یوسف چاہیے تا ہو عیاں

نفس میں تھا اختیار و داعیہ
دیکھتے ہی چہرہ بس اُڑنے لگا

سگ تھا سویا، اختیار اس کا تھا گُم
گوشت جب دیکھا ہلایا اپنی دُم

گھوڑا جَو دیکھے خوشی سے ہنہنائے
بلّی میاؤں بولے جب آگے گوشت پائے

حاکمی حرکت میں آئے دید سے
پھونک پھیلائے شرارے آگ کے

جیسے شیطاں تیری خواہش سر اٹھائے
بن کے دلالہ وہ پیغامات لائے

جب ہوا مطلوب اپنا آشکار　　اُڑ گیا لڑنے پہ خفتہ اختیار
دیو کا دشمن فرشتہ خیر کا　　ہوگا پیدا اُس سے دل میں غلغلہ
اختیار خیر تا جنبش دکھائے　　خفتہ دو خو نیند سے چھٹکارا پائے
پس فرشتہ و دیو آگے آگے تھے　　اختیار اپنا جتانے کے لیے
پس وساوس اور الہامات سے　　زور خیر و شر کا دس گنا بنے
طاعتوں میں بعدِ سجدہ و قیام　　پھیرتے ہیں ہم فرشتوں پر سلام
بس کہ الہام دعا سے آپ کی　　یہ نماز و بندگی پوری ہوئی
جو گنہ کے بعد تو لعنت کرے　　کہ کیا ابلیس نے کیڑا تجھے
طاقتیں دو متضاد و پردہ دار　　غیب کے پردے میں ان کے کاروبار
پردۂ غیب اٹھ گیا آگے سے جب　　دیکھے گا تو اپنے وہ دلال سب
جان لے گا تو بھی ان کی باتوں سے　　بولنے والے وہی پردے میں تھے
دیو بولے طبع و تن کے غلام　　لا دکھایا، جبر سے کیا مجھ کو کام
بولے وہ میں نے تجھے بتلادیا　　اس خوشی سے میرا غم بڑھ جائے گا
میں نے تجھ سے کہہ دیا اس روز ہاں　　کہ ادھر ہے راستہ سوئے جناں
جاں کے دلدادہ ہیں روح افزترے　　ساجد و مخلص ہیں تیرے باپ کے
ہوں تری خدمت میں مصروف اس گھڑی　　دیتا ہوں تجھ کو صلا، مخدومی کی
وہ گروہ دشمن تھا تیرے باپ کا　　حکمِ ''اُسجد'' کا وہ منکر ہوگیا
بات لی اس کی ہماری چھوڑ کر　　حقِ خدمت پر نہ تھی تیری نظر
ہم کو، ان کو دیکھ عیاں تو اس زماں　　دیکھے دونوں کے انداز و بیاں
نیم شب سنتا ہے زاری یار کی　　بات سے پائے سحر کو ہے وہی
شب کو جب دو آدمی لائیں خبر　　دن کو جانے دونوں کو آواز پر
بانگ شیر آوازِ سگ دن کو سنا　　ان کا تاریکی میں منھ دیکھا نہ تھا
دن ہوا دونوں نے پھر آواز دی　　ان کو پہچانا جو بانگ ان کی سنی

الغرض دیو اور فرشتہ عرضہ دار — ہیں یہ دونوں بھی تتمۂ اختیار
ہے ہمارا اختیار اندر خموش — ہو عیاں مقصود تو دکھلائے جوش
مار ہے بچوں کو سکھانے ادب — مارتے ہیں سنگ کو استاد کب
تو کبھی پتھر سے کہتا ہے کل آ؟ — گر نہ آئے میں تجھے دوں گا سزا
مارتے ہیں ڈھیلے کو عاقل کہیں — سنگ پر ہوگا کوئی غصہ نہیں
ہے خرد کو جبر کمتر قدر سے — کیوں کہ اپنے حِس کا ہے انکار اُسے
حِس کا تو منکر نہیں مردِ قدر — فعلِ حق حِسّی نہیں ہے اے پسر
منکرِ فعلِ خداوندِ جلیل — اس کا طرز انکارِ مدلولِ دلیل
آگ بن اس کو دھوئیں کا ہے یقیں — شمع اجالے کے لیے لازم نہیں
وہ دگر دیکھے مجسم نار کو — کہہ رہا ہے نیست وہ انکار کو
جامہ جلتا ہے، نہیں آتش کہیں — جامہ سِلتا ہے مگر دھاگا نہیں
پس ہے سو فسطائی دعویٰ جبر کا — خوب تر ہے اس سے دعویٰ گبر کا
گبر کہتا ہے جہاں ہے رب نہیں — مستجب ہوں گی دعائیں بھی کہیں؟
وہ بھی بولے یہ جہاں ناکارہ ہے — پیچ میں سو فسطائی بیچارہ ہے
ہے کُل عالم کو یقینِ اختیار — امر و نہی یہ بس نہ رکھ کچھ اس سے کار
بولے امر و نہی کو وہ بھی ہے لا — اختیار اپنا جتانا ہے خطا
حِس کے قائل ہیں سبھی حیواں رفیق — پر دلیلیں اس کی ہوتی ہیں دقیق
کیوں کہ ہے محسوس ہم کو اختیار — ہے مناسب اس لیے تکلیف کار

باطنی احساس جیسے کہ اختیار اور اضطرار اور غصہ اور صبر کرنا اور پیٹ بھرنا اور بھوک، جس کے قائم مقام ہے جو کہ زرد کو سرخ سے اور چھوٹے کو بڑے سے اور کڑوے کو میٹھے سے اور مشک کو گوبر سے اور سخت کو نرم سے، سرد کو گرم سے اور جلانے والے

کو کنکنے سے تر کو خشک سے اور دیوار کے چھونے کو درخت کو چھونے سے فرق کرتی ہے تو باطنی احساس مل کر حس کا منکر ہوگا اور اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ باطنی احساس حس سے بڑھ کر ہے کیوں کہ حس کو احساس کرنے سے باندھا اور روکا جا سکتا ہے اور باطنی احساسات کے راستہ اور مدخل کو بند کرنا ممکن نہیں ہے۔

عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے

باطنی احساس ہے حِس کی جگہ　　دونوں اک جدول میں چلتے ہیں سدا

اس بنا پر ٹھیک کہتا ''کر نہ کر''　　حکم دینا منع کرنا بول کر

یہ کروں گا وہ کروں گا کل کے روز　　ہے دلیلِ اختیار اے جاں فروز

امر و نہی، و انذار ہے قرآں سبھی　　سنگِ مرمر کو نصیحت کس نے کی

عاقل و دانا سے ممکن ہے کہیں؟　　غصہ سنگ و خشت پر ہوں گے نہیں

ایسا ویسا کرنے میں نے کب کہا؟　　کیوں نہیں تم نے کیا پوچھا ہے کیا؟

حکم کیوں دے گا خرد اور سنگ کو　　باجتا ہے کوئی نقشِ چنگ کو؟

دست بستہ پاشکستہ بندے آ　　نیزہ لے چل جنگ کو کس نے کہا

خالقِ افلاک و انجم بھی کہیں　　جاہلانہ حکم دیتا ہے ؟ نہیں

احتمالِ عجز اللہ پر تجھے　　تو پراگندہ کہے جاہل کہے!

عجز بے ہودہ ہے دربابِ قدر　　عاجزی سے جاہلی ہے خوار تر

تُرک مہماں کو بتائے لطف سے　　بے سگ و بے دلق آ در پر مرے

اُس طرف سے اندر آنا با ادب　　بند تا سگ کے رہیں دندان و لب

بر خلاف اس کے جو در پر آئے گا　　زخم تو دندانِ سگ سے کھائے گا

چل غلاموں کی طرح اس کے یہاں　　اس کا کتّا تا ہو نرم و مہرباں

تیرے ہمرہ کتّا ہو یا لومڑی　　بھونکتے ہیں کتّے خیموں سے سبھی

اختیار اللہ ہی کو ہے اگر　　غصہ ہے کیوں تجھ کو جرم غیر پر

پیتا ہے دانت اپنے کاہے کو
دیکھتا ہے جب بھی تو جرمِ عدو

گھر کی چھت سے ٹوٹ کر لکڑی گرے
آ پڑے تجھ پر تجھے زخمی کرے

غصہ لکڑی پر کچھ آئے گا تجھے
دل میں رکھے گا تو بغض اس کے لیے

ہاتھ میرا توڑا مجھ پر آ گری
کیوں گرایا ، کیوں تو مجھ پر آ گری

کیا عدو، دشمن تھی میری جان کی
اور قصداً جان کے درپے ہوئی

مارتا ہے کس لیے بچوں کو ہی
اس سے کیوں رکھا بزرگوں کو بری

کہتا ہے کوئی چرائے مال اگر
ہاتھ پاؤں کاٹ اس کو قید کر

قصد بیوی کا تری جو بھی کرے
لاکھوں غصے پھوٹ پڑتے ہیں ترے

مال اگر سیلاب لے جائے بہا
غصہ عاقل نے کبھی اس پر کیا

آئے جھونکا باد کا پگڑی اڑے
باد پر کیا غصہ آئے گا تجھے

تیرا غصہ ہے ظہورِ اختیار
وہ نہ ہوگا جبر یا نہ اعتذار

اونٹ کو اپنے جو پیٹے ساریاں
ہوگا اقدام اس کا سوئے سارباں

غصہ لکڑی پر نہیں ہے اونٹ بھی
اس نے بھی پالی ہے بو مختار کی

کتے پر پھینکے جو تو پتھر کوئی
حملہ آور ہوگا تجھ پر وہ تبھی

سنگ اٹھاتے بھی تجھی پہ غصہ تھا
دور تھا قابو میں اس کے تو نہ تھا

عقلِ حیوانی کو معلوم اختیار
عقل انساں کیوں نہیں تو شرمسار

سحری کھاتے لالچی وقتِ سحر
موندتا ہے آنکھ اجالا دیکھ کر

ہے توجہ اس کی کھانے پر تمام
پس اجالے سے اسے کیا ہوگا کام

حرص پردہ ہوگئی سورج پہ جب
ہو جو اعراض از دلائل کیا عجب

سن مثل انکار سے رکھنا نہ کار
یہ ہے تیرا امتحانِ اختیار

حکایت اس چور کی جس نے کوتوال سے کہا کہ جو کچھ میں نے کیا خدائی تقدیر تھی اور کوتوال کا جواب نیز مخلوق کے اختیار کو ثابت کرنے کے بیان میں نیز اس کا بیان کہ تقدیر اور قضا اختیار کو سبب بنانے والے ہیں اور اختیار کو سلب کرنے والے نہیں ہیں

چور بولا شحنہ سے اے بادشاہ — جو کیا میں نے وہ تھا حکمِ الٰہ
شحنہ بولا میں نے بھی جو کچھ کیا — وہ بھی ہے تعمیل حکمِ کبریا
گر دکاں سے کوئی مولی مفت اٹھائے — اور اسے تعمیل حکم حق بنائے
سر پہ دو مکّے لگائے دوسرا — اور کہے رکھ دے یہ ہے حکمِ خدا
باب میں سبزی کے یہ عذرِ فضول — آگے اک بقال کے ہے ناقبول
اس بہانے پر بھروسہ کرلیا ؟ — پھر رہا ہے گردِ مار و اژدہا
ایسے عذرِ لنگ پر اے بے حیا — تو نے خون و مال و زن قرباں کیا
ہر کوئی نوچے گا اب مونچھیں تری — عذر مجبوری سے لائے گا بھی
عذرِ حکمِ حق ہے گر زیبا تجھے — پس تو سکھلا اور فتویٰ دے مجھے
میں ہوں صد ہا شہوتیں دل میں مرے — ہاتھ میرے خوف و ہیبت سے بندھے
پس کرم کر عذر کی تعلیم دے — کھول دے تو ہاتھ پاؤں کو مرے
اختیار اک پیشہ مرضی سے کیا — ساتھ ہی مرضی کے اندیشہ رہا
کیوں قبولا ورنہ وہ پیشہ بتا — اخذ وہ پیشہ تو پیشوں میں کیا
آئی جس دم نوبتِ نفس و ہوا — زور ہوگا بیس مردوں کا عطا
نفع گر یک حبّہ بھی لے تجھ سے یار — جنگ پر تل جائے تیرا اختیار
جب بھی آئے موقع طاعت و شکر کا — خود کو بے بس جانے گویا سنگ تھا
عذر دوزخ کو یہ ہوگا بالیقیں — اختیار اس آگ پر میرا نہیں
پر یہ حجت عذر کے قابل نہیں — دور تجھ سے پنجۂ قاتل نہیں
داد گر کا ہے یہی طرزِ نظام — پالیا حال اُس جہاں کا بھی تمام

نیز حکایت جبری کے جواب میں اور اختیار ثابت کرنے اور حکم دینے اور روکنے کی صحت کے بارے میں اور اس بیان میں کہ جبری کا عذر کسی ملت اور دین میں مقبول نہیں ہے اور اس کام کی سزا سے جو اس نے کیا ہے، چھٹکارے کا سبب نہیں ہے۔ چنانچہ شیطان اس قول " رَبِّ بِمَا اَغوَیْتَنِی " کی وجہ سے کہ خدا تو نے مجھے گمراہ کیا، چھٹکارا نہ پا سکا اور تھوڑا بہت دلالت کرتا ہے

جھاڑ پر چوری سے کوئی چڑھ گیا — پھل بہت سارے گرانے میں رہا

باغ والا آیا اور کہنے لگا — حق سے شرمایا نہیں یہ کیا کیا

بولا باغ اللہ کا میں بندۂ خدا — خرما اس کی دین پس میں کھالیا

کیوں ملامت جاہلانہ تونے کی — خوانِ حق کا بخل کیوں، وہ ہے غنی

بولا خادم کو ابھی لے آ رسن — جلد تا کہ دوں جوابِ بوالحسن

بولا آخر تو خدا سے شرم کر — مارتا ہے بے گنہ کو کس قدر

باندھا مضبوطی سے اس کو جھاڑ سے — مارا پنڈلی پیٹھ پر لکڑی لیے

بولا حق کی لکڑی سے بندۂ خدا — بندۂ دیگر کو دیتا ہے سزا

لکڑی، پہلو، پشت سب مِلکِ خدا — حکم حق کا، میں غلام اللہ کا

بولا توبہ جبر سے کرتا ہوں یار — پس ہے ثابت اختیار و اختیار

حاکمی سے تیری ثابت اختیار — حکم اس کا گرد میں جیسے سوار

اختیارِ حق سے ہم با اختیار — امرِ حق سے ہم نے پایا اختیار

حاکمی جو ہے حکومت سے تہی — جملہ مخلوقات میں پائی گئی

بے مشقت کھینچ لے تا صید کو — کان پکڑے لائے تا کہ زید کو

حق کی صنعت کوئی آلت کے بنا — پانسہ اس کے بل کو دیتی ہے بنا

زید کو قیدی بنائے اختیار — بے سگ و بے دام کرلے وہ شکار

اور وہ بڑھی ہے حاکم چوب کا — اور مصور حسن کا حاکم ہوا

حکم جاری لوہے پر لوہار کا — حکم ہے آلات پر معمار کا

اے عجب کہ اتنے سارے اختیار — اختیارِ حق سے عامل بندہ وار

بل سے بیجاں پر حکومت ہے تری — اس سے بیجاں کی نہیں ممکن نفی

اختیاروں پر وہ قادر پر کبھی — اختیاروں کی نہیں ہوتی نفی

اس کی مرضی کا حوالہ انتہا — ورنہ ڈر ہے جبر اور گمراہی کا

خود کرے کفر اور کہے حق کی رضا — اس میں بھی شامل ہے خود تیری رضا

کفر تیرا ہو اگر تیری رضا — ہے تناقض ورنہ مرضی کے بنا

حکم عاجز کے لیے کار ذمیم — غصہ کیوں ہوگا وہ ہے ربِ رحیم

بیل پٹتا ہے نہ لے گر وہ جوا — جو نہ کودے سرنگوں ہوجائے گا

کام کا بیل اور بیکار و فضول — عذر مالک کا کہیں ہوگا قبول

جب نہیں بیمار تو سرکو نہ کس — ہوگا تو مختار مونچھوں پر نہ ہنس

جہد کر، پا جامِ حق سے تازگی — بیخود و بے حاکمی ہوگا تبھی

ہوگا تب اس مے کو پورا اختیار — ہوگا تب معذورِ مطلق مست وار

تو جو بولے ہوگی مے کی گفتگو — مے کا جھاڑا ہوگا جھاڑے گا جو تو

کیا کرے وہ مست جز عدل وصواب — نوش جامِ حق سے اس نے کی شراب

بولے ساحر ٹھہرو فرعون اب ذرا — مست تھا وہ بے تمیزِ دست و پا

بادۂ حق ہے ہمیں سب دست و پا — دستِ ظاہر سایہ ہے اس ہاتھ کا

جب نشہ میں چور کردے گا وہ جام — گھیر لے گا خانۂ دل کو تمام

جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہوا کے معنی مشیت، اس ہی کی مشیت ہے اور رضا مندی اس ہی کی رضا مندی ہے، تم دوسروں کے غصہ اور ردّ سے رنجیدہ نہ ہو (لفظ) کَانَ اگر چہ ماضی کا صیغہ ہوتا ہے کیوں کہ ہمارے پروردگار کے یہاں صبح اور شام نہیں ہوتی ہے

قولِ بندہ جو خدا چاہا ہوا — یہ نہیں ہوجائے تو بے دست و پا
بلکہ ہے اخلاص و کوشش کا پیام — بہر خدمت کر تو تیاری تمام
گر کہیں کر جو بھی تو چاہے تمام — تیری مرضی کے موافق ہیں وہ کام
بعد اس کے کاہلی تجھ کو روا — جو بھی چاہے جو کہے ہوجائے گا
جب کہیں گے جو خدا چاہا ہوا — حکم اس کا حکمِ مطلق ہے سدا
جاکے سو مردوں سا اس کے گھاٹ پر — کیوں نہیں کرتا طواف اس کا مگر
گر کہے کوئی کہ یہ چاہے وزیر — مبنی اس کی مرضی پر سب دار و گیر
سو جواں بن کر پھروگے گردِ زود — تم پہ تا برسائے وہ احسان و جود
یا وزیر و قصر سے بھاگے گا تو — یہ نہیں اس کی مدد یا جستجو
الٹے کاہل ہوگا تو اس بات سے — الٹی فہم و رائے والا ہورہے
دیکھ ہے حکمِ فلاں خواجہ یہی — ماسوا کے ہاں نہ جا ہرگز کبھی
طوف خواجہ کر وہ فرمان روا — مارے دشمن یار کو کردے رہا
وہ جو چاہے گا وہی پائے گا تو — اس کی خدمت میں خوشی پائے گا تو
جو نہ ہو حاکم، نہ ہو اس پر فدا — تا نہ ہو رخ زرد اور تا مہ سیہ
جو ہے حاکم تھام دامن اس کا بس — حکم اوروں کو نہ اس پر دسترس
ٹھیک تاویلیں جو رکھیں گرمِ کار — پُرامید و محکم و با شرم و عار
وہ نہیں تاویل جو کاہل کرے — ٹھیک ہے تبدیل کیجیے گا اُسے
یہ تو ہے سرگرم رکھنے کے لیے — تا کہ انساں نا امیدی سے بچے
معنیِ قرآں سمجھ قرآن سے — یا جو بیزار ہوس ہو پوچھ اسے

جو کوئی قرآن پر قربان ہے — جو ہر اس کی جان کا قرآن ہے
تیل جو گُل میں فنا ہوجائے گُل — چاہے روغن سونگھ یا چاہے تو گُل
گر نہ سمجھے ڈھونڈ تاویل اس کی تو — تاکہ وہ چمکائے تیرے قلب کو

اوراس طرح ان کی تاویل ہے کہ قلم (تقدیر) خشک ہو چکا ہے اور اس نے لکھ دیا ہے کہ اطاعت اور نافرمانی برابر نہیں ہے اور نہ امانت اور چوری یکساں ہے، قلم خشک ہوگیا ہے کہ شکر اور کفر برابر نہیں ہے، قلم خشک ہوگیا ہے بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے

ہے یونہی تاویل 'قد جف القلم' — تا تو ہو مشغولِ اشغالِ اہم
پس قلم انجام عمل کا لکھ دیا — ہر مناسب اس کی تاثیر و جزا
کج روی ہو تو مقدر ہے کجی — اور سعادت کو بڑھائے راستی
بدنصیبی ظلم پر جف القلم — عدل تو کھائے ثمر جف القلم
ہاتھ چوری پر کٹے جف القلم — مست ہو گر مے پیئے جف القلم
کیا یہ جائز ہے کہ ہوجائے خدا — حکم اول کے سبب معزول سا
کام میرے ہاتھ سے جاتا رہا — زار زار اب تو مرے آگے نہ آ
بلکہ ہیں یہ معنیِ جف القلم — میرے ہاں یکساں نہیں عدل و ستم
فرق ثابت ہے میانِ خیر و شر — ہیں الگ نا خوب اور ناخوب تر
ذرّہ بھر گر تجھ میں بڑھ جائے ادب — دوست سے تو سمجھے اس کو فضلِ رب
ذرہ وہ تیرا بڑا ہوجائے گا — کوہ بن کر رونما ہوجائے گا
سلطنت میں اپنی گر اک شاہ کو — فرق امانت دار و ظالم میں نہ ہو
وہ ہے لرزاں خوف سے تردید کے — وہ دگر جو طعنہ خود آبا کو دے
پھر وہ جس کو کہ ہوں دونوں ایک سے — خاکِ تیرہ سر پہ ایسے شاہ کے

ذرّہ بھر بھی گر تری کوشش بڑھے جو ترازوئے خدا میں تُل سکے
آگے ایسا شاہوں کے یہ جانکنی عذر انھیں معلوم ہو نہ روشنی
گر کہے غماز اس نے گالی دی برسوں کی خدمت تری ضائع ہوئی
بادشہ ایسا جو خود دیکھے سنے بات غمازوں کی کیوں بھائے اسے
ہوں گے غمازان سبھی مغلوب یاس بند کو افزوں کریں آئیں گے پاس
اور سنائیں ظلمِ حق کی داستاں ختم ہوتی ہے وفا آکر یہاں
معنیِ جف القلم یہ ہیں، نہیں ہیں جفائیں اور وفا یکساں کہیں؟
پھل جفا کا ہے جفا جف القلم پھل وفا کا ہے وفا جف القلم
عفو ہو بھی کیا ہے شان آرزو تقویٰ سے ہاں بندہ ہو وے سرخرو
چور بخشائش سے پائے گا اماں خازن و دیواں بنے ایسا کہاں
اے امین الدین ربانی تو آ ہیں امانت کا صلہ تاج و ہوا
پور سلطاں بھی خیانت گر کرے اس کا سر تن سے جدا ہوکر رہے
بندہ ہندو سے جو ہو صادر وفا بخت سے ہو نعرہ زندہ باد کا
بندہ کیا گر ہو سگِ در باوفا دل میں آقا کے ملے اس کو جگہ
چومے منھ کتّے کا از بہرِ وفا شیر اگر ہو اس کی کیا ہوگی جگہ
اور اگر اک چور بھی خدمت کرے ظلم کی جڑ بیچ اُکھیڑے پھینک دے
جب فضیلؒ راہزن نے توبہ کی ان میں دس مردوں کی قوت آگئی
ساحروں نے جیسے منھ فرعون کا از رہِ صبر و وفا کالا کیا
بدلے میں کٹوائے اپنے دست و پا اس کے آگے طاعتِ صدسالہ کیا
تونے بھی طاعت پچاسا سال کی ایسی سچائی بھی پائی ہے کبھی

اس فقیر کی حکایت جس نے عمید خراسانی کے غلاموں کو ہرات میں دیکھا بنا ٹھنا، عربی گھوڑے پر زربفت کی قبائیں پہنے ہوئے اور (کڑھائی سے) ڈھپی ہوئی

ٹوپیاں اوڑھے ہوئے۔ اس نے پوچھا یہ کون سے سردار ہیں؟ اور کیسے بادشاہ ہیں؟ لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ سردار نہیں یہ عمید خراسانی کے غلام ہیں۔ اس نے آسمان کی طرف منھ کیا کہ اے اللہ تعالیٰ غلاموں کی پرورش کرنا عمید خراسانی سے سیکھ لے، وہاں وزیر اعظم کو عمید کہتے ہیں

دیکھے اک منھ پھٹ ہراتی شخص نے — کچھ سپاہی اک بڑے سردار کے
جامہ اطلس اور پٹکا سونے کا — رخ کیا سوئے فلک کہنے لگا
اے خدا کاہے نہ تونے سیکھ لی — اُس سخی صاحب سے بندہ پروری
اے خدا بندہ نوازی سیکھ لے — اس رئیسِ برگزیدۂ شہر سے
وہ تھا محتاج و برہنہ بے نوا — لرزلرزاں جاڑے کی شدت سے تھا
بیخودی میں بات گستاخانہ کی — اس نے جرأت کی جو ناشائستہ تھی
اعتماد اس کا ہے بخشش پر بڑا — کیوں کہ عارف ہے ولی اللہ کا
گر ولی اللہ گستاخی کرے — تو نہ کر، کیا ہے سند تیرے لیے؟
پٹکے سے بہتر خدا نے دی کمر — تاج دے گا کوئی وہ دیتا ہے سر
شاہ اک دن ہوگیا اس پر خفا — دھر کے تہمت باندھے اس کے دست و پا
اُن غلاموں پر شکنجے کس دیے — بولا دکھلاؤ دفینے خواجہ کے
اے خسو! کرڈالو راز اس کے عیاں — کاٹ دوں گا ورنہ میں حلق و زباں
اک مہینے تک یونہی جور و جفا — وہ شکنجے کا کساؤ درد زا
ٹکڑے ٹکڑے کردیے ان کے تمام — پر نہ منھ کھولا کوئی اس کا غلام
خواب میں ہاتف نے اس کو یہ کہا — بندہ بننا بھی تو سیکھ اے خواجہ آ!
پوستیں یوسف کی تونے چاک کی — بھیڑیا پھاڑے تجھے، ضامن تو ہی
وہ پہن جو سال بھر تونے بُنا — کھا وہی جو سال بھر بویا کیا
ہے مکافاتِ عمل دُکھ دم بدم — اور یہی تاویلِ قد جف القلم

راستی اپنی نہ چھوڑیں گے کبھی — نیک نیکی کا عوض بد کا بدی
کام جاری رکھ سلیماں زندہ ہے — دیو تیغ اس کی بڑی برندہ ہے
بن فرشتہ تیغ سے پائے اماں — رہ سلیماں سے بری بے خوف جاں
خوف اسے کوئی سلیماں سے نہیں — دیو عدو کا ہے سلامت بالیقیں
ہے فقط دیووں پہ وہ فرماں روا — دکھ زمیں پر ہے نہیں ہے برسماء
جبر خالی ڈھول، اُگنے سے ہٹا — تا کہ جانے جبر کا ہے بھید کیا
ترک کر جبرِ گروہِ کاہلاں — تا تو جانے جبر وہ مانندِ جاں
ترک کر معشوقی، اپنا عاشقی — کیوں گماں کہ خوب وفائق ہے وہی
معنی میں شب سے بھی بڑھ کر ہے تہی — کب تلک ڈھونڈے سخن کا مشتری
تجھ کو خوش کرنے ہلا دیتے ہیں سر — ان کا دیوانہ رہا تو عمر بھر
تو مجھے بولے حسد کرنے نہ جا — کیوں حسد نا چیز جب اک مرگیا
کیا ہے تعلیمِ خساں اے با رسوخ — کام نقاشی کا بر روئے کلوخ
خود کو کرتو لائقِ عشق و نظر — ہوگا وہ جوں نقش درجسم حجر
نفس تیرا تجھ میں شاکر باوفا — غیر فانی، تو کجا اور وہ کجا
دوسروں کو کب تلک چمکاؤ گے — بدخو و بے مایہ خود ہوجاؤ گے
ہوگیا وابستہ دل جنت سے گر — اپنے خالی ہونے سے ہرگز نہ ڈر
حکمِ قُل آنے کا باعث ہے یہی — کہ یہ دریا ہے نہ آئے گی کمی
چپ رہو، یعنی کہ پہنچو بات کو — باغ بے نم ،پانی وہ ضائع نہ ہو
اُس سخن کی حد نہیں ہے اے پدر — چھوڑ اس کو رکھ نظر انجام پر
شرم مجھ کو، ہیں ترے آگے کھڑے — ہنسنے والے یہ،نہیں ہے عاشق ترے
تیرے عاشق آڑ میں ہیں لطف کے — رہتے ہیں ہر بار نعرے مارتے
دھوکے سے تجھ کو انھوں نے کھالیا — تجھ کو اک حبّہ نہ برسوں میں ملا
کتنے ہنگامے کیے تونے بپا — ڈھونڈا مقصد اور پانے سے رہا

وقتِ صحت دوست اور ساتھی سبھی درد و غم میں کون بس اللہ ہی
دردِ چشم و دردِ دنداں ہو تو کیا؟ کوئی حامی ہے ہمیں غیر از خدا
رکھ اسی درد و مرض کو دوست دار ہو ایاز اس پوستیں کا اعتبار
پوستیں ہے درد کا عالم ترا اور ایاز اس کو رکھا دل سے لگا

اس جبری کافر کا دوبارہ اس سنّی مومن کو جواب دینا جو اس کو اسلام اور جبر ترک کرنے کی دعوت دے رہا تھا اور دونوں طرف سے مناظرے کا دراز ہونا کیوں کہ اعتراض اور جواب کے مادّے کو سوائے حقیقی عشق کے کوئی چیز ختم نہیں کرتی ہے کیونکہ اس کو اس کی پروا نہیں رہتی اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے

کافرِ جبری پھر اب کہنے لگا اس کو سن کر خوش بیاں حیراں ہوا
گر کروں شرحِ جوابات و سوال اس سے عاجز آئے گی میری مقال
کہنے کو باتیں اہم تر ہیں یہاں جن سے پاسکتے ہو تم بہتر نشاں
اس بیاں سے ہم نے تھوڑا ہی کہا تھوڑا سا آئیں گُل ظاہر ہوا
قدریوں اور جبریوں کے درمیاں حشر تک جاری رہیں گے یہ بیاں
کر نہ پائیں گے جو دفعِ مدّعی ان کے مذہب کی نہ ہو ہستی کوئی
بات میں بچنے کی گر ہوتی نہ راہ پس رہ دیگر انھیں کرتی تبہ
دائمی ہوئی تھی چوں کہ وہ روش تھے دلائل کرنے اس کی پرورش
تا نہ عاجز خصم کے رد سے بنے اس کی زد سے تا کہ وہ بچ کر رہے
تا بہتر ملّتیں اپنی مدام ہوں اس عالم میں اِلیٰ یوم القیام
ہے جہاں یہ ظلمتوں اور غیب کا ہے زمیں درکار از بہرِ پناہ
تا قیامت ہیں بہتر ملّتیں کم نہ ہوں گے اہلِ بدعت بھی رہیں
مخزنوں کی قدر قیمت پر رہی اس لیے قفل ان پہ ہوتے ہیں کئی

مدعا کی عزت ان سے ہے عیاں
راہ پیچاں، گھاٹیاں اور ڈاکواں

عزتِ کعبہ بھی دوری کے سبب
طولِ صحرا اس پہ دزدانِ عرب

ہر روش ہر راہ اس کی پُر محن
گھاٹیاں دشوار ہر جا راہزن

ہر روش دشمن تو وہ ہے کینہ ور
محوِ حیرت راہرو دوراہے پر

ہر دو راہیں راست آتی ہیں نظر
ہر گروہ ہے شاد اپنی راہ پر

چپ جو ہوجائے مٹے جھگڑا تبھی
روزِ محشر تک نہ ہووے پھر کبھی

کہ بزرگ اپنے سمجھتے ہیں جواب
ہم سے پنہاں گرچہ ہے راہِ صواب

وسوسوں کو ختم کرنے عشق بس
ورنہ کرنے بند انھیں کس میں ہے کس

بن کے عاشق ڈھونڈ لے، کوئی نگار
جا بجو مرغابیوں کا کر شکار

کاہے کو پاٹی جو چھینے آبرو
نا سمجھ سے کیا سمجھ پائے گا تو

عقل کی باتیں بہت ہیں اور بھی
عشق کے اندر ہیں عقلیں اور بھی

حق کی عقلیں عقل سے تیری گئی
مبنی جن پر علّت و تدبیر بھی

اس سے اپنا رزق تو حاصل کرے
آسمانوں پر ترا بستر رہے

دس تو کیا تو سات سو تک پائے گا
عشقِ حق میں عقل کی بازی لگا

عورتیں عقلیں جب اپنی ہار دیں
عشقِ یوسف میں بلندی پر چلیں

چھین لی عقل ان کی ساقیِ عشق نے
سیر باقی عمر میں وہ عقل سے

اصل سو یوسفؑ کی حسنِ ذوالجلال
اے تو زن سے کم، طلب کر وہ جمال

عشق بحثوں کو مٹا دیتا ہے بس
گفتگو کے واسطے فریاد رس

سکتہ پڑتا ہے زباں پر عشق سے
گفتگو کا حوصلہ پھر کیا کرے

ڈر اسے کہ وہ جواب اس کا جو دے
منہ سے شاید کوئی موتی جھڑ پڑے

خیر و شر سے بند رکھتا ہے زباں
گر نہ جائے موتی گر کھولے دہاں

جیسے فرمائے صحابیِ رسولؐ
جب نبیؐ برسائے تھے ہم پر فضول

برگزیدہ وہ نبیؐ وقتِ کلام
تھے حضورِ قلب کے خواہاں مدام

جوں کوئی پرندہ ہو بالائے سر
جاں میں لرزہ ڈالے کھودینے کا ڈر

اپنی جا سے تو نہیں ہلنا ذرا
مرغ تیرا تا نہ ہوجائے ہوا

دم لے آہستہ سے، چھوڑے کھانسنا
تا کہ سر سے اُڑ نہ جائے وہ ہُما

ترش و شیریں گر کوئی بولے تجھے
چپ کر انگلی کے اشارے سے اُسے

اے عجب اک مرغ خاموشی سکھائے
ڈھانک کر سر دیگ کا جوشاں کرے

بادشاہ کا ایاز سے دریافت کرنا کہ رنج اور خوشی کی اس قدر باتیں تو چپّل اور پوستین سے جو کہ بے روح ہیں کیوں کرتا ہے؟ تا کہ ایاز سے بات کہلائے اور بادشاہ کا اس سے دریافت کرنا

کیوں ایاز یہ پیار چپّل سے تجھے
جوں پجاری تو وہ بت تیرے لیے

جیسے تو مجنوں وہ لیلیٰ خوش جبیں
کرلیا چپّل کو مسلک اور دیں

پیار دو بوسیدہ چیزوں سے تجھے
دونوں حجرے میں ہیں کیوں لٹکے ہوئے

کب تلک ان کہنہ چیزوں سے لگن
پھونکے بے جانوں میں تو رازِ کہن

جوں عرب کھنڈروں سے یہ پیار اے ایاز!
عاشقانہ ہیں ترے راز و نیاز

جوتا بوسیدہ یہ کس آصف کا ہے
پوستیں، کرتہ کہے یوسفؑ کا ہے

جوں نصاریٰ کوئی اسقف کے حضور
کرتا ہو عرض اک برس کے جوں قصور

بخشتا ہے پادری اس کے گناہ
عفو گویا اس کا ہو عفوِ اِلٰہ

پادری کیا جانے انصاف و خطا
اعتقاد و عشق ہے جادو بڑا

عشق نے یوسفؑ کئی پیدا کیے
مات بابل کے فرشتے خود ہوئے

یاد سے صورت کوئی پیدا کرے
اس کی دُھن میں گفتگو کرنے لگے

راز کھولے اس کے آگے سو ہزار
جس طرح سے یار بولے پیشِ یار

بت نہ ہیکل ہوگی کوئی اس جگہ
پھر بھی پیدا سو الست اور سو بلےٰ

جیسے غمگیں ماں کوئی ہو نوحہ گر
طفلِ نو مردہ کی دھن میں قبر پر

راز کھولے جدّ و کوشش سے کئی — جیسے وہ بے جان زندہ ہو ابھی
زندہ اس مٹی کو کرتی ہے شمار — دیکھ ساحر عشق کے جادو کے کار
وہ یہ سمجھے ذرّہ ذرّہ خاک گور — ہوش میں ہے سن رہا ہے اس کا شور
سننے والی سمجھے وہ اس خاک کو — کان، آنکھیں پاتی ہے خاشاک کو
اس طرح سے قبرِ نو کی خاک پر — دم بدم رکھتی ہے روتے روتے سر
جیتے جی اُس پیارے بچے کو کبھی — اس طرح سے چومی، چمٹائی نہ تھی
کٹ گئے جب سوگ کرتے چند روز — سرد تھا وہ عشق پہلے کا وہ سوز
عشق مردوں سے نہ ہوگا پائیدار — جانِ جاں افزا سے ہے بس درکار پیار
بعد ازاں خود گور سے نیند آئے گی — ہوتی ہے بے جاں سے پیدا بے حسی
عشق خود افسوں کو اپنے لے گیا — تیز آتش کو وہ خاکستر کیا
دیکھتا ہے آئینہ میں جو جواں — پیر سنگ و خشت میں دیکھے عیاں
عشق مرشد ہے نہیں ریشِ سفید — دستگیرِ صد ہزاراں نا امید
عشق سے فرقت میں پیدا صورتیں — رونما ہوتی ہیں وہ خود وصل میں
تھا ہمارا عکس ان اشکال میں — تم نے دیکھا ہوش و مستی میں ہمیں
پردے جتنے تھے اٹھائے ہم نے سب — حسن ہے بے واسطہ منظر میں اب
عکس کی صورت میں جو دیکھے تھے تب — دیکھو بے پردگی میں ہم کو اب
جب اِدھر سے جذبہ میرا تھا رواں — اُس کشش کو پر نہ پایا درمیاں
مانگتا ہے بخششِ جرم و خطا — پیچھے اس پردے کے از لطفِ خدا
چوں کہ جاری چشمہ پتھر سے ہوا — پانی میں پوشیدہ پتھر ہوگیا
اب نہ بولے گا کوئی اس کو حجر — ہوگیا پتھر سے پیدا جب گہر
پیالے بس ان صورتوں کو جان لے — ذی شرف ہوں حق گر ان کو پُر کرے

رشتہ داروں کا مجنوں سے کہنا کہ لیلیٰ کا حسن معمولی ہے زیادہ نہیں ہے ہمارے شہر میں اس سے بہتر بہت بہت ہیں، ہم ایک اور دو اور دس پیش کر دیتے ہیں تو ان میں سے پسند کر لے اور ہمیں اور اپنے آپ کو نجات دے اور ان کو مجنوں کا جواب دینا

بولے مجنوں کو وہ ناداں جہل سے — سادہ ہے لیلیٰ حسیں سمجھا جسے
اس سے بہتر میں ہزاروں دلربا — شہر میں ہیں چاند جیسے کئی جگہ
حور جیسی نازنینیں ہیں ہزار — کر لے ان میں سے کسی کو اختیار
مخلصی دے ہم کو بھی خود آپ کو — عشق بدنام اور مصر ہے اس پہ تو
بولا صورت پیالہ ہے، مے ہے جمال — دے رہا ہے پیالے سے مے ذوالجلال
تم کو اس نے پیالے سے سرکہ دیا — عشق میں تا کر نہ ڈالے مبتلا
زہر اور شہد ایک ہی کوزے سے دے — سب کو حق دیتا ہے اپنے ہاتھ سے
کوزہ دیکھے تو و لیکن وہ شراب — کیسے دیکھے کوئی چشمِ ناصواب
آنکھ اٹھا کر وہ نہ دیکھے اور کو — حق نہیں اس کا کسی کو غیر شو
روکنے والی نظر کو وہ شراب — جیسے خیمے اس کو پیالوں کا حجاب
خیمہ دریا، اس میں بط کو زندگی — اور کوّوں کو جائے بعدِ مرگ ہی
زہر روزی سانپ کی ،سامان بھی — بہرِ دیگر زہر عذاب و موت ہی
محنت و نعمت کی کیفیت ہے کیا ! — ایک جنت پائے، دوزخ دوسرا
دیکھتے ہیں ظاہرِ اشیاء سبھی — زہر، یاقوت، اس میں ہے، دیکھا کوئی؟
گویا کاسہ و کوزہ ہے ہر اک بدن — قوت بھی ہے اس میں اور دل کی جلن
کاسہ پیدا اور نعمت درخفا — کھانے والا جانے وہ کھائے گا کیا
روئے یوسف جوں حسیں پیمانہ تھا — باپ کو تھا اس سے یک گونہ نشہ
بھائیوں کو ان کے جو زہر آب تھا — پس حسد کا زہر ان میں بڑھ گیا
پھر زلیخا کو وہی مثلِ شکر — عشق نے دی ان کو افیونِ دگر

حضرتِ یوسفؑ کی صورت کے سوا — حضرت یعقوبؑ کو تھی کیا غذا
طرح طرح شربت اور جام ایک ہی — تا نہ ہو شک غیب کی مے میں کوئی
بادہ غیبی اور کوزہ دنیوی — کوزہ ظاہر اور شراب اس میں چھپی
چشمِ نا محرم سے گرچہ ہے نہاں — پیشِ محرم ہے ہویدا و عیاں
یا خدا مدہوش ہے اپنی نظر — بوجھ عصیاں کا ہے بھاری عفو کر
اے خفی! تجھ سے پُر عالم سر بسر — تو محیط انوارِ شرق و غرب پر
خود چھپے، راز اپنے تو ظاہر میں لائے — صبح خود، نہریں ہماری تو بہائے
تو نہاں بالذات اور محسوس عطا — تو ہے گویا آب، ہم جوں آسیا
تو ہوا ہے اور ہم ہیں جوں غبار — ہے ہوا پوشیدہ اور گرد آشکار
تو بہار اور ہم ہیں باغِ سبز و تر — وہ نہاں اس کی عطائیں جلوہ گر
تو ہے جاں اور ہم مثالِ دست و پا — جاں سے کھلنا بند ہونا ہاتھ کا
تو ہے جیسے عقل ہم مثلِ زباں — ہے زباں کا عقل کے باعث بیاں
تو خوشی ہے اور ہم گویا ہنسی — ہے ہنسی دراصل اظہارِ خوشی
اپنی ہر جنبش شہادت ہے بڑی — ہے وجودِ حق پہ اس کی شاہدی
گھومنے والا یہ سنگِ آسیا — نہر کے آبِ رواں پر ہے گوا
اے ورائے عرض و بیرونِ خیال — فہم عاجز میری شرمندہ خیال
دھیان میں تیرے شکیبائی کہاں — فرشِ زیرِ پا ترے بندے کی جاں
جیسے کہتا تھا گڈریا اے خدا — اپنے دیوانے کے آگے آ بھی جا
تا جوئیں چن لوں میں اچکن سے سبھی — چوموں دامن، سی کے دوں چپلّ تری
ہمسر اس کا عشق میں کوئی نہ تھا — پر ثنا و حمد سے بیگانہ تھا
عشق کا اُس کے نشیمن آسماں — اور سگِ در کے برابر اس کی جاں
بحرِ عشقِ حق میں جب پانی چڑھا — تیرے کان اور گڈریے کا دل چھوا

جو جی کا قصہ جو کہ چادر اوڑھ کر وعظ میں عورتوں کے درمیان بیٹھ گیا اور اس نے ایسی حرکت کی کہ ایک عورت نے اس کو پہچان لیا کہ مرد ہے اور اس نے نعرہ مارا

کوئی واعظ تھا بہت ہی خوش بیاں — زیرِ منبر تھے وہاں مرد و زناں
برقع و چادر میں جو بھی چل دیا — عورتوں کے درمیاں ان جانا تھا
پوچھا واعظ سے وہ اک سائل براز — ہوگی موئے عانہ سے فاسد نماز؟
اس جگہ جب بال ہوتے ہیں دراز — اس سے گھن آتی ہے ہنگامِ نماز
چونے سے یا استرے سے صاف کر — تا نمازیں ہوں مکمل خوب تر
پوچھا سائل وہ درازی کس قدر — تا کہ ہوں پوری نمازیں شرط پر
بولا جب ہو جَو برابر ان کا طول — مونڈ دینا ہے ضروری اے سئول[1]
آگے جو جی کے تھی زن بیٹھی ہوئی — اور بیاں سننے میں وہ مشغول تھی
بولا جو جی اے بہن دیکھ اور بتا — میرے بالوں کا ہوا ہے طول کیا
ہاتھ از بہرِ رضائے حق بڑھا — کیا بمقدارِ کراہت ہیں بتا
ہاتھ جب شلوار کے اندر گیا — مرد کا عضو ہاتھ پر اس کے پڑا
زن نے فوراً اس پہ اک نعرہ بھرا — بولا واعظ ہے اثر یہ بات کا
صدق اس عورت سے لو سیکھو ذرا — چند باتوں کا اثر اس پر ہوا
بولا وہ دل پر نہیں تھا ہاتھ پر — پڑتا گر دل پر تو کیا ہوتا اثر
ساحروں کا دل جو زد میں آ گیا — ہوگئے ایک ہی انھیں دست و عصا
چھین لے بوڑھے سے گر کوئی عصا — ہوگا دکھی چھن گئے جوں دست و پا
آسماں تک گونج ہو لاغیر کی — کاٹ لے جاں جاں کنی سے بچ گئی
جب ہوئے آگہ نہیں ہم جسم سے — وجہ خالق زندہ ہیں تن سے پرے
جس نے خود کو پالیا ہو مرحبا — اس نے امنِ دائمی میں گھر کیا

1۔ سئول = جھگڑ

بچوں کو اخروٹ اور انگور عزیز عاقلوں کو ہے وہ اک معمولی چیز
جسم دل کے حق میں جوں جوز و مویز مرد کی بچوں میں کیوں آئے تمیز
جو نہ ہو خود آشنا ہے طفل ابھی مرد وہ ہے جو کہ ہے شک سے بری
داڑھی ہے گر اک نشانی مرد کی بکریاں بھی داڑھی رکھتی ہیں کئی
بکرا وہ ہے دوڑتا ہے جو شتاب بکریوں کے ساتھ جویائے قصاب
بال سلجھانے کہے رہبر ہیں ہم ہاں مگر رہبر ہیں سوئے درد و غم
ہاں روش یہ چھوڑ ترکِ ریش کر ترکِ میں تو اور یہ تشویش کر
کر نہ لے داڑھی کو اپنی مضحکہ آ گئی داڑھی پہ نخرے کیوں بھلا
بن کے بوئے گل برائے عاشقاں پیشوائی کر بسوئے گلستاں
بوئے گل کیا قول با عقل و خرد دانا اور رہبر سوئے باغِ ابد

بادشاہ کا ایاز کو دوبارہ حکم دینا کہ چپّل اور پوستین کی تشریح کو واضح طور پر بتا تا کہ تیرے آقا شریک اس اشارے سے نصیحت حاصل کر لیں چونکہ دین نصیحت ہے

راز چپّل کا بیاں کر اے ایاز ان کے آگے کیوں ہے تو یوں بانیاز
تیرے بگیارق و سنقر تا سنیں راز چپّل پوستیں کا پا سکیں
اے ایاز اے روشنیٔ بندگاں نور تیرا خاک سے تا آسماں
وجہِ حسرت حُر کو تیری بندگی بندگی کو تونے دے دی زندگی
اوج و پستی میں یہ مومن کا نشاں اس کا ایماں ہوگا رشکِ کافراں

اس کافر کا قصہ کہ بایزید قدس سرہٗ کے زمانے میں لوگوں نے اس سے کہا کہ مسلمان ہو جا اور اس کا ان کو جواب دینا

تھا وہ اک کافر بہ عہدِ بایزیدؒ بولا اس کو اک مسلمانِ سعید
تو مسلماں ہو تو ہو کتنی خوشی پاتا چھٹکارا تا، ملتی سروری

بولا وہ ایماں اگر ہے اے مرید
جو ہے شانِ شیخِ عالم بایزید

اس کی تاب اس کی تو اس مجھ میں نہیں
یہ مری جاں پر گراں ہے بالیقیں

گو نہیں میں قائلِ ایمان و دیں
آپ کے ایماں کا مجھ کو ہے یقیں

سب سے افضل تر مرا ایمان ہے
پاک ہے روشن تر و باشان ہے

ان کے ایماں پر مرا ایماں بجا
گو زباں پر مہر رکھتا ہوں لگا

ہے تمھارا ایماں ایماں ہی ولے
میل اُدھر میرا نہ خواہش ہے مجھے

جو دل و جاں سے سوئے ایماں جھکے
سست پڑجائے تمھیں گر دیکھ لے

نام دیکھے جو بھی اصلیت نہ پائے
سمجھے وہ جنگل کو عافیّت کی جائے

ہاں اگر ایمان تمھارا جان لے
ذوقِ ایمانی کا شعلہ بجھ چلے

یہ حکایت یاد رکھ اے با ہنر
دیکھ معنیٰ کو تو صورت چھوڑ کر

اس بھدی آواز والے مؤذن کی حکایت جس نے نماز کے لیے کفرستان میں آواز دی اور ایک کافر نے اس کو بہت سے تحفے دیے

تھا مؤذن کوئی بد آواز کا
رات بھر رہتا تھا یوں ہی چیختا

نیند کو کر ڈالا لوگوں پر حرام
دردِ سر میں مبتلا سب خاص و عام

بچے بستر پر تھے ترساں وقت خواب
مرد و زن آواز سے وقفِ عذاب

لوگ اکٹھے جمع بندی کو ہوئے
رنج و تصدیع دور کرنے کے لیے

وہ بھی بلوایا گیا اس دم وہاں
نقد دے کر بولے اس کو اے فلاں

سن کے ہم تیری اذاں آسودہ تھے
تونے آقا روز و شب احساں کیے

تجھ سے دولت پائی ہر اک نے بڑی
ایک مدت سے نہ نیند آئی کبھی

بہرِ آسائش زباں کو روک لے
اور بدلے میں دعا ہم سب کو دے

سوئے کعبہ جارہا تھا قافلہ
نقد لے کر اس کے ہمرہ ہولیا

ہوگئی جب رات اہلِ قافلہ
کافرستاں میں دیے خیمے لگا

بانگی کو محبوب تھی اپنی صدا　　کافرستاں میں اذاں دینے لگا

لوگ بولے ہاں نہ دے بانگِ نماز　　جنگ ہوگی دشمنی ہوگی دراز

کی لڑائی اس نے اور بے احتراز　　پھر بھی کفرستاں میں دی بانگِ نماز

عام فتنہ کا ہوا لوگوں کو ڈر　　آیا اک کافر لیے جامہ ادھر

آیا وہ شمع و حلوہ و جامہ لیے　　ہدیہ لایا دوست کی صورت اسے

پوچھتا تھا وہ مؤذن ہے کہاں　　بانگ اس کی تھی ہمیں آرامِ جاں

آہ وہ راحت فزا آوازِ زشت　　یک بیک میں نے سنی اندر کنشت

ہے مری بیٹی نفیس و خوبرو　　مومنہ ہونے کی اس کو آرزو

اس کی یہ دھن دل میں قائم رہ گئی　　گو بہت سے کافروں نے پند دی

اس کے دل پر مہر ایماں کی بڑھی　　عود میں اور وہ انگیٹھی ہوگئی

تھا شکنجہ میں، عذاب و درد تھا　　ہر گھڑی جنبش میں اس کا سلسلہ

میں کبھی اس نوع کی آوازِ زشت　　نہ سنا تھا دیر میں نے در کنشت

اس کی خواہر نے کہا یہ ہے اذاں　　اک منادی اور طریقۂ مومناں

پوچھی دیگر سے بہن کو چھوڑ کر　　دوسرے نے بھی کہا ہاں اے قمر

جب یقیں آیا تو چہرہ زرد تھا　　سرد اس کا ذوقِ ایمانی ہوا

دکھ پریشانی سے فارغ کیا ہوا　　بے خطر کل رات اچھا سوگیا

کس قدر راحت رساں تھی وہ اذاں　　شکر میں لایا یہ ہدیہ، وہ کہاں؟

دیکھا اُس کو، بولا یہ ہدیہ ہے لے　　دی رہائی، تونے تھاما ہے مجھے

تونے نیکی کی، کیا ممنوں مجھے　　بندہ ہوں تیرا ہمیشہ کے لیے

کثرتِ دولت اگر ہوتی مجھے　　زر سے بھر دیتا تھا میں منھ کو ترے

دھوکا سب ایماں تمھارا اور مجاز　　راہزن جس طرح وہ بانگِ نماز

ایمان کے بارے میں کافر کی مسلمان سے حکایت کی جانب رجوع

دیکھ کر ایمان و صدق با یزید — ہوگئی حسرت دل و جاں میں مزید
جوں وہ زن جفتی گدھے کی دیکھ کر — چیخ اٹھی آہ کتنا خوب نر
جفتی ہوتی ہے گدھوں کی یوں اگر — ہگتے ہیں شوہر ہماری فُرج پر
دادِ ایماں میں ہیں کامل بایزیدؒ — آفریں ان پر وہ ہیں شہرِ فرید
قطرۂ ایماں گرے دریا میں جب — غرق ہوجائے سمندر اس میں سب
جس طرح جنگل میں چنگاری کوئی — راکھ کردیتی ہے جنگل کو سبھی
شاہ کی اک سوچ سے جیسے سپاہ — جنگ میں دشمن کو کرتی ہے تباہ
اک ستارہ تھا نبیؐ میں رونما — ہوگئے کافر، یہودی سب فنا
مصطفیٰؐ میں تارہ جوں صف بن گیا — مٹ گیا سب کفر و شرق و غرب کا
لایا ایماں جو بھی وہ پایا اماں — دوسروں کا کفر تھا وقفِ گماں
کافروں میں کفر پہلا سا نہ تھا — یا مسلمانی رہی یا ڈر رہا
تیل پانی کو ملانا یہ مثال — اس سے بھی واضح نہیں ہوتا خیال
جسم بننے والی شے وہ ذرّہ ہے — ذرّۂ روشن وہ ہٹنے والا ہے
کہہ دیا ذرّہ تو مقصد ہے نہاں — جھاگ ہے تو محرمِ دریا کہاں
مہرِ روشن شیخ کے ایمان کا — شیخ کی جاں سے جو ہوگا رونما
تا ثریٰ مخزن زمیں کی پستیاں — سبز جنت تا بہ فوقِ آسماں
ایک کی جاں جس طرح نورِ منیر — دوسرے کا ہے بدن خاک حقیر
اے عجب وہ یہ ہے یا وہ ہے بتا — کھوج کرتے کرتے آفت میں پڑا
گر وہ ہے یہ کون ہے وہ اے اخی — نور سے معمور سات افلاک بھی
گر وہ ہے وہ، یہ بدن ہے چیز کیا — دونوں میں وہ کون ہے یہ نیز کیا

اس بیوی کا قصہ جس نے شوہر سے کہا کہ گوشت بلی کھا گئی۔ شوہر نے بلی کو ترازو میں رکھا۔ بلی آدھا من نکلی۔ شوہر نے اس سے کہا اے بیوی گوشت آدھا من تھا اور کچھ زیادہ۔ اگر یہ گوشت ہے تو بلی کہاں ہے اور اگر یہ بلی ہے تو گوشت کہاں ہے

ایک تھا خاوند اور اس کی اک تھی زن ۔۔۔ نخرے والی اور پلید و راہزن

جو بھی لاتا اس کو کردیتی تباہ ۔۔۔ اپنی خاموشی سے خود باز آ گیا

گوشت لایا گھر کو مہماں کے لیے ۔۔۔ بعد اک مدت کے پوری جہد سے

آپ خود زن کھا گئی پی کر شراب ۔۔۔ مرد جب پوچھا بتائی ناصواب

بولا مہماں آ گئے ہیں گوشت لا ۔۔۔ ان کو کھلوانی ہے پُر لذت غذا

بولی بلّی کھا گئی وہ گوشت جا ۔۔۔ چاہیے گر گوشت پھر سے مول لا

بولا نوکر سے ترازو جا کے لا ۔۔۔ تول لوں بلّی کو میں اُس میں ذرا

تولا بلّی کو وہ تھی صرف آدھ من ۔۔۔ مرد بولا اس کو اے مکار زن

گوشت تھا چھ اوقیہ اور کچھ زیاد ۔۔۔ بلّی ہے چھ اوقیہ اے بد نہاد

آدھا من اور ایک درہم گوشت تھا ۔۔۔ بلّی آدھا من ہے صرف اے با حیا

یہ ہے گر بلّی ہوا وہ گوشت کیا؟ ۔۔۔ گوشت اگر ہے کیا ہوئی بلّی بتا؟

با یزیدؒ ہوں یہ تو ہے وہ روح کیا؟ ۔۔۔ روح وہ تو نقش یہ کس کا بتا

یار میرے یہ ہے حیرت کا مقام ۔۔۔ یہ نہ میرا ہے نہ ہے تیرا یہ کام

غلے اور کھیتی کا جامع ہے وہی ۔۔۔ دانہ گر ہے اصل ڈالی کیا ہوئی

جوڑا ہے اضداد کو تدبیر نے ۔۔۔ سمتیں گردن کی جڑی ہیں ران سے

روح بے تن کام کے قابل کہاں ۔۔۔ جسم ہے بس کیوں اگر ہو اس میں جاں

خاک سے کمتر ہے بے جاں تن اے دوست ۔۔۔ مغز جاں ہے اور قالب جیسے پوست

جسمِ بے جاں کب ہے قابل کام کے ۔۔۔ جہد سے جاں ڈال تن میں اے کھرے

آشکارا ہے بدن اور جاں نہاں ۔۔۔ ہے مِلن سے راست سب کارِ جہاں

سر پہ مارے خاک ٹوٹے گا نہ سر
تن نہ ٹوٹے پانی ماریں گے اگر

توڑنا سر کو اگر چاہے گا تو
تو ملادے دونوں خاک و آب کو

پانی پانی سے ملے توڑے جو سر
خاک جم جائے گی جاکر خاک پر

حکمتِ خالق ملانے میں جو تھی
عجز سے اور جنگ سے حاصل ہوئی

اور علاوہ اس کے جوڑے ہیں دِگر
ان سنے ان دیکھے بے سمع و بصر

سن سکے گر کان بہرا کیوں بنے
اور پھر ضبطِ سخن کیوں کر کرے

برف و یخ دیکھے اگر خورشید کو
ترک کردیں جمنے کی امید کو

آب بن جاتے بلا تار و گرہ
اور ہوا کے فیض سے ہوتے زرہ

ہوتے وہ درماں درختوں کے لیے
ہوتے وہ خوش بخت ان کے لطف سے

خود میں وہ افسردہ یخ سمٹے رہے
منع جھاڑوں کو وہ چھونے سے کرے

غیر کو چاہے، نہ چاہے غیر اُسے
خود غرض وہ کام اس کو بخل سے

پھر بھی ہے اس سے جگر کو تازگی
سبزہ کا گرچہ نہیں و ایلچی

اے ایاز ستارہ تیرا ہے بلند
پر گزر بر برج سے کب ہے پسند

تیری ہمت کو نہ بھائے ہر وفا
ہر صفائی کو نہ جانے تو صفا

اس امیر کی حکایت جس نے غلام سے کہا شراب لے آ۔ غلام گیا اور شراب کی ٹھلیاں لا رہا تھا راستہ میں ایک زاہد تھا جس نے بھلائی کا حکم دیا، پتھر لایا اور ٹھلیا کو توڑ دیا، امیر نے سنا اور زاہد کو ہلاک کرنے اور سزا دینے کا ارادہ کیا۔ زاہد بھاگ گیا۔ یہ معاملہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا تھا کہ اس وقت تک شراب حرام نہ ہوئی تھی لیکن زاہد گھن کرتا تھا اور مزے اڑانے اور عیش پرستی سے روکتا تھا

تھا امیر اک خوش دل و یارِ شراب
وہ نگہدارِ شرابی و خراب

مہرباں، مسکیں نواز، عدل آشنا
صاحبِ زر بخش و اکرام و عطا

شاہ مرداں تھا امیرالمومنین راہباں و رازدان و دوربیں

وقتِ عیسیٰؑ تھا و ایامِ مسیحؑ لوگ دلدار و کم آزار و ملیح

آیا مہماں بن کے اک شب اس کا یار اس کا ہم رتبہ، امیر و دیندار

بادہ تھا درکار بہرِ نظمِ حال تھی شراب اس وقت جائز اور حلال

کم تھی مے بولا وہ نوکر سے ذرا اک سبو بھر کر یہاں جا بادہ لا

ہے فلاں راہب کے ہاں خالص شراب چھوٹے جاں سے تا کہ لوگوں کا عذاب

ایک جرعہ جامِ راہب وہ کرے کرتے ہیں جو سینکڑوں بوتل گھڑے

اندر اس کے جیسے اک مخزن نہاں جیسے سلطانی عبا میں اس زماں

تو نہ جا اس پارہ پارہ دلق پر پڑ گیا ہے کالا باہر سے وہ زر

بد نظر نے ناپسندیدہ کیا اور باہر سے دھواں سا ہوگیا

گھر میں ہوتے ہیں کہیں گنج و گہر گنج ہوتے ہیں کھنڈر میں خاص کر

گنجِ آدم دفن ویرانے میں تھا پردہ تھی مٹی لعیں کی آنکھ کا

خاک کو نفرت سے وہ دیکھا کیا روح بولی خاک ہے پردہ ترا

دو سبو لے کر وہ نوکر چل دیا راہبوں کے دیر میں داخل ہوا

زر کے بدلے قیمتی صہبا لیا بدلے کنکر کے وہ گوہر پالیا

بادہ جو چھو لیتا ہے شاہوں کا سر سر پہ ساقی کے جو رکھے تاج زر

شور برپا اس سے وہ فتنے مچائے شاہ اور بندوں کو یکساں کردکھائے

زندہ اس کے دم سے مردہ ہڈیاں تخت تختہ ایک دونوں اس زماں

تیل پانی جیسے ہشیاری میں حال وقت مستی جسم میں جاں کی مثال

گوشت گندم جوں ہریسہ میں ہیں غرق کوئی سبقت ہے نہ ان میں کوئی فرق

فرق کیا ہے جب ہریسہ[1] بن گیا فرق کیا ہے جو نہ غرق اندر ہوا

لے چلا اس رنگ میں بادہ غلام سوئے ایوانِ امیرِ نیک نام

1۔ ہریسہ = ایک قسم کا کھانا

غم کا مارا زاہد آگے آ گیا سخت آفاتِ جہاں میں مبتلا
جسم دل کی آگ سے پگھلا ہوا دل میں اس کے جز خدا کوئی نہ تھا
جس محنت بے نہایت بے شمار داغ پر داغ اس کے دل پر کئی ہزار
مشکلیں وقتِ ریاضت ہر کبھی روز و شب جس کو ریاضت زندگی
خاک و خوں میں سالہا لتھڑا ہوا نیم شب جو صبر سے عاجز رہا
دیکھا شب میں اک غلامِ نیک ہے کر رہا تھا فاصلے جلدی میں طے
پوچھا زاہد کیا ہے ٹھلیوں میں ترے بولا مے تو پوچھا وہ کس کے لیے
بولا یہ ہے مال اُس سردار کا پوچھا طالب کا یہی ہے کام کیا؟
طالبِ یزداں اور اس پر بادہ نوش بادۂ شیطاں اس پر تیز ہوش
ہوش بے بادہ ترے گم اس قدر چاہئیں صد ہوش تجھ کو ہوش پر
ہوگا کیا ہنگامِ مستی تیرا حال دامِ مستی میں پرندے کی مثال

ضیا بلخ کا قصہ جو دراز قد تھے اور ان کے بھائی شیخ الاسلام تاج بلخ بہت چھوٹے قد کے تھے اور یہ شیخ الاسلام اپنے بھائی سے ذلت محسوس کرتے تھے۔ ایک روز ضیا ان کے درس میں پہنچ گئے اور بلخ کے تمام صدران کے درس میں حاضر تھے۔ ضیا نے حاضری دی اور چل دیے۔ شیخ الاسلام معمولی طور پر آدھے کھڑے ہو گئے۔ ضیا نے کہا کہ بیشک آپ لمبے ہیں کہ اپنے میں سے ایک حصہ چرا لیا

وہ ضیائے بلخ خوش الہام تھے ان کے بھائی تاج شیخ اسلام تھے
ان کے آگے لوگ جویا علم کے رہتے تھے موجود پڑھنے کے لیے
پست تھا قد تاج شیخ اسلام کا جس طرح چوزہ بہت کوتاہ تھا
گرچہ فاضل تھے ہنر والے بڑے تھے ظرافت میں ضیا جانے ہوئے
وہ بہت کوتہ ضیا بے حد دراز تاج شیخ اسلام تھے با کبر و ناز

اس لیے بھائی سے ننگ و عار تھا
اور واعظ با ہدایت تھے ضیا

روزِ محفل اندر آئے وہ ضیا
قاضیوں اور اصفیا کی بارگہ

تاج شیخ اسلام زعم و کبر سے
بہر تعظیم آئے گھٹنوں پہ کھڑے

جب ضیا دیکھے یہ کبرِ باکمال
منفعل ان کو بنائے حسبِ حال

بولے مزدوری کے لائق قد ترا
سرو جیسے قد سے چوری کی ذرا

امیر کے غلام کی طرف زاہد کی حکایت کی طرف واپسی

پس کہاں ہے عقل تیری تیرے ہوش
عقل کے دشمن رہا تو بادہ نوش

خوبرو تو چہرے پر وسمہ چڑھا
چہرۂ حبشی پہ وسمہ مضحکہ

نور باطن پایا کب گمراہ تو
تا نشہ میں ڈھونڈا ظلمت چار سو

دن میں سایہ ڈھونڈ ہوگا فائدہ
ابر کی شب ڈھونڈنا کیا فائدہ

گرچہ یہ پینا ہے روا بہرِ عام
طالبانِ حق کی خاطر ہے حرام

عاشقوں کو خونِ دل خود ہے شراب
ان کی منزل پر نظر وہ راہ یاب

ایسا دہشت ناک دشت اور راستہ
سو گہن کی زد میں عقلِ رہنما

جھونکتا ہے چشمِ رہبر میں تو خاک
قافلوں کو کرتا ہے گمرہ، ہلاک

نفس کو تو جو کی روٹی بھی نہ دے
بھوسی کی روٹی کو رکھ دے سامنے

راہِ حق کے دشمنوں کو خوار کر
چور کو جا کھینچ تختۂ دار پر

قطع کردے ہاتھ کو تو چور کے
کاٹنے سے ہو جو عاجز باندھ دے

گر نہ باندھے ہاتھ باندھے گا ترے
گر نہ توڑے پاؤں توڑے گا ترے

تو عدو کو نیشکر دے مے نہ دے
بول اس کو خاک پھانکے سَم پیے

آئی غیرت توڑا پتھر سے گھڑا
وہ گھڑا پھینکا ادھر بھاگے چلا

امیر کا غصہ میں بھر کر زاہد کو سزا دینے کے لیے لے جانا

میر کے پاس آیا پوچھا ہے کہاں
ماجرا سارا کیا اس نے بیاں

طیش کے عالم میں پھر وہ اٹھ کھڑا
بولا چل زاہد کا مجھ کو گھر بتا

تا کہ توڑوں گرز سے میں اس کا سر
بے خرد، بدکار مادر کا پسر

امر کیا جانے وہ کتّا لالچی
چاہتا ہے شہرت و نام آوری

تا کرے اس مکر سے پیدا مقام
تا کسی صورت ہو روشن اس کا نام

کچھ تو وہ رکھتا نہیں اس کے سوا
ہر کسی سے مکر کام اس کا سدا

فتنہ جو ہے اور دیوانہ ہے گر
ہے علاج اس کا وہ عضوِ گاوِ نر

تا کہ شیطاں اس کے سر سے دور ہو
مار بن جائے گدھا کیوں کر کہو

گرز لے کر ہاتھ میں گھر سے چلا
نیم شب زاہد کے گھر مست آ گیا

قصد اس کو قتل کرنے کا جو تھا
اون کی تہ میں وہ زاہد چھپ گیا

میر کی باتیں سبھی سنتا رہا
بٹنے والے اون کے نیچے جو تھا

منھ پہ بد کہنا ہے کارِ آئینہ
سخت رو اپنا شعار آئینہ

آئینہ سا چاہیے منہ آہنیں
بولے تا دیکھ اپنا بد منہ اے لعیں

ایک مسخرے کی سید شاہ ترمذ کو مات دینے کی حکایت

شہ کی بازی اک ہنسوڑے سے بدی
طیش آیا مات جب ان کو ہوئی

کر کے تھوتھو پُر غرور اس شاہ نے
مہرے مارے سر پہ ایک اک پھینک کے

بولا اے دیوّث لے تیری یہ شُہ
مسخرے نے چاہی اللہ سے پناہ

شہ نے پھر بازی لگانے کو کہا
اور وہ لرزاں، ننگا جوں جاڑے میں تھا

مات شہ کو ہی ہوئی اس بار بھی
باری تھوتھو کی دوبارہ آ گئی

مسخرا کونے میں پہنچا کود کر
نمدے اوڑھے چوں کہ تھا تھوتھو کا ڈر

زخم شہ سے پھر جو ہونا تھا رہا تکیوں اور نمدوں کے نیچے چھپ گیا
بولا شہ ہے ہے یہ تونے کیا کیا بولا تھو تھو تھو اے شاہِ دلربا
کون حق کی بات کھل کر کہہ سکے آگ جیسے غصہ والے شاہ سے
مجھ سے شہ، میں مات زخمِ شاہ سے کرتا ہوں تھوتھو میں کپڑوں کے تلے

امیر کا زاہد کے در پر آنا اور لاتوں سے دروازے کو پیٹنا

میر کی ہا ہُو سے کوچہ بھر گیا شور تھا لاتوں کا دارو گیر کا
لوگ دائیں بائیں سب آنے لگے بولے آقا در گزر سے کام لے
خشک مغز اور عقل سے بیگانہ ہے عقل میں بچوں سے بھی کم مایہ ہے
زہد و پیری ضعف پر ضعفِ دگر بسط نادیدہ ہے زہد اس کا ادھر
رنج دیکھا پر نہ پایا گنجِ یار کام کرکے بھی نہ پایا مزدِ کار
ہے یہودی کا عمل اس کا کہیں یا ابھی وقتِ جزا آیا نہیں
جوں جھوداں کام میں سچا نہیں یا ابھی وقت جزا آیا نہیں
یہ مصیبت، درد کیا کم بار ہے وادیِ پُرخوں میں وہ بے یار ہے
بیٹھا ہے کونے میں آنکھیں موند کے منھ اتارے، ہونٹ لٹکائے ہوئے
فکر کرنے نا معالج آنکھ کا اور نہ وہ خود جاکے سرمہ لائے گا
سب ریاضت باعث وہم و گماں ہوگا شاید وہ کسی دن کامراں
راہ ہے دور اس کی تا دیدارِ دوست ہے سرِ بے مغز میں سودائے پوست
وہ کبھی ناراض خود اللہ سے دکھ ہی پایا اس نے اس درگاہ سے
یا کبھی قسمت سے اپنی در جدال پرکُشا سب اور ہم بے پرّ و بال
رنگ و بو میں پھنس گیا ہو جو کوئی ناخوشی دیکھے وہ زاہد ہی سہی
جب تلک چھوٹے نہ جائے تنگ سے کیوں ہو خوش خو سینہ کیسے کھل سکے
بسط جب تک ہو نہ زاہد کو عطا تیغ تنہائی میں دوگے نہ چھرا

ناخوشی میں پھاڑ لے گا وہ شکم — غصہ اس کا وجہِ ناکامی و غم
ہم کو اس دنیا کی ناکامی بھلی — کامیابی ، بدمزاجی، سرکشی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار میں تاخیر ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو حرا کے پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرنا اور جبرئیل علیہ السلام کا اپنے آپ کو ان پر ظاہر کرنا کہ نہ گرایئے کیونکہ آپ کو دولتیں اور سعادتیں درپیش ہیں

ہجر میں جب بھی گراں صدمہ لگا — کوہ سے گر پڑنا چاہے مصطفیٰؐ
کہتے تھے روح الامینؑ ہاں ہاں نہیں — امرِ کن حق آپ کا ہے بالیقیں
پس سنبھل جاتے تھے آپ ہی مصطفیٰؐ — پھر بھی حملہ ہوتا جب بھی ہجر کا
چاہتے خود کو گرانا کوہ سے — شدتِ رنج و غم و اندوہ سے
ہو کے ظاہر پھر سے جبرئیلِ امیں — کہتے شاہِ بے بدل ''ہاں ہاں نہیں''
پردہ اٹھنے تک یہی عالم رہا — آپؐ نے آخر وہ گوہر پالیا
جان لیوا ہر کوئی محنت جو ہو — دکھ کی جڑ برداشت کیوں کر ہو کہو
جاں کی قربانی پہ سب کو ہے عجب — پر ہیں قرباں اک نہ اک سیرت پہ سب
اے مبارک جس نے تن صدقہ کیا — اس پہ قابل جو کوئی پایا گیا
مردِ حق ہوتا ہے اس فن پر فدا — موت ایسی سو حیاتوں سے سوا
عاشق و معشوق و عشق ان کا دوام — دو جہاں میں کامیاب و نیک نام
ہیں سبھی دنیا میں اس فن پر فدا — عمر اسی میں گزرے اور موت انتہا
کشتنی ہے جلوہ یہ پوشیدگی — پھر نہ ہی عاشق نہ وہ معشوق ہی
عاشقوں پر رحم کیجو اے کرام — ہے ہلاکت سے انھیں ہر رنگ کام
از نگاہِ عفو تو سختی کو دیکھ — اس کے دکھ اور اس کی بدبختی کو دیکھ
تا خطائیں تیری بھی بخشے خدا — مغفرت ذلّت کے بدلے ہو عطا
تو نے غفلت میں کئی توڑے سبو — عفو کی امید لے کر دل میں تو

عفو کرتا عفو ہو اس کا صلہ
ہے خدا باریک بیں اندر سزا
نکتہ جینانِ قدر کو دیکھ لو
قصہ یہ اپنا توجہ سے سنو
قصہ سن دیگر امیروں کا ذرا
ہے خزانہ اس میں معلومات کا

امیر کا ان زاہد کے سفارشیوں کو جواب دینا کہ اس نے گستاخی کیوں کی اور ہماری ٹھلیا کیوں توڑی؟ میں اس سلسلے میں سفارش قبول نہ کروں گا کیوں کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ اس کو سزا دوں گا

کون ہوتا ہے وہ پتھر مارنے
مار کر میرے سبو کو توڑنے
میرے کوچے میں جو آئے شیرِ نر
ڈرتے ڈرتے کرتا ہے وہ طے سفر
بھاگتا ہے چھوڑ کر وہ نقشِ پا
چیونٹی ہے میرے مقابل اژدہا
میرے نوکر کا دکھایا اس نے دل
مجھ کو مہمانوں میں کر ڈالا خجل
اس کے خوں سے خوب تر بادہ مرا
منھ چھپائے ہم سے رخصت ہوگیا
کیوں بچے گا اب وہ میرے ہاتھ سے
گرچہ مثلِ مرغ وہ اوپر اڑے
قہر سے باندھوں نشانہ بازو پر
اس کمینہ کے اکھیڑوں جڑ سے پر
مثلِ ماہی بھی چھپے گر ڈوب کر
ہوگا میرے خوف سے زیر و زبر
اب نہیں بچنے کا میری تیغ سے
حیلہ، فن، تدبیر جو چاہے کرے
سخت پتھر میں بھی گر وہ جا چھپے
لاؤں گا پتھر سے باہر میں اُسے
چوٹ کرنے کا ارادہ ہے مجھے
تا سبق ہو جائے اوروں کے لیے
کام اس کا دھوکہ اور حیلہ گری
مقصد اس کا شہرت اور نام آوری
ماروں اس کے سر پہ یوں گرز گراں
باہر اس کے جسم سے ہو جائے جاں
غصہ خونخوار اس کا سرکش ہوگیا
شعلے اس کے منھ سے ہوتے تھے رہا

اس زاہد کے پڑوسیوں اور سفارشیوں کا امیر کے ہاتھ پاؤں کو دوبارہ بوسہ دینا اور خوشامد کرنا

ان سفارشیوں نے شور اس کا سنا
چومے بے حد عاجزی سے دست و پا

بدلہ یوں زیبا نہیں آقا تجھے
بن پیئے بھی شاد تو مے کیا تجھے

ہے شرف صہبا کو تیرے لطف سے
پانی تیرے لطف پر حسرت کرے

بادشاہی کو عطا سے اے رحیم
اے کرم ابن الکریم ابن الکریم

بادہ کیا ہے بندۂ رخسار و قد
اور سب مستوں کو ہے تجھ پر حسد

کیا نئے گلفام کی حاجت تجھے
خود ہے غازہ، غازہ تجھ کو کس لیے

زہرہ سا رخ تو ہے جوں شمس الضحٰی
غازہ تیرے رنگ رخ کا جو خود گدا

جوشِ بادہ خم کے اندر اور نہاں
اشتیاقِ رو سے تیرے ہے تپاں

خود تو دریا کیا کرے گا لے کے نم
تو مجسم ہست، کیوں چاہے عدم

اے مہِ تاباں تجھے کیوں فکرِ گرد
ہے رخِ خورشید تیرے آگے زرد

خوب ہے خوش ہے، تو کانِ ہر خوشی
کیوں تجھے احسان مندی بادہ کی

تاج کرّمنا کا ہے بالائے سر
طوق اعطینا کا تیرے سینے پر

جوہر انساں، آسماں گویا عَرَض
یہ ہیں شاخیں، اور سایہ تو غرض

سب ترے بندے ہیں ہوش وعقل کیا
خود کو ناحق تونے ارزاں کرلیا

تیری خدمت فرض موجودات پر
کیوں ہے محتاجِ عَرَض جوہر، مگر

علم کیا تجھ کو کتابوں سے ملے
بھوسی کے حلوے کی لذت چاہیے؟

علم کا دریا تو قطرے میں نہاں
تین گز تن، غرق حیرت ہے جہاں

بادہ کیوں، کیسا جماع، اور راگ کیا
عیش جو، کیا آخر ان سے فائدہ

ذرہ کا ممنوں کیوں ہو آفتاب
کیوں ہو چنگاری سے زہرہ فیض یاب

جانِ بے کیف اور رہنِ کیف حیف
گانٹھ میں سورج مقید حیف حیف

امیر کا سفارشیوں کو پھر جواب دینا

بولا نہ نہ میں حریفِ بادہ ہوں	اس خوشی و ذوق پر کیا بس کروں
میں کہ ہوں آزادِ ہر خوف و امید	جھومتا ہوں پیچ کھاتے جیسے بید
یاسمیں سا جھومنا خواہش مری	جھومنا ایسا کبھی ویسا کبھی
دائیں بائیں بید بن کر جھومنا	ساتھ جھونکوں کے ہوا میں گھومنا
جس کو عادت ہو شرابِ ناب کی	یہ خوشی صاحب اسے کیوں بھائے گی
دور اس سے انبیا ہیں اس لیے	رشتہ میں حق کی خوشی کے ہیں بندھے
اس خوشی سے ان کی جاں ہے پُر سرور	ایسی خوشیاں کھیل ہیں ان کے حضور
ہے حقیقی نور جن پر آشکار	ان کو کیوں آئے ندھیروں میں قرار
بھوک میں جو بھی طعام اللہ کو کھائے	شوربا اور نان سے کیا حظ اٹھائے
باغ کے ماحول میں سوتے ہوئے	کون بھٹّی کی بھلا خواہش کرے
پیاسا پانی سے کرے کیوں اجتناب	کیوں شرابی کوئی دھتکارے شراب
چاہے عاشق ہر کوئی قربِ حبیب	چاہیے رنجور کو ہر دم طبیب
جب کوئی زندہ میسر آئے یار	وہ کہیں مردے سے کر پائے گا پیار
مردے کو چمٹائے گا جو گھیر کر	اس کو دنیا میں نہیں دل کی خبر

اس آیت کی تفسیر " وَاِنَّ الدَّارَالْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیْوَانَ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ " کہ ''اور بیشک آخرت کا گھر ہی زندہ ہے کاش وہ جان لیتے'' کیوں کہ اس عالم کے در و دیوار اور صحن اور پانی اور پیالہ و پھل اور درخت سب زندہ ہیں اور بات کرنے والے اور بات سننے والے۔ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَلدُّنیَا جِیفَةٌ وَطَالِبُهَا کِلَابٌ " کہ دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتّے ہیں۔ اگر

آخرت کی زندگی نہ ہوتی تو آخرت بھی مردار ہوتی۔ مردار کو اس کے مردہ ہونے کی وجہ سے مردہ کہتے ہیں نہ کہ بدبو کی وجہ سے

ذرّہ ذرّہ زندہ اُس عالم کا ہے ۔۔۔ نکتہ داں ہوتے ہوئے وہ گویا ہے

مردہ دنیا میں انھیں راحت کہاں ۔۔۔ چارہ چوپایوں کے لائق ہے یہاں

باغ ہو بزم و وطن جس کے لیے ۔۔۔ بیٹھ کر بھٹی میں مَے کیوں کر پیے

جائے روحِ پاک علّیین ہے ۔۔۔ اور نجس روحوں کی جا سجّین ہے

شاخِ گل بلبل کو ہے نسرین ہے ۔۔۔ اور کیڑوں کا وطن سرگین ہے

مست حق کے واسطے جامِ طہور ۔۔۔ حصہ اندھوں کے لیے یہ آبِ شور

عدلِ فاروقیؓ سے جو بیگانہ ہو ۔۔۔ کیوں نہ عادل پائے وہ حجاج کو

لڑکیاں بے جان گڑیاں دی گئیں ۔۔۔ کھیل سے زندوں کے وہ آگہ نہیں

جب نہیں معلوم انھیں مردانگی ۔۔۔ کاٹ کی تلوار لڑکوں کو بھلی

کافروں کو بس نقوشِ انبیا ۔۔۔ کندہ بت خانوں کے اندر کرلیا

روزِ روشن وہ جہاں اپنے لیے ۔۔۔ ہوگی نقش و سایہ کی پروا کسے

ثبت اک نقش ان کا دنیا میں یہاں ۔۔۔ مثلِ مہ نقشِ دگر بر آسماں

ساتھیوں سے گفتگو میں یہ دہاں ۔۔۔ ہم کلام اللہ سے دیگر وہاں

گوش سر سننے کو حالاتِ جہاں ۔۔۔ جذب کرنے سرِّ کن کو گوش جاں

چشمِ ظاہر حافظِ شکلِ بشر ۔۔۔ چشمِ جاں حیرانِ مازاغ البصر

لینے دینے کے لیے دستِ عیاں ۔۔۔ پیش اللہ الصمد دستِ نہاں

صف میں مسجد کی صف آرا پائے تن ۔۔۔ پائے باطن سیرِ گردوں میں مگن

حال یہ ہر جزو تن کا جانیے ۔۔۔ ہے سبھی کچھ باہر اندر وقت کے

وقت کے اندر ہے جو بھی تا اجل ۔۔۔ ماوراء وہ تا ابد، یارِ ازل

نام اس کا ہے ولی القبلتیں ۔۔۔ نام دیگر کا امام الدولتین

ان کو لازم خلوت و چلہ نہیں ۔۔۔ ابر کوئی ان پہ چھا سکتا نہیں

اس کا خلوت خانہ قرصِ آفتاب
رات ہوسکتی نہیں اس کی حجاب
ختم پرہیز و مرض بحراں نہیں
کفر ایماں ہوگیا کفراں نہیں
جوں الف آیا وہ سیدھا سامنے
اس میں کچھ باقی نہ تھا اوصاف سے
جامۂ اوصاف اتارا آپ سے
تھا برہنہ جاں فزا کے سامنے
جب برہنہ شاہ کے آگے چلا
شہ نے جامۂ وصفِ قدسی دے دیا
پہنا خلعت شاہ کے اوصاف کا
چہ سے نکلا، جالیا ایوان جاہ
جوں ہی تلچھٹ سے بری ہونا ہوا
پیالے کے پیندے سے وہ اوپر چلا
پیالے کے پیندے میں تھا وہ دردناک
چوں کہ اندر اس کے تھی موجود خاک
یار بد کی وجہ وہ پر بستہ تھا
ورنہ اصلیت سے اپنی تھا بجا
جب عتابِ اِهبِطُوا ان پر ہوا
قہرِ حق الٹا انھیں لٹکا دیا
اک فرشتہ اصل میں ہاروت تھا
قہرِ حق نے سر نگوں لٹکا دیا
اصل سے ہٹ کر چلا، اوندھا ہوا
سر سمجھ کر خود کو تنہا بڑھ چلا
ہوگئی پانی سے پُر جب ٹوکری
ہوکے مستغنی وہ دریا سے چلی
قطرہ پانی تک نہ ٹھہرا اس میں جب
مہرباں ہوکر بلایا بحر تک
رحمتِ حق بے سبب، خدمت بنا
جب بھی آئے مرحبا اس کی رضا
چل خدا را سوئے دریا لوٹ کر
اہلِ دریا زرد گو آئیں نظر
تا کہ دیکھے لطف بخشائش کا تو
تا کریں اوصافِ گوہر سرخرو
زردیِ رخ سارے رنگوں سے بھلی
ہے نشان عاشقانِ حق وہی
رخ کی سرخی میں چمک دیکھے جہاں
جان لے ہے جانِ قانع کا نشاں
طمع سے تن لاغر و زرد و ذلیل
ہے بغیر درد و علت وہ علیل
زرد رو ہو، اور نہ ہو علت کوئی
ہوگی حیراں عقل جالینوس کی
ہو اگر تو طامعِ انوارِ ہُو
مصطفیٰؐ فرمائے ذَلَّت نفسہٗ
نورِ بے سایہ لطیف و عالی ہے
وہ جو جالی دار ہے غربالی ہے

جسمِ عاشق کب ہے خواہانِ لباس — کیا بدن کیا جامہ نامردوں کے پاس
روزہ داروں کے لیے ہیں نان وخواں — آش کیا مکھّے کو کیا ہے دیگداں

شاہ کا ایاز سے دوبارہ کہنا کہ اپنے کام کا مطلب بتا اور منکروں اور معترضوں کی مشکل کو حل کردے کیونکہ ان کو شبہ میں مبتلا چھوڑ نا مروت نہیں ہے

فہم سے انداز سے باہر یہ راز — اب تو بول احوال اپنا اے ایاز
ہاں بیاں کر حال اپنا اے ایاز — ہوگئی ہے یہ حکایت گو دراز
تیرا قصہ ایک معدن ہے نیا — مطمئن اس سے تو کب ہوگا بتا
اپنے نیک احوال کا تو ذکر کر — خاک پنج وشش کے اس احوال پر
گو نہیں اظہارِ باطن کو زباں — گومگو سنیے یہ ظاہر کا بیاں
مات میں ہیں گو غضب کی تلخیاں — قند ومصری سے بھی خوشتر بہرِ جاں
گرد گر اس قند کی دریا میں جائے — آبِ تلخِ بحر کو شیریں بنائے
اس طرح ہیں لاکھوں احوالِ جہاں — ہوگئے ہیں غیب کی جانب رواں
آج کی بیتی ہے کل 'نا' کی مثال — چشمۂ جاری کا سا ہے اس کا حال
ہوتی ہیں خوشیاں نئی ہر روز کی — ہوتی ہے ہر روز کی فکر اور ہی

آدمی کے جسم کی مثال مہمان خانہ سے ہے اور مختلف فکریں مہمانوں کی طرح ہیں اور عارف، صابران فکروں کے معاملہ میں دوست غریب نواز ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح ہیں

ایک مہمان خانہ ہے تن اے جواں — آتا ہے ہر دن نیا اک میہماں
'نا' غلط آتے ہیں مہماں دم بدم — یعنی فکرِ تازۂ شادی و غم
میزبان بن جوں خلیلؑ، ان کو بلا — در کھلا رکھ راہ پر آنکھیں بچھا
جو بھی آتا ہے جہانِ غیب سے — ہے ترا مہماں سمجھ، خوش رکھ اسے
ہاں نہ کہہ ہے بوجھ گردن پر مری — اڑ کے ہوجائے گا وہ غائب ابھی

مہمان اور گھر کے مالک کی بیوی کی حکایت، کہ ہائے بارش جم گئی اور مہمان ہماری گردن میں پڑ گیا

اس کے ہاں بے وقت مہماں آ گیا
اور گلے کا ہار اس نے کرلیا

بچھ گیا خوان اور تواضع ہوچکی
جشن تھا اب شب گلی میں دھوم تھی

مرد آہستہ سے بیوی کو کہا
آج شب گھر میں دو بستر دے لگا

تو بچھا بستر ہمارا سوئے در
اور بچھا مہمانوں کا جائے دِگر

بولی زن خدمت سے پاتی ہوں خوشی
آنکھیں روشن ہوں گی خدمت سے مری

زن بچھاکر بسترے رخصت ہوئی
شادی خانے کی طرف اور رک گئی

مرد اور مہمان گھر میں رہ گئے
اور چینے خشک و تر کھانے کو تھے

کہہ رہے تھے دونوں قصے منتخب
داستانیں نیک و بد تا نیم شب

قصے سن کر نیند سے مہماں چلا
بسترے پر نزدِ در کے سوگیا

مرد کچھ کہنے نہ پایا شرم سے
کہ یہاں ہے بسترا تیرے لیے

استراحت کے لیے اے مہرباں
ہے ترے خاطر دگر بستر یہاں

بات بدلی اس نے جو بیوی سے کی
استراحت اس طرف مہمان نے کی

سخت بارش رات کو ہونے لگی
اور غضب کے ابر سے حیرت رہی

تھا گماں زن کو کہ شوہر ہے اِدھر
اور محوِ خواب ہے مہماں اُدھر

ہوکے عریاں زن وہ چادر میں گھسی
اور لی مہمان کے بوسے کئی

بولی جس کا ڈر تھا مجھ کو اے میاں
ہے وہی در پیش اب اپنے یہاں

میہماں بارش میں جانے سے رہا
ٹیکس شاہی تجھ پہ گویا لگ گیا

بارش اور کیچڑ میں کیسے جائے گا
لے تجھے جرمانہ بھر دینا پڑا

اٹھا مہماں بولا اے زن دور جا
موزہ ہے کیچڑ کا مجھ کو خوف کیا

لو چلا میں تم بخیریت رہو
اب سفر میں کوئی فرصت نہ ہو

اصل کی جانب وہ جلدی سے چلے — یہ خوشی وقتِ سفر رہزن بنے
زن پشیماں سرد مہری سے ہوئی — وقتِ رخصت اس کی عجلت دیکھ لی
بولی زن آخر یہ تم کو کیا ہوا — محض خوش طبعی تھی میں نے جو کہا
سجدہ و زاریِ زن سب بے اثر — چل پڑا حسرت میں ان کو چھوڑ کر
ماتمی جامہ میں دونوں مرد و زن — دیکھے اس کو جیسے شمعِ بے لگن
روشنی صحرا کو اپنی لے چلا — دفع کی ظلمت، دیا جنت بنا
مرد گھر کو میہماں خانہ کیا — شرم و غم سے وہ جو کچھ واقع ہوا
دل میں دونوں کے خیالِ میہماں — کہتا تھا پوشیدگی سے ہرزماں
گنج صدہا تھے جو یارِ خضرؑ سا — میں نے جھاڑے، کچھ تمھیں ملنا نہ تھا

ہر روز جو خیال دل میں آتا ہے اس کی مثال دینا اس نئے مہمان کے ساتھ جو پہلے ہی دن گھر میں آتا ہے اور حکم چلاتا ہے اور بدمزاجی کرتا ہے اور مہمانداری کی فضیلت اور مہمان کی ناز برداری کرنا

دل میں با توقیر مہماں کی مثال — آتا ہے ہر روز اک تازہ خیال
فکر ہے اک شخص کے قائم مقام — فکر ہی سے شخص پاتا ہے مقام
رہزنِ شادی جو ہوگی فکرِ غم — شاذ شادی وہ کرے گی خود بہم
کرتی ہے گھر کی صفائی غیر سے — تاکہ شادیِ نو سے گھر بسے
زرد پتّے جھاڑتی ہے شاخ سے — تا ہوں پیدا اس سے پھر پتّے ہرے
سروِ کہنہ کی اکھاڑے گی جڑیں — تاکہ پھوٹیں سروِ جو ہیں غیب میں
غم اکھیڑے ساری بوسیدہ جڑیں — رونما ہوں تاکہ پوشیدہ جڑیں
یا نکالے یا کہ دل میں ڈالے غم — بخدا اس سے بھی بہتر لائے غم
خاص جب دل میں یقیں ہو جاگزیں — کیوں کہ غم ہے بندۂ اہلِ یقیں
ترش رو جب تک نہ ہوں گے ابر و برق — پھونک دے انگور کو گرمیِ شرق

نیک و بد دل میں ترے در آئیں گے | جیسے سیارہ وہ گھر گھر جائیں گے
برج میں تیرے کریں گے جب مقام | تو بھی ان کی طرح ہوگا شاد کام
جاتے جاتے برجِ مہ میں جب چلے | پیش تیرا شکر وہ حق کو کرے
سات سال ایوبؑ نے صبح و مسا | خدمت مہمانِ حق کی بارضا
تا کہ جب ٹل جائے سر سے وہ بلا | بارگاہِ حق میں بولے شکریہ
اور مجھ سے دوست کش کے پیار سے | منہ نہیں موڑا کبھی ایوبؑ نے
پاس اس کو تھا وفا کا حکم کا | جیسے شہد و شیر تھا وہ با بلا
نو بنو فکر آتی ہے دل میں سدا | کر خوشی سے ہر کسی کا سامنا
اس کے شر سے مجھ کو اے خالق بچا | کر نہ محروم اس کی نعمت کر عطا
جو بھی پاؤں شکر کی توفیق دے | اور نہ ہو غم کچھ گنوانے کا مجھے
اس دلِ ناراض کا بھی کر خیال | نا خوشی کو تو رضا ہی کر خیال
ترش رو بادل تو پایا جائے گا | کھار مارے گا چمن کو لائے گا
کر تصور فکرِ غم کو ابر تو | دکھ نہ کر تو اس کو پا کر ترش رو
لایا ہو موتی کوئی تیرے لیے | جہد کرتا تجھ سے وہ راضی رہے
خود نہ ہو آسودہ وہ دولت نہ دے | خوبی میں اپنی تُو افزونی کرے
جائے دیگر تیری خو کام آئے گی | ناگہاں ہوگی روا حاجت تری
فکر جو تیری خوشی کو رد کرے | ہے یہ امر و حکمتِ حق تو جان لے
گو حقیر اس کو تو سمجھے اے جواں | ہے یہ ممکن کہ وہ ہو صاحبقراں
شاخ کیا خود اصل اس کو جان لے | تا کہ مقصود اپنا تو حاصل کرے
اور اگر تو شاخ سمجھے یا مضر | تیری آنکھیں اصل میں ہیں منتظر
ذائقہ میں زہر گو، ہو انتظار | موت سے ہر وقت ہوگا تو دوچار
اصل اس کو جان ہوجا ہم کنار | موت کے ہمسر ہو ورنہ انتظار

سلطان محمود کا ایاز کو نوازنا

صدق تیرا اے ایاز حق پسند
بحر سے گہرا پہاڑوں سے بلند

وقتِ شہوت بھی نہیں کرتا خطا
عقل ہر حالت تری قائم بجا

غصہ ہو کینہ ہو تو ہے برقرار
ہاتھ سے کھوتا نہیں صبر و قرار

ہے یہی مردی نہ داڑھی نے ذکر
ورنہ ہوتا میرِ میراں عضوِ خر

حق نے قرآں میں کہا کس کو رجال
تن کا جن کی جاں پہ غلبہ ہے محال

جانِ حیوانی کی کیا قدر اے پسر
دیکھ قصابوں کا کوچہ اک نظر

پیٹ پر ڈالے ہوئے سر صد ہزار
دُم سے کمتر ان کی قیمت کا شمار

کچھ بھی ہو، ہو جا نہ شہوت کا شکار
پیچھے شہوت کے نہ پڑ، دل کو نہ ہار

ورنہ ڈھا دے گی یہ شہوت گھر ترا
جیتے جی ہو جا نہ لقمہ قبر کا

ہوتی ہے قحبہ ہی شہوت میں دلیر
عقل چوہا اور شہوت جیسے شیر

باپ کی بیٹی کو نصیحت کہ اپنی حفاظت کرتا کہ تو اس شوہر سے حاملہ نہ ہو جائے

خواجہ تھا اور اس کی اک بیٹی دوئن
زہرہ جیسے گال اور سیمیں بدن

ہوگئی بالغ تو اس کو بیاہ دیا
بیٹی کے ہم پلّہ وہ شوہر نہ تھا

ہو رسیلا خربزہ جب پک گیا
گر نہ کاٹوگے تبہ ہوجائے گا

تھی ضرورت بیاہ بہ عجلت کردیا
نا کُفُو سے، ڈر بگڑ جانے کا تھا

بولا بیٹی باخبر داماد سے
حاملہ اس سے نہ ہونا ہے تجھے

تھی ضرورت عقد اس سے کردیا
یہ گدا قابل نہیں بہرِ وفا

ناگہاں بھاگے گا سب کو چھوڑ کر
اس کا بچہ بوجھ ہوگا تیرے سر

بولی بیٹی لاؤں گی فرماں بجا
ہے غنیمت اور بجا کہنا ترا

ہر دو دن باتیں دن میں ایک بار
یاد دلواتا تھا وہ قول و قرار

رہتے تھے دنیا میں ایسے لوگ بھی
جو نصیحت کرتے تھے اس طرح کی

حاملہ دختر اچانک ہوگئی	تھے جواں خاتون اور وہ دونوں بھی
باپ سے اس بھید کو رکھی چھپا	پانچ یا چھ ماہ کا بچہ بھی ہوا
ہوگیا ظاہر تو بابا نے کہا	دور رہنے کو کہا یہ کیا کیا
میری باتیں ہوگئیں برباد کیا	میرے وعظ و پند سب بے فائدہ
بولی بابا کیوں کروں پرہیز میں	مرد و زن جیسے کپاس اور آگ ہیں
آگ سے روئی بھلا کیوں کر بچے	آگ کے اندر اماں کیسی کسے
بولا کیا روکا نہ تھا میں نے تجھے	دور تا تو اس کے نطفہ سے رہے
آئے گا جب وقتِ انزال و خوشی	دور اس کی جفت سے ہوجائے گی
بولی کیا جانوں میں وقت انزال کا	وہ نہاں، اس پر ہے کب قابو مرا
بولا آنکھوں میں جہاں فرق آگیا	جان لے وقت آگیا انزال کا
بولی آنکھ اس کی ابھی بدلی نہ تھی	ہوگئی لذت سے آنکھ اندھی مری
کب ہے ناچیز عقل کوئی پائیدار	وقت حرص و وقتِ جنگ و کارزار

اس صوفی کے دل کی کمزوری اور سستی کا بیان جو سایے میں پلا تھا، مجاہدہ نہ کیے ہوئے تھا۔ عشق کے درد و داغ نہ دیکھے ہوئے تھا، سجدے اور عوام کی دست بوسی اور احترام سے دیکھنے اور ان کی انگلی اٹھانے سے۔ کہ آج کل دنیا میں وہی صوفی ہے، وہ دھوکے میں آگیا تھا اور وہم کی بیماری میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس استاد کی طرح جس کو بچوں نے کہا تھا کہ آپ بیمار ہیں اور اس وہم سے کہ میں مجاہد ہوں لوگ مجھے اس راہ کا پہلوان سمجھتے ہیں۔ غازیوں کے ساتھ جہاد میں چلا گیا کہ میں ظاہری جہاد بھی کروں گا کیوں کہ میں بڑے جہاد میں ممتاز ہوں۔ چھوٹا جہاد میرے سامنے کیا وقعت رکھتا ہے اور شیر ہونے اور بہادریوں کا نقشہ آنکھ میں جما کر اور ان بہادریوں میں مست ہو کر شیر کے ارادے سے جنگل کا رخ کیا اور

شیر نے زبانِ حال سے کہا ہرگز نہیں تم عنقریب جان لو گے، پھر کہا ہرگز نہیں تم عنقریب جان لو گے

فوج کے ہمراہ اک صوفی چلا — ناگہاں طوفان جنگل کا اٹھا
صوفی با ساماں خیمہ میں رُکا — رُخ سواروں نے کیا جنگاہ کا
جو تھے اپنی اپنی جا پر رک گئے — پیش قدمی کرنے والے بڑھ چلے
جنگ کرنے والے فاتح بن کے آئے — لوٹتے مالِ غنیمت ساتھ لائے
تحفتاً صوفی کو کچھ اس سے دیا — پھینکا وہ انکار لینے سے کیا
پوچھے باعث تیرے غصہ کا ہے کیا — بولا میں محروم غزوے سے رہا
مہربانی سے وہ صوفی خوش نہ تھا — کیوں کہ غزوے میں وہ خنجر کش نہ تھا
بولے قیدی بھی تو ہم لائے ہیں لے — لے کسی کو قتل کرنے کے لیے
کاٹ سر اس کا کہ تو غازی بنے — آئی ہمت، خوش ہوا اس بات سے
گرچہ پانی ہے وضو کا وجہِ نور — گر نہ ہو کافی تیمّم ہے ضرور
پس بندھے قیدی کو صوفی لے چلا — پیچھے اس خیمہ کے بہرِ معرکہ
دیر تک اس جا تھے صوفی و اسیر — لوگ تھے حیراں ہے کیا حالِ فقیر
ہیں بندھے کافر کے دونوں ہاتھ جب — قتل میں تاخیر کا ہے کیا سبب
کھوج میں اس کی کوئی آیا ادھر — دیکھا کافر ہے سوار اس صوفی پر
جیسے نر مادہ کے اوپر وہ اسیر — جیسے خفتہ شیر بالائے فقیر
وہ بندھے ہاتھوں چبانے لگ گیا — بغض سے غصہ سے صوفی کا گلا
دانت سے کافر چباتا تھا گلا — نیچے وہ صوفی پڑا بے ہوش تھا
دست بستہ گبر وہ جوں گربہ تھا — زخمی کر ڈالا گلا آلت بنا
نیم جاں وہ دانتوں میں اس کے اسیر — ریش رنگیں اس کی از خونِ فقیر
جیسے تو خود نفسِ بستہ دست سے — جس طرح صوفی زمیں پر ہے پڑے
اپنے دیں لے ٹیلے سے ہارے ہوئے — ہیں ہزاروں کوہسار آگے کھڑے

خوف ٹیلوں کا بلندی کا تجھے | اتر کیوں تو کلّہ ہائے کوہ سے
لڑتے ہیں کفار سے غازی بہ تیغ | اور اس دم بے تامل بے دریغ
رخ پہ چھڑکے صوفی کے آب وگلاب | تا کہ ہو دور اس سے بیہوشی وہ خواب
ہوش آیا ان کو پایا سامنے | اور لگے سب حال اس کا پوچھنے
اللہ اللہ حال یہ پیارے ترا | بول یوں بیہوش تو کیوں کر ہوا
وہ اسیرِ بستہ دست و نیم جاں | تو پڑا ہے ہوش کھوکر کیوں یہاں
بولا میں غصہ میں قصدِ سر کیا | گھورا کچھ اس طرح سے وہ بے حیا
دیکھا میری سمت آنکھیں پھاڑ کے | اور گھمایا دیدے بس ہوش اُڑ گئے
آنکھ کی گردش میں لشکر کا سماں | کس قدر پُر ہول تھا کیوں ہو بیاں
بس کہ آنکھوں کا اثر ایسا ہوا | ہوش کھوکر میں زمیں پر گر پڑا
قصہ کوتہ اس کا غمزہ تھا گراں | ہوش کھو کر گر پڑا اک دم وہاں

اس کو جنگ جویوں کا نصیحت کرنا کہ اس دل اور پتہ کے ساتھ جو کہ تو رکھتا ہے ہاتھ بندھا قیدی کافر کی پتلیاں چڑھنے سے بے ہوش ہو گیا اور تیشہ ہاتھ سے گرا دیا، خبردار، خبردار کہ خانقاہ کے مطبخ میں بیٹھا رہ، اور جنگ کی طرف نہ جا، تا کہ رسوا نہ ہو

لوگ اسے بولے برائے معرکہ | حوصلہ ایسا لیے ہرگز نہ جا
گرد مطبخ کے ہی رہ در خانقاہ | ہونے رسوا فوج کے ہمرہ نہ جا
دیکھی آنکھیں بستہ دست اک قیدی کی | ہوگیا غرقاب، ٹوٹی کشتی بھی
جب بھی ہوگا حملۂ شیرانِ نر | گیند جوں لڑھکیں گے تلواروں سے سر
وہ سروں کی تن سے چھٹنے کی صدا | دھوبیوں سے کپڑے کٹنے کی صدا
اس پہ تیروں کے بھی زناٹے وہیں | جس سے ہے ابرِ بہاراں شرمگیں
جوئے خوں میں تیر سکتا ہے کہیں | آشنا جب جنگ جوئی سے نہیں

تن بلا سر ہیں کئی پُر اضطراب تیرتے ہیں خون میں سر جوں حباب
کتنے قاتل گھوڑوں کے ٹاپوں تلے پس گئے، جامِ فنا پی کر چلے
ہوش اڑ جاتے ہیں جن کے موش سے جنگ میں تیغ ان کے ہاتھوں کیوں چلے
جنگ ہے حملے ہیں مے نوشی نہیں تا کہ پینے کو چڑھا لیں آستیں
تیغ اٹھا لے، ساگ اب کھانا نہیں حمزہؓ جیسا چاہیے مرد آہنیں
بے لذائذ تیر ہے تلوار ہے سر نہیں بازیِ جاں درکار ہے
کیا کرے گا نرم دل وقتِ قتال اُس تخیل سے وہ بھاگے جوں خیال
جنگ جائے تُرک، گھر عورت کی جا جنگ کو نانا، بُوا تو گھر کو جا
قصہ کوتہ، تونے آنکھیں دیکھ لیں ہوش کھو کر آ رہا تو بر زمیں

حضرت عیاضی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت کہ وہ نوے بار جہاد میں گئے تھے کھلے سینے اور شہید ہو جانے کی امید پر جہاد میں گئے اور جب جہاد اصغر سے مایوس ہوئے تو جہاد اکبر کا رخ کیا اور خلوت اختیار کر لی انھوں نے۔ اچانک غازیوں کے نقارے کی آواز سنی، نفس اندر جہاد کی جانب مجبور کرنے لگا اور ان کے نفس کو اس رغبت کے بارے میں متہم بنانا جو اس نے کی

بولے عیّاضیؒ نود بار آیا ہوں تن برہنہ تا کہ میں زخمی بنوں
تیر کے آگے بھی ننگے تن گیا تا کہ میں سینے میں دوں اس کو جگہ
تیر کو گردن پہ لگنے کے لیے اک شہیدِ برگزیدہ چاہیے
زخم سے تن میں نہیں خالی مقام تیروں سے چھلنی ہے میرا تن تمام
پر نہ لگنا تیر کا موزوں جگہ در حقیقت کام ہے تقدیر کا
جب میں محرومِ شہادت ہو چکا زود خلوت کی طرف رُخ کر لیا
تھا جہادِ اکبر آخر فیصلہ ہو گیا محوِ ریاضت شاقہ

پھر سنی آواز طبلِ جنگ کی
رن کی جانب چل دیے غازی سبھی

نفس نے بھی پھر صدا باطن سے دی
گوشِ حس سے صبح دم میں نے سنی

اٹھ کہ پھر ہے غزوے کا دن روبرو
غزوہ کرنے میں کھپادے خود کو تُو

بولا اے بدبخت نفسِ بے وفا
تو بھلا کب سے ہے خواہانِ غزا

سچ بتا کیسی ہے یہ حیلہ گری
نفسِ شہوت، ورنہ طاعت سے بری

گر نہ بولے، راست میں حملہ کروں
محنت شاقہ میں تجھ کو بھینچ دوں

نفس نے بھی دی صدا از اندرون
بے دہان و با فصاحت پُرفسوں

کہ مجھے ہر روز لاتا ہے یہاں
دیتا ہے مجھ کو عذابِ کافراں

کوئی بھی رکھتا نہیں میری خبر
مارتا ہے مجھ کو تو بے خواب و خور

جنگ میں بس ہے مجھے اک زخم ہی
دیکھو گے ایثار اور مردانگی

بولا، نفس آخر منافق ہی رہا
بس منافق ہی مرے گا اور کیا

تو رہا خود سر، ذلیل و خود نما
دونوں عالم میں تو بے ہودہ رہا

عہد ہے خلوت نہ چھوڑوں میں کبھی
تن میں جب تک جان باقی ہے مری

جو بھی تنہائی میں کرتا ہے بدن
یہ نہیں مقصد کہ دیکھیں مرد و زن

وقت خلوت اس کی حرکات و قرار
ہے فقط بہرِ رضائے کردگار

یہ جہاد اکبر ہے وہ اصغر رہا
دونوں ہی ہیں کارِ رستم و مرتضیٰؓ

یہ نہیں کام اس کا جس کے عقل و ہوش
ہلتا دیکھے موش تو کھوجائے ہوش

عورتوں کی طرح ایسوں کے لیے
جنگوں سے نیزے سے دوری چاہیے

ایک وہ صوفی دگر یہ حیف حیف
سوئی کا مارا وہ، اس کا لقمہ سیف

نقشِ صوفی ہیں یہ ان میں جاں کہاں
صوفیا ان سے ہیں بدنامِ جہاں

جسمِ خاکی کے در و دیوار پر
نقش سو صوفی کا کھینچا نقش گر

نقش وہ جادو سے تا جنبش کرے
اور عصائے موسوی پنہاں رہے

کھا رہا ہے نقش کو صدق عصا
چشم فرعونی پہ ہے پردہ پڑا

دوسرے مجاہد اور اس کی جانبازی کی حکایت

صف میں جانبازوں کے اک صوفی دگر
بیس بار آیا ہے حرب و ضرب پر
غازیوں کا ساتھی وقت کارزار
پر نہ ہوتا ساتھ وہ وقتِ فرار
زخم کھائے پھر بھی پٹّی باندھ کر
حملہ آور ہوتا تھا بارِ دگر
زخم ایک ہی کھا کے تا کہ مر نہ جائے
زخم بیس اس نے لڑائی کرتے کھائے
حیف اگر جاں جائے ایک ہی زخم سے
جاں ز دستِ صدق کیوں آساں چلے

اس مجاہد کی حکایت جو چاندی کی تھیلی سے ہر روز ایک درہم خرچ بتا کر خندق میں پھینک دیتا، نفس کی آرزو اور لالچ سے جنگ کے لیے اور نفس کی تمنا یہ کہ تو جب کہ خندق میں پھینکتا ہے ایک بار پھینک دے تا کہ میں چھٹکارا پا جاؤں، کیونکہ مایوسی بھی دو راحتوں میں سے ایک راحت ہے، اور وہ نفس سے کہتا تھا میں تجھے یہ راحت بھی نہ دوں گا

پونجی تھی چالیس درہم مرد کی
روز پھینکا دریا میں ایک ایک ہی
تا کہ گزر سخت بر نفس مجاز
جانکنی کی تا کہ ہو مدت دراز
نفس ہر شب کرتا تھا زاری بڑی
سہتے سہتے تھا شکارِ لاغری
پھینک دیتا کیوں نہیں یکبار ہی
مارتا ہے کیوں بہ حالِ بے بسی
دین جو بھی ہو نہ کیوں اک مشت دے
دو میں اک راحت ہے مایوسی مجھے
وہ نہیں سنتا تھا کچھ بھی نفس کی
دکھ دیا کرتا تھا اس کو ہر گھڑی
جس طرح صوفی وہ صف میں وقتِ جنگ
کر رکھا تھا نفس کو بدحال و تنگ
مومنوں کے ساتھ حملہ کو بڑھا
اور پسپائی میں پیچھے رہ گیا
زخم کھائے باندھیں ان پر پٹّیاں
تیر برسے ٹوٹیں اس پر برچھیاں
ختم طاقت ہوگئی وہ گر پڑا
سچ کو روشن کردیا سچ کی جگہ

جان دینا صدق ہے آگے بڑھو ہے رِجالٌ صَدَّقُوا قرآں پڑھو
تن کا یہ مرنا بھی کچھ مرنا نہیں جان کو یہ جسم جز آلہ نہیں
خام کتنے تن کو کر ڈالے فنا نفس ان کا بچ کے زندہ رہ گیا
ٹوٹا ہتھیار اور رہزن رہ گیا نفس زندہ، خوں سواری کا بہا
مارا مرکب طے نہ رستہ کرسکا ناقص آخر بے خبر حق سے رہا
خوں بہانا ہی جو ہو شانِ شہید کافرِ مقتول ہوتا بو سعید
نفس ہے جن کا شہید ایسے کئی مردہ ہیں پر چلتے پھرتے ہیں ابھی
روحِ رہزن مرگئی اور تیغ تن ہے بدست غازیانِ تیغ زن
تیغ ہے، شایاں ہے کون اس تیغ کے حالت ایسی دیکھے جو حیراں رہے
نفس اگر بدلے تو یہ شمشیرِ تن ہوگی اندر دست صنعِ ذوالمنن
وہ بھی مرد اک قوت اس کی جملہ درد وہ دِگر خالی کمر مانندِ گرد

ایک چغل خور کا خوبی بیان کرنا اور کاغذ پر بنی ہوئی ایک لونڈی کی تصویر دکھانا اور اس کاغذ کی تصویر پر مصر کے خلیفہ کا عاشق ہو جانا اور خلیفہ کا ایک سردار کو بھاری لشکر کے ساتھ موصل کے دروازے پر بھیج دینا اور اس مقصد کے لیے بہت قتل اور تباہی کرنا

بولا شاہِ مصر کو غماز نے شاہِ موصل شاد جاں ہے حور سے
اک کنیزک اس کے ہاں ہے خوش جمال کہ نہیں ہے کوئی دنیا میں مثال
حسن کا اس کے نہیں ممکن بیاں کاغذی تصویر ہے اس کی یہاں
دیکھا جس دم کاغذی تصویر شاہ ہوش کھویا، جام ہاتھوں سے گرا
بھیجا سنتے ہی اسی دم پہلواں سوئے موصل ہمرہِ فوجِ گراں
بولا گر دے گا نہ وہ اس ماہ کو جا اکھیڑ اس کے درو درگاہ کو
ہاں اگر دے چھوڑ اُسے، لا ساتھ اسے تا کہ اپنالوں میں اس کو پیار سے
چل دیا موصل کی جانب پہلواں رستموں کے ساتھ با طبل و نشاں

جیسے ٹڈّی دل وہ چھا کر گردِ شہر
جانا اہلِ شہر پر برسائے قہر

زخم بھی تیروں کے اور گوپھن کے وار
جیسے تیغوں کی چمک اندر غبار

ہفتہ بھر بازارِ خونریزی تھا گرم
برجِ سنگیں بھی جوں مومِ نرم

وہ شہِ موصل دیکھا حالِ کارزار
بھیجا اک قاصد پئے قول و قرار

ہو رہا ہے کیوں یہ خونِ مومناں
کیوں گنوائیں جنگ میں وہ اپنی جاں

لے چلا میں شہر سے تو اندر آ
تا نہ ہونے پائے خوں مظلومین کا

مملکت موصل کی گر مقصود ہے
لو، یہ خونریزی بنا موجود ہے

چاہیے مال و زر و گوہر اگر
یہ ہے شہر و سلطنت سے سہل تر

مال و زر سے جو بھی تجھ کو چاہیے
بھیجتا ہوں شور و شر کو چھوڑ دے

موصل کے حاکم کا اپنی لونڈی کو خلیفہ مصر کو دے دینا تا کہ مسلمانوں کی خونریزی زیادہ نہ ہو

پہنچا جب قاصد وہ پیشِ پہلواں
شاہ کا پیغام پہنچایا وہاں

بولا تجھ سے میں نہ چاہوں ملک و مال
چاہیے مجھ کو بس اک صاحب جمال

اس کو پھر تصویر کا کاغذ دیا
اور کہا صاف آگے جا اس کو بتا

دیکھ اس کاغذ میں ہے جس کا نشاں
بھیج اسے تا بچ سکے ملک اور جاں

یہ جو ہے تصویر میں وہ چاہیے
ورنہ ہوں غالب ابھی میں دیکھ لے

جوں ہی قاصد لوٹ کر بتلایا حال
دے کے کاغذ سامنے رکھا مثال

ہوگیا معلوم شہ نے کیا کہا
بولا لے جا اک بتِ سیمیں گیا

عہدِ ایماں میں بتوں کی چاکری
میں نہیں کافر یہ زیبا اس کو ہی

ساتھ تحفے کے اُسے بھی لے گیا
فوج میں جا کر سپرد اس کے کیا

جب سپرد اس پہلواں کے کر دیا
وہ ہوا دیوانہ اس کے حسن کا

عشق دریا آسماں کف کی مثال
جوں زلیخا عاشقِ یوسفؑ کا حال

گردشِ گردوں کو موجِ عشق جان
گر نہ ہوتا عشق بجھ جاتا جہان

معدنی ہوتے نہ گم اندر نبات
روح پر شیدا نہ ہوتے نامیات

روح اس دم پر فدا ہوتی کہیں
حاملہ جس کے سبب مریم ہوئیں

ہوتا رنجیدہ ہر اک اپنی جگہ
جیسے ٹڈی جاتا کب اڑتا ہوا

ذرّہ ذرّہ ہے فدائی جمال
ہے عُلو کی سمت رُخ مثلِ نہال

سرعتِ سیر ان کی تسبیحِ اللہ
جاں کی خاطر صاف کرنا جسم کا

پہلوان جو چہ کو سمجھا راستہ
تخم ریزی خاک شورہ میں کیا

نیند میں جوں دیکھتا ہو کوئی خواب
اور جفتی میں بہا دیتا ہو آب

خواب سے وہ چونک اٹھا ہے جہاں
دیکھا اُس گڑیا کو، غائب تھی وہاں

مفت میں پانی بہایا ہائے ہائے
عشوہ گر سے دھوکا کھایا ہائے ہائے

پہلوانِ تن تھا مردی سے تہی
تخم ریزی ریت کے اندر جو کی

عشق کے گھوڑے نے توڑے صد لگام
موت کیا شے ہے جو کہتا تھا مدام

عشق میں پروا خلیفے کی کہاں
مرنا جینا ایک ہی میرے یہاں

تخم ریزی سخت گرمی میں نہ کر
مشورت لے جاننے والا ہو گر

عقل کیوں کیا مشورت کوئی کرے
حرص درپے ہے مٹانے کے لیے

آگے بھی پیچھے ترے دیوار ہے
طالب اب دُھن دید کی بیکار ہے

دُشمنِ جاں ہوگیا سیل سیاہ
شیر کو روبہ کرے تا نذر چاہ

آشکارا چہ سے نابودہ خیال
تا ڈبوئے شیر مانندِ جبال

مرد و زن رہنے نہ پائیں پاس پاس
ہے مثال ان دو کی چنگاری کپاس

آبِ حق گِل کرنے آتش چاہیے
جوں بچاؤ حق کا یوسفؑ کے لیے

کہ زلیخا سی حسین و پاک سے
جیسے شیراں آپ خود کو کھینچ لے

تا کریں ہم نفس کو اپنے زبوں
چاہیے تائید عقلِ ذو فنوں

ہاں بیاں کو ختم کرنے چل ذرا
کہ نہیں ہے اس سفر کی انتہا

پہلوان کا موصل سے مصر کی جانب واپس ہونا اور راستہ میں اس کا لونڈی سے ہم بستر ہونا

لوٹا موصل سے چلا پھر اپنی راہ — راہ میں آئی چراگاہ رُک گیا
عشق کی آتش ہوئی شعلہ فشاں — کھوچکا فرقِ زمین و آسماں
قصد خیمہ میں کیا اُس ماہ کا — عقل کیسی، اس کو خوف شاہ کیا!
جب پڑا وادی میں شہوت کا شرار — پھونک ڈالا عقل کو مانندِ خار
ہوگئی شہوت علانیہ دخیل — عقل پھر کیا اے ذلیل ابن ذلیل
سو خلیفہ گویا مکھی بھی نہ تھے — اس کی چشم آتشیں کے سامنے
زود پاجامہ اتارا اس زماں — بیٹھا اس زن کے دو پا درمیاں
عضو جب اپنے ٹھکانے پر لگا — غلغلہ محشر کا لشکر سے اٹھا
کود کر نکلا برہنہ سوئے صف — بے محابا آتشیں خنجر بکف
دیکھا کالا شیرِ بیشہ ناگہاں — قلبِ لشکر پر ہوا حملہ کناں
گھوڑے دیووں کی طرح بپھرے ہوئے — تھان ، خیمے الٹے پلٹے کر دیے
بھر رہا تھا شیر ہردم چوکڑی — بیس گز کی چوکڑی اک موج سی
تھا پہلواں اک بہادر بے حذر — شیر کے آگے چلا جوں شیر نر
پھاڑا سر کو اس کے ضربِ تیغ سے — پھر چلا خیمہ کی جانب رخ کیے
حور کے آگے ہوا جب رونما — اس کی مردی تھی ابھی قائم بجا
پنجہ زن اک شیر پر ہونے پہ بھی — اس کی مردی میں نہ تھی کوئی کمی
وہ بتِ شیریں وہ مہر و خوش عیار — اس کی مردی پر تھی حیرت کا شکار
زود وہ شہوت میں اس سے جڑ گیا — ان کی جانیں ہوگئیں ایک اس جگہ
متصل باہم دِگر دونوں کی جاں — آگئی پھر غیب سے اک اور جاں
از رہِ تولید ہوتی ہے عیاں — رحم کے اندر نہ ہوں گر رہزناں
مہر یا کینے سے گرد و کس کہیں — ملتے ہیں تو تیسرا آئے وہیں

غیب میں ہوتی ہیں پیدا عورتیں — اس طرف جائیں تو پائیں گے انھیں
دیکھ کر تو قربتوں کا یہ صلہ — اپنے ہر ساتھی سے تو خوش ہو نہ جا
ذہن میں رکھ تازہ اس میقات کو — جان سچ الحاقِ ذریات کو
بود عمل سے اور علل سے ان کی ہے — کوئی گویا تو کوئی گونگا بھی ہے
آتی ہے اُس ماہ رو سے یہ صدا — اے کہ تو ہے ہم سے غافل جلد آ
مرد و زن سب غیب میں ہیں منتظر — گام گام آتا ہے کیوں آ جلد تر
صبحِ کاذب میں گنوا کر راستہ — چھاچھ کے برتن میں مکھی سا گرا

اس لشکر کے سردار کا اس خیانت سے شرمندہ ہونا جو اس نے کی تھی اور اس کا اس لونڈی کو قسم دینا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ خلیفہ سے نہ کہے

چند دن اس حال پر قائم رہا — پھر ہوا شرمندہ از جرمِ سیہ
دی قسم اور اس حسینہ سے کہا — دیکھ سلطاں کو نہ بتلا جو ہوا
دی قسم اس کو کہ اے خورشید رو — ہاں نہ بتلا راز یہ سلطاں کو تو
لے چلا فی المختصر وہ پہلواں — اُس کنیزک کو سوئے شاہ جہاں
مست اس کی دید سے سلطان ہوا — بام سے طشت اس کا بھی نیچے گرا
وصف سو گنا فزوں جو بھی سنا — کب ہے سننے کے برابر دیکھنا
وصف ہے تصویر بہرِ چشمِ ہوش — چاہتی ہے ان کی صورت نا کہ گوش
اک مثل کہتا ہوں اب تو سن ذرا — فہم کر امثال کی معنی ہیں کیا

حکایت

پوچھا شاعر سے کسی نے یہ سوال — کیا ہے حق باطل ہے کیا اے خوش مقال
کان پکڑا بولا یہ باطل رہا — آنکھ حق ہے اور یقیں حاصل رہا
ایک کی نسبت سے باطل ہے دگر — نسبتوں کا ہی بکھیڑا ہے ادھر

گو ہے چمگادڑ کو سورج سے حجاب پھر بھی باقی ہے خیالِ آفتاب
وہ خیال اس میں ہے اس کے خوف سے کھینچتا ہے تیرگی کی سمت اسے
ہے خیالِ نور سے لرزش اسے پس اسے چمٹا دیا ہے رات سے
ہے ترے وہم و تصور میں عدو دوستوں یاروں سے چمٹا ہے جو تو
طور پر موسیٰ تجلی جو ہوئی تابِ تحقیق اُس تخیل میں نہ تھی
کر نہ یہ غرّہ کہ تو قابل رہا نہ ہی ایسا وہم کہ واصل ہوا
کون ڈرتا ہے خیالِ جنگ سے کیا شجاعت ہوگی پہلے جنگ کے
ہو خیالِ جنگ میں نامرد اگر جیسے رستم وہ دکھاکے کرّوفر
نقشِ رستم ہو اگر حمّام میں ہوگی فکر ضرب شب ہر خام میں
جو سنا ہوجائے گر پیشِ نظر ہیجڑا کیا، لرزے رستم کا جگر
جہد کرتا کان کا آنکھوں میں آئے وہ جو باطل ہے سو خود کو حق بنائے
کان پھر کرنے لگیں آنکھوں کا کام اور وہ پائیں گے زبر جد کا مقام
بلکہ جملہ جسم آئینہ بنے جملہ چشم و گوہرِ سینہ بنے
کان سے پیدا خیال اور وہ خیال ہے ذریعہ بہر دیدارِ جمال
جہد کر تا وہ خیال افزوں بنے اور دلالہ رہبرِ مجنوں بنے
اور کچھ دن اس خلیفہ مصر نے کی حماقت ہو کے خوش گل چہرہ سے
ملک کو تو جان ملکِ غرب و شرق جب نہیں قائم سمجھ لے اس کو برق
مملکت وہ کہ نہیں ہے جاوداں اصل میں ہے خواب اے خوابیدہ جاں
کب تلک نازاں تو یوں اس پر بھلا مثلِ قاتل کاٹ ڈالے گی گلا
ہے اسی دنیا میں جائے امن بھی سن نہ کافر کی کہ ناہی ہے سبھی

آخرت کے منکروں کی دلیل اور اس دلیل کی کمزوری کا بیان

ہر گھڑی اس کی یہی حجت رہی مجھ کو دکھتی جو بھی ہوتی واقعی

بچہ حالات عقل کے دیکھا نہیں پھر بھی عاقل عقل چھوڑے گا نہیں
گر کوئی عاقل نہ دیکھے حالِ عشق کم نہ ہوگا ماہِ نیکو فالِ عشق
حسنِ یوسفؑ سے تھے بھائی بے خبر کیا نہ تھا روشن دلِ یعقوبؑ پر ؟
چشمِ موسیٰ کو تھا لکڑی ہی عصا قبطیوں کو تھا بلا اور اژدہا
چشمِ باطن و چشمِ سر میں جنگ تھی جیت باطن کو ہوئی حجت یہی
ہاتھ موسیٰ کے لیے تھا ہاتھ ہی نور دیکھیں اس کو آنکھیں غیب کی
ہیں بتانے کو ابھی کتنے ہی کمال بدنصیبوں کے لیے ہیں سب خیال
ہے حقیقت جس کو بس فرج و گلو یار کے اسرار سے بتلا نہ تو
ہم کو یہ فرج و گلو کیا ہے خیال جاں دکھاتی ہے ہمیں ہردم جمال
جس کو یہ فرج و گلو آئین ہے اس کو اس کا مجھ کو میرا دین ہے
اس کو رد کرتے ہوئے بس کر سخن احمداً بس بس یہ ہے گبر کہن

ہم بستری کے لیے خلیفہ کا اس حسینہ کے پاس آنا

شاہ کو سوجھی ملن کی پھر شتاب تاکہ ہو ہم بستری سے بار یاب
یاد آئی مستعد بھی ہوگیا ساتھ سونے جاگنے کا قصد تھا
بیچ سے پیروں کے ابھی بیٹھا ہی تھا سرد اس کا جذبۂ شہوت ہوا
آئی ہے چوہے کی کھٹ کھٹ کی صدا سست پڑ کر جذبہ شہوت سوگیا
وہم گزرا سانپ کی ہوگی صریر جو بہ سرعت ہے رواں زیرِ حضیر

اس سردار کی شہوت اور خلیفہ کی شہوت کی کمزوری پر لونڈی کا ہنس پڑنا اور لونڈی کے ہنسنے کو خلیفہ کا سمجھ جانا

دیکھی حیرت سے وہ جب ٹھنڈا پڑا کہ ہنسی آئی لگائی قہقہہ
مردی آئی یاد اسے سردار کی شیر مارا مردی ویسی ہی رہی

تھا ہنسی کا غلبہ ہنستی ہی گئی　　روکنا چاہا وہ رکنے کی نہ تھی
بھنگیوں کی طرح تھی خندہ کناں　　بھول بیٹھی خندہ میں سود و زیاں
جتنا بھی سوچی بڑھی اتنی ہنسی　　ناگوارا شہ کو گزرا اور بھی
رونا ہنسنا اور غم و شادیِ دل　　جان سب کو ایک معدن مستقل
ہے ہر اک مخزن کی کنجی ساتھ ساتھ　　اے برادر کھولنے والے کے ہاتھ
کچھ بھی ہو تھمتی نہ تھی اس کی ہنسی　　شہ پہ گزرا ناگوار اور بھی
میان سے تلوار فوراً کھینچ لی　　بولا کیا ہے وجہِ خندہ بول ابھی
بدگمانی دل میں پیدا ہوگئی　　سچ بتا دھوکا نہ کھاؤں گا کبھی
برخلافِ راستی دھوکا جو دے　　یا تو بہلائے بہانوں سے مجھے
دل ہے روشن میرا پالوں گا سبھی　　بول دے جو کچھ ہے دل میں گفتنی
دل میں شاہوں کے ہے اک موٹا سا ماہ　　ابر غفلت سے ہے حائل گاہ گاہ
دل سے روشن ہے چراغ اک وقتِ گشت　　وقتِ حرص و غصہ ہوگا زیر طشت
فہم وہ اس وقت حاصل ہے مجھے　　گر نہ بولے وہ جو کہنا ہے مجھے
کاٹ دوں گردن تری اس تیغ سے　　کچھ نہ حاصل ہوگا حیلوں سے تجھے
میں اسی دم مار ڈالوں گا تجھے　　اور بڑھایا تیغ اس کے سامنے
راست گر بولے تو کردوں گا رہا　　میں نہ توڑوں عہد جو حق سے کیا
نیچے اوپر سات قرآں رکھ دیا　　اور قسم کھاتے ہوئے وعدہ کیا

تلوار کے زخم سے ڈر کر اس لونڈی کا خلیفہ سے راز فاش کر دینا اور خلیفہ کا مجبور کرنا کہ اس ہنسی کا سبب سچ بتا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا

زن نے عاجز ہو کے سب بتلادیا　　واقعہ اس پہلواں کی مردی کا
راہ میں خیمہ کے اندر جو ہوا　　شاہ کو ایک ایک سب بتلادیا
شیر مارا خیمہ کو لوٹا تبھی　　عضو تھا جوں سینگ گینڈے کی ابھی

آیا تھا گو شیر کا کرتے شکار ... حال اس کے زور کا تھا برقرار
صرف کھٹ کھٹ تونے چوہے کی سنی ... ہوش تیرے ہوگئے پرّاں تبھی
تجھ سے یہ اور اس سے وہ دیکھی جہاں ... آگئی مجھ کو ہنسی شاہِ جہاں
کرتا ہے ظاہر خدا ہی راز کو ... تخم بد اُگتا نہیں اس کو نہ بو
آگ، پانی ابر اور یہ آفتاب ... راز کو لائیں گے بیرونِ تراب
یہ بہارِ تازہ خود بعدِ خزاں ... ہے قیامِ حشر کی حجت عیاں
راز کھلتے ہیں بہاروں میں یقیں ... جو بھی کھائی ہے اگل دے گی زمیں
منھ سے ہونٹوں سے وہ اُگ کر آئیں گے ... مسلک و دل سامنے کھل جائیں گے
اور جڑیں خوراک جھاڑوں کی سبھی ... ہوں گے پیدا ان کی شاخ و سر پہ بھی
ہر وہ غم جس سے ہے تجھ کو ناخوشی ... ہے خمار اس مے کا جو پی تھی کبھی
پر تو کیا جانے کہ یہ رنجِ خمار ... کون سی مے سے ہوا ہے آشکار
اس نشہ کا لانے والا دانہ ہے ... جانے وہ جو واقف و فرزانہ ہے
شاخ و گل جیسا کوئی دانہ نہیں ... نطفہ مثلِ جسمِ مردانہ نہیں
مادّہ جیسا نہیں ہوتا اثر ... دانہ کب ہوتا ہے مانندِ شجر
نطفہ ناں سے ہے مگر ویسا نہیں ... نطفہ سے انسان ، پر ویسا نہیں
آتشی جن، آگ جیسا ہے کہیں ... بھاپ سے ہے ابر پر ویسا نہیں
تھے دمِ جبریلؑ سے عیسیٰؑ نبی ... کیا وہ ان جیسے تھے پوشیدہ کبھی
آدمِ خاکی نہیں مانندِ خاک ... نہ کوئی انگور ہے مانندِ تاک
کب ہے طاعت مثلِ جنت پائیدار ... اور چوری بھی نہیں جوں چوبِ دار
اصل سا کوئی نہیں ہوتا ثمر ... پس نہیں معلوم اصل دردِ سر
اصل بن ممکن نہیں کوئی جزا ... بے گناہ کو دُکھ نہیں دیتا خدا
اصل ہو جو بھی ہے حاصل اس کا شے ... گو نہیں اس جیسی، اس کی وجہ ہے
جو بھی دکھ دیکھے سبب اس کا خطا ... چوٹ کھائی تو ہے شہوت کا صلہ

گر نہیں تجھ کو گنہ کا اعتبار　　چاہ بخشش عاجزی کر اختیار
سجدہ کر سو بار پھر بول اے خدا　　دکھ ہے مری ہی گناہوں کی سزا
تو ہے سبحان، پاک بے ظلم وستم　　بے خطا دیتا نہیں تو درد و غم
میں نہ جانوں ٹھیک کیا ہے وہ خطا　　جرم بن بھی ہے کہیں عفو و خطا؟
جب سبب رکھا پیے عبرت نہاں　　جرم کو پس رکھ بہ ہر حالت نہاں
بدلہ خود ہوتا ہے غماز خطا　　حرم بھی کھل جائے گا گر دے سزا
لے چلوں میں سوئے توبہ بادشاہ　　تا تو جانے بھید کیا ہے عجز کا

بادشاہ اس خیانت سے واقف ہوا تو اس کا ارادہ کرنا کہ وہ چشم پوشی کرے اور معاف کردے اور اس کو اسے ہی دے دے اور سمجھ گیا یہ فتنہ موصل کے بادشاہ پر اس کے ظلم اور ارادے کی سزا ہے کیوں کہ جس شخص نے برائی کی تو وہ اس پر ہے اور بیشک تیرا رب گھات کی جگہ میں اور وہ ڈرا کہ اگر یہ بدلہ لے گا تو وہ بدلہ بھی اسی کے سر پر آئے گا جیسا کہ یہ ظلم اور حرص اس کے سر پر آیا

شاہ کو ہوش آیا اس نے توبہ کی　　یاد آئے جرم، لغزش، ضد سبھی
بولا باخود جو بھی اوروں سے کیا　　مجھ پہ اب صادر ہوئی اس کی جزا
مال پر غیروں کے ڈالی تھی نگاہ　　آپڑی مجھ پر کنویں میں جا گرا
کھٹکھٹایا میں نے دروازۂ دگر　　لا محالہ اس نے ٹھوکا میرا در
قصد اہل غیر کا جو بھی کرے　　وہ خود اپنے گھر کی دلالی کرے
ہوگی اس کے جیسی ہی اس کی جزا　　ہے بدی کی مثل ہر بد کا صلہ
جب سبب بن کر اسے اپنائے گا　　جیسے وہ پہلے تو دیوّثی بنا
غصب لونڈی شاہِ موصل کی کیا　　دوسرے نے چھین کر مجھ سے لیا
وہ امیں میرا تھا اور خادم مرا　　کی خیانت اس نے خائن ہوگیا

کینہ اچھا ہے نہ اچھا انتقام — اپنے ہاتھوں خود کیا میں کار خام
بدلہ لوں میں میر اور لونڈی سے گر — ظلم تھونپا جائے گا میرے ہی سر
جیسے یہ اک بدلہ میں نے پالیا — آزماکر آزماؤں اور کیا
ٹوٹی گردن شاہ موصل سے مری — اب نہ چاہوں ٹوٹے پھر دیگر سے بھی
بدلے پر دی ہے خدا نے آگہی — پھر کرو پاؤ سزا پھر ہم سے بھی
ظلم پھر کرنے سے اب کیا فائدہ — غیر صبر و مرحمت سب ناروا
ظلم جو ہم نے کیا اے رب وہ بھول — رحم کر، بے انتہا تیرے فضول
میں نے بخشا تو بھی مجھ کو بخش دے — حال و ماضی سب گناہوں کو مرے
بولا اے زن کچھ نہ کہہ بس بس یہی — بات تیری میں نے پالی ہے سبھی
راز رکھ اس کو کسی سے کہہ نہ دے — جو ہوا تونے بتا ڈالا مجھے
عقد میں دوں گا تجھے سردار کے — دم نہ مار اب تو خدا کے واسطے
تا نہ ہو وہ میرے آگے شرمسار — کی بدی اک نیکیاں کی ہیں ہزار
میں نے اس کو آزمایا بارہا — تجھ سے بھی بہتر، سپرد اس کے کیا
وہ امانت میں رہا پکا سدا — ہے قضائے حق یہ خود میرا کیا

بادشاہ کا پہلوان کو ایک تدبیر سے لونڈی بخش دینا

پس بلایا پہلواں کو اپنے ہاں — خشمِ قہر اندیش کو رکھ کر نہاں
اک بہانہ خوب بتلایا اسے — یہ کہ اس لونڈی سے نفرت ہے مجھے
کیوں کہ اس لونڈی کے رشک و عار سے — گزرے صدمے میری بیوی پر پڑے
اس کی غیرت کے سبب سے ہر گھڑی — جھیلتی ہے آفتیں بیوی مری
مجھ پہ حق ہیں میری بیوی کے کئی — ظلم یہ دیکھے نہیں اس نے کبھی
وہ لہو پیتی ہے رشک و عار سے — تلخ جینا اس کنیزک سے اسے
چوں کہ دینا ہے کسی کو یہ کنیز — سب سے بہتر تجھ کو پایا اے عزیز

دیکھی جانبازی تری اس کے لیے غیر کو دوں یہ نہیں زیبا مجھے
عقد کرکے پہلواں کو دے دیا حرص غصہ سب پرے اس نے کیا
دے دیا اس کو نکاح بھی کردیا ریزہ ریزہ غصہ لالچ کو کیا

اس کا بیان کہ ہم نے تسلیم کیا کہ وہ کسی کو گدھوں کی سی قوت اور شہوت دیتا ہے اور کسی کو فرشتوں اور نبیوں کی سی قوت اور ذہانت دے دیتا ہے

حرص سے منھ پھیرنا ہے صفتِ سروری ترک ہوا و ہوس، قوتِ پیغمبری
تخم جو بھی نہ ہوں گے شہوت کے حشر تک بار ور نہیں ہوتے
مردیِ خر سے جو ہو پہلو تہی ہے نشانِ مردیِ پیغمبری
غصہ، شہوت، حرص سے ہونا بری ہے وہ اصلِ مردیِ پیغمبری
محترز جو مردیِ خر سے رہا خانِ خاناں نزد حق کہلائے گا
مردہ رہنا خوب تر حق کے حضور زندگی کا ہے کو رہنا ہو جو دور
پوست وہ اور یہ رہی مردی کی جاں ڈالے وہ دوزخ میں اندر جناں
ہے گھری جنت جو مکروہات سے ہے جہنم گھر کے مرغوبات سے

بادشاہ کا ایاز کو دوبارہ خطاب کرنا اور ارکان دولت کا امتحان لینا اور ایاز کی فرماں برداری ان کو دکھانا

اے ایازِ دیو کُش اے شیرِ نر ہوش افزوں تجھ میں کم مردیِ خر
اتنے صدر اور فہم سے عاری سبھی کھیل تجھ کو، واہ رے مردانگی
ذوق ہے تجھ کو مرے فرمان کا جاں فدا کی حکم پر اندر وفا
اے تو آگہ حکم کی تعظیم سے سن حکایت تارہائی پا سکے
حکم کا ذوق اور اس کی چاشنی سن تو اس میں ہے بیانِ معنوی

کچہری اور مجمع میں بادشاہ کا ایک وزیر کو موتی دینا کہ یہ کس قیمت کا ہے اور قیمت میں وزیر کا مبالغہ کرنا اور بادشاہ کا حکم دینا کہ اب اس کو توڑ دے اور وزیر کا کہنا کہ اس عمدہ موتی کو کیسے توڑ دوں

بولا اک دن شاہِ محمودِ غنی — مقتدر سلطان، شاہِ غزنوی
لایا باہر اس نے اک روشن گہر — رکھ دیا دستِ وزیرِ خاص پر
پوچھا کیسا ہے یہ؟ اس کا مول کیا — بولا سو خروار سونے سے سوا
بولا توڑ اس کو، تو کیوں توڑوں کہا — نیک خواہِ مال و دولت ہوں ترا
ایسے موتی کو کروں میں رائیگاں — بے بہا ہے اس کا ثانی ہے کہاں
بولا شاباش اور دیا خلعت اسے — لے لیا موتی پھر اس کے ہاتھ سے
کردیا ایثار اس پر شاہ نے — قیمتی جوڑا جو تھا پہنے ہوئے
ہوگیا کچھ دیر مشغولِ سخن — ماجرائے حال و ادوارِ کہن
دستِ حاجت پر رکھا پھر اور کہا — کیا ہے پیشِ مشتری اس کی بہا
بولا آدھی سلطنت اس کی بہا — اس کو حق رکھے ہلاکت سے بچا
بولا توڑ اب، بولا اے خورشیدِ تیغ — توڑنے سے اس کے ہے مجھ کو دریغ
چھوڑ قیمت تو چمک ہی اس کی لے — روزِ روشن ماند اس کے سامنے
توڑنے کیوں ہاتھ اٹھے گا مرا — کچھ نہیں دشمن میں گنجِ شاہ کا
دے کے خلعت شہ نے تنخواہ دی بڑھا — بولا اس کی عقل پر بھی مرحبا
بعدِ ساعت میر کو موتی دیا — امتحاں کرکے اسے واپس کیا
وہ وہی بولا جو اوروں نے کہا — شاہ نے سب کو قیمتی خلعت دیا
شاہ نے سب کا مقام افزوں کیا — راہ سے ان کو چلایا سوئے چاہ
یونہی کہہ ڈالے بہت سارے امیر — تھا ہر اک پابندِ تقلیدِ وزیر
گرچہ ہے تقلید اک رکن جہاں — ہیں مقلد خوار وقتِ امتحاں

کرلیا جب شاہ سب کا امتحاں مال و خلعت لے گئے سب بیکراں
آ گیا چکر لگاتے وہ گہر آخرش نزد ایازِ دیدہ ور
آخرش پہنچایا در دستِ ایاز بولا اس کو اے حریف دیدہ باز
دیکھا ہر اک نے یہی گوہر مگر تاب تو بھی دیکھ اس کے اک نظر

موتی کا دست بدست آخری دور میں ایاز کے ہاتھ میں پہنچنا اور ایاز کی ذہانت اور اس کا ان کا مقلد نہ ہونا اور اس کا دھوکے میں نہ پڑنا بادشاہ کے مال اور خلعت دینے سے کپڑے بڑھانے سے اوران کی عقل تعریف کرنے سے، بقدر امکاں مقلد کو مسلمان نہ سمجھنا چاہیے۔ مسلمان ہوتا ہے لیکن بہت کم ہوتا ہے کہ اس اعتقاد پر جماؤ کرے اور مقلد ان امتحانات سے سلامتی سے عہدہ برآ ہو، کیونکہ وہ دور اندیشوں کی ثابت قدمی نہیں رکھتا ہے

اے ایاز اب بھی بتادے یہ گہر اس چمک سے قیمتی ہے کس قدر
بولا جو بھی میں کہوں اس سے سوا بولا ریزہ ریزہ کر دکھلا ذرا
آستیں سے اس کی پتھر آ گئے فوراً اس نے اس کے پرزے کردیے
اتفاقِ خوش نصیبی بولیے حکمتِ نادر جو ہاتھ آئی اسے
یا بوقتِ خواب دیکھا تھا اسے تھا جو وہ بغلوں میں دو پتھر لیے
چہ میں جوں یوسف کہیں پایا پتہ کشف سے کیا ہوگی اس کی انتہا
مژدۂ فتح و ظفر جس کو بھی دے بے مراد و بامراد یکساں اُسے
جس کا ضامن ہوگیا ہو وصلِ یار کیا اسے خوفِ شکستِ کارزار
جب یقینِ فتح کامل ہوگیا ہاتھی گھوڑے مر بھی جائیں اس کو کیا
کوئی گھوڑا مار بھی لے جائے گا اس کا گھوڑا پیش رو کہلائے گا
کیا ہے نسبت آدمی کو اسپ سے عشق گھوڑے سے ہے پیشی کے لیے

فکر اتنی کیوں ہے صورت کی تجھے ترک کر الفاظ بس معنی کو لے
زاہدوں کو ہے غمِ انجامِ کار یہ کہ ہوگا حال کیا روزِ شمار
با خبر عارف ہی اول روز سے وہ ہیں فارغ آخرت کے سوز سے
دل میں عارف کے بھی تھے خوف و رجا پیش بینی نے پر ان کو کھالیا
کاشت پہلے جس نے کی ہے ماش کی جانے کتنا ہوگا پُر گودام بھی
وہ ہے عارف جو ہے فارغ خوف سے خوف حق سے ہاؤ و ہو جو رد کرے
حق سے تھا جو رشتۂ خوف و رجا ڈر گیا دورہ رہا امید کا
مٹ گیا ڈر جو بھی ہے امید ہے نور بن کر تابع خورشید ہے
امتحانِ شہ سے آگے تھا ایاز کیوں فریبِ شہ سے ہو گمرہ ایاز
خلعت و دولت تھا دھوکہ بچ گیا ٹکڑے ٹکڑے اس نے گوہر کو کیا
ٹکڑے ٹکڑے جب ہوا گوہر وہاں گونجا امرا سے تبھی شورِ فغاں
کیسی جرأت یہ تو کافر ہے بڑا ایسا گوہر توڑ کر جو رکھ دیا
وہ تھا اندھے جاہلوں کا اک گروہ توڑ ڈالا دُرِّ امرِ شاہ کو
حکم شاہی تھا گہر سے قیمتی رہ گئی یہ بات کیوں ان سے چھپی

امیروں کا ایاز کو ملامت کرنا کہ تو نے کیوں توڑا اور ان کو ایاز کا جواب دینا

پوچھا اس نے سرورانِ نامور حکمِ شہ ہے قیمتی یا وہ گہر ؟
بادشاہ کا حکم بہتر تم کو یا وہ گہر بتلایئے بہرِ خدا
ہے تمھیں محبوب گوہر، شہ نہیں راہ کھو بیٹھے ہو یہ رستہ نہیں
شاہ سے ہٹتی نہیں میری نظر میں نہیں مشرک کہ ہو قبلہ حجر
خام وہ جاں جو قبولے سنگ راہ اور ڈالے پیٹھ پیچھے حکمِ شاہ
پشت کو سوئے بتِ گلرنگ کر عقل کو رنگ ریز کی تو دنگ کر
نہر میں آ مار پتھر پر سبو آگ دے کر پھونک دے سب رنگ و بود

راہِ دیں میں گر نہ ہو تو راہزن کر نہ پوجا رنگ و بو کی مثلِ زن
گوہر امرِ شاہ ہے اے ناکسو فاش توڑا تم سبھوں نے لعل کو
یوں ایاز اس راز کو افشا کیا سرنگوں و خوار ان سب کو کیا
سرنگوں ہوکر رہے امرا سبھی معذرت چاہی کہ بھول ان سے ہوئی
دل سے ہر اک کے دو سو آہیں اٹھیں آسمانوں تک دھواں بن کر چلیں

بادشاہ کا امیروں کا قتل کرنے کا ارادہ کرنا اور تخت کے سامنے ایاز کا سفارش کرنا کہ معاف کردینا زیادہ بہتر ہے

شہ اشارہ کہنہ قاتل کو کہا صدر سے تو ان کمینوں کو ہٹا
اب یہ ناقابل رہے دربار کے حکم توڑا میرا پتھر کے لیے
حکم میرا ان کمینوں کے لیے گھٹ گیا قیمت میں رنگیں سنگ سے
پس ایاز اٹھا وہ فوراً چل دیا آیا پیشِ شاہِ والا دوڑتا
سجدہ میں گرکر گلا پکڑا کہا غرقِ حیرت چرخ بھی ہے اے شہا
اے ہماؤں کو ہما سایہ ترا پاتے ہیں تجھ سے سخی جود و سخا
اے سخی تیرا یہ ایثارِ نہاں ہے عطا بخشے کریمانِ جہاں
لالہ تجھ کو دیکھ لے گر اے لطیف جامہ کرلے دھجیاں ہوکر خفیف
مغفرت کو عفو سے راحت ملے روبہوں کو شیر پر سبقت ملے
گر نہ بخشے تو سہارا کس کا لے وہ جو منھ موڑا ہے تیرے حکم سے
مجرموں کے جرم اور گستاخیاں ہیں وفورِ عفو سے اے مہرباں
بنتا ہے غفلت سے گستاخ آدمی چھینے دکھنا آنکھ کا تعظیم بھی
بھول، غفلت خو ہے بد سیکھی ہوئی پھونک دے گی آگ اسے تعظیم کی
اس کا ڈر بیداری و چستی سکھائے سہو و نسیاں کا مرض دل سے مٹائے
لوٹ کے ہنگام نیند آتی نہیں چھن نہ جائے تا کہ گدڑی بھی کہیں

دلق کا ڈر سے جو نیند آتی نہیں
ڈر گلے کا ہو تو سوئیں گے کہیں

مت پکڑ ہو بھول تو ہے خود گواہ
بھول بھی ہے اک طریقے سے گناہ

اس نے جب تعظیم میں کوتاہی کی
بھول بھی باعث لڑائی کا بنی

بھول لازم اس لیے ناچار ہم
ہیں سبب کے اخذ میں مختار ہم

حقِّ تعظیماں نہ کر پایا ادا
اس سے پیدا بھول اور سہو و خطا

مست سے گر ہو گناہوں کا صدور
بولے وہ معذور کہ خود سے تھا دور

بولے حاکم تو ہے باعث زشت کار
اپنے ہاتھوں تو نے کھویا اختیار

تو بلایا، خود نہ آئی بے خودی
اختیارات اپنے کھویا آپ ہی

آتی مستی گر تری کوشش بنا
پاس رکھتا ساقیِ جاں عہد کا

تیرا حامی ہوتا وہ اور عذر خواہ
ہوں غلامِ لغزشِ مست الٰہ

جیسے ذرہ عفو ہائے کل جہاں
وہ ہے تیرے عفو کا سایہ یہاں

عفو تیرے عفو کے سب مدح گو
وہ ہے یکتا لوگو تم اس سے ڈرو

دور درگہ سے نہ کر، بخش ان کی جاں
خیر خواہ ہیں یہ تیرے اے کامراں

رحم کر اس پر جو ہو تیرے حضور
تلخ ہے فرقت تری کردے نہ دور

قصہ دوری اور جدائی کا ہے گر
جو بھی چاہے کر و لیکن یہ نہ کر

کون شے بدتر ہے ہجرِ یار سے
پوچھ لے خود اپنے عاشقِ زار سے

موت کی چکھ لیں گے لاکھوں سختیاں
چھوٹنا حلقہ سے تیرے ہے گراں

مرد و زن سے ہجر کی یہ تلخیاں
دور رکھ ان مجرموں سے مہرباں

ہے امیدِ وصل میں مرنا بھلا
ہے عذاب ہجر آتش سے سوا

بولے کافر لقمۂ نارِ سقر
غم نہیں مجھ پر جو ہو تیری نظر

وہ نظر ہے سارے دکھوں کی دوا
دست و پائے ساحراں کا خوں بہا

سزا کے وقت فرعون سے ساحروں کے " لَا ضَيْرَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ " ''کوئی نقصان نہیں بیشک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں'' کہنے کی تفسیر

چرخ گونجا نعرۂ لَاضَیْرَ سے — جیسے وہ تھا گیند بلّے کے لیے
ضرب سے فرعون کے کیا ہے ضرر — لطف حق غالب ہے قہرِ غیر پر
ہوتا واقف گر ہمارے بھید سے — ہم کو کردیتا رہا اس رنج سے
آ اِدھر سن کہتا ہے باجا مرا — کاش جانے قوم میری یہ مزا
فضلِ حق نے ہم کو بھی فرعونی دی — پر نہیں ایسی جو بے یاری رہی
سر اٹھاکر دیکھ یہ ملکِ جلیل — کاہے کو یہ ملکِ مصر و رودِ نیل
یہ نجس خرقہ اگر تو پھینک دے — نیل کو تو غرقِ نیلِ جاں کرے
ہاتھ اٹھالے مصر سے دیکھے ابھی — مصرِ جاں میں مصر ہیں ایسے کئی
تو انا رب بولے لوگوں سے تمام — گو نہ جانے چیز کیا ہیں یہ دو نام
رب بھلا مربوب سے کیوں کرڈرے — اور انا دان بندتن میں کیوں رہے
دیکھ ہم تو، ہے انا اپنی فنا — جملہ آفت پر مشقت یہ انا
وہ انا تیرے لیے منحوس تھی — پر ہمارے حق میں دولت واجبی
گر نہ تھی تیری انا کینہ رہا — منھ کبھی ہم دیکھتے اقبال کا
شکر ہم ہیں دارِ فانی میں فنا — دار چڑھ کر پند دیتے ہیں سنا
سولی کا تختہ براق اپنے لیے — ملک تیرا غرّہ غفلت کو تجھے
ہے بہ شکل موت یہ پنہاں حیات — وہ بہ شکل زندگی پنہاں ممات
نور جیسے نار ہے اور نار نور — ورنہ دینا کیوں ہوئی دارِ غرور
کر نہ جلدی پہلے تو ہوجا فنا — ڈوبتے ہی شرق سے لے آ ضیا
اس انا سے دل ازل میں تنگ تھا — بیخود اس سے جان اور دل تنگ تھا
وہ انا خود سرد ہے اور تنگ ہے — یہ انائے مست جیسے چنگ ہے

اُس انائے بے انا سے شاد جاں　　اس جہاں میں ہے بس اس کا گراں
اس انا سے ہٹ کے بھی ہے اک انا　　اے مبارک وہ انائے بے عنا
وہ انا سے بھاگے، پیچھے ہی انا　　بے انا پاکر، وہ اس کا دوڑنا
چاہے تو اس کو نہ چاہے وہ تجھے　　تیرا دیوانہ ہو جب تو مر چلے
زندہ تو غسّال کیوں نہلائے گا　　ڈھونڈے گا مطلوب طالب کو بھلا ؟
عقل ہوسکتی جواں بحثوں میں یار　　فخر رازی ہوتے دیں کے راز دار
جو نہ چکھے، وہ نہ جانے کی مثال　　حیرت افزا بن گئے ان کے خیال
مکر سے ممکن ہے کب کشفِ انا　　فاش ہوگی یا انا بعدِ فنا
عقل سے ممکن نہیں اس کی کشاد　　حاصل اس کا کیا، حلول و اتحاد
قرب سے فانی ایازِ باریاب　　جیسے تارا در شعاعِ آفتاب
جیسے نطفہ جسم میں جائے بدل　　نے حلول و اتحادِ پُر خلل
عفو کا گنجینہ تو، کر عفو جام　　مقتدی ہم تیرے تو اپنا امام

اس سفارش کرنے میں ایاز کا اپنے آپ کو مجرم سمجھنا اور خطا کی معافی چاہنا اور اس عذر گوئی میں بھی اپنے آپ کو مجرم قرار دینا اور یہ کسر نفسی شہ کی عظمت اور پہچان سے پیدا ہوتی ہے۔ ''اور میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور اس سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سے اس کو جاننے والے ڈرتے ہیں

کون ہوں میں جو کہوں تو بخش دے　　شاہ تو وہ امرِ کُن زیبا تجھے
کون، کیا ہستی ترے آگے مری　　تیرے دامن سے ہیں وابستہ سبھی
میں کروں رحمِ غضب آلود کیا　　حلم سے پُر علم کا ہوں رہنما
لاکھوں تھپڑ کے لیے موزوں رہوں　　تم اگر سمجھو مجھے ویسا زبوں

آپ کے آگے بھلا میں کون ہوں　　یاد جو شرط کرم کرنے کہوں
کیا نہیں معلوم دنیا میں تجھے　　یاد تجھ کو کیا دلانا ہے مجھے
جہل سے پاک علم روشن تر ترا　　بھول کیوں کر اس پہ چھائے گی بھلا
چیز تیرے لطف سے ناچیز بھی　　کردیا سورج لٹاکر روشنی
لابہ گر ہوں، اہلیت تونے جو دی　　مرحمت فرما، خوشامد سن مری
دی رہائی مجھ کو میرے نفس سے　　یہ شفاعت ہے تری آگے ترے
رختِ فن سے جب ہے خالی تن مرا　　ملکیت پر اس کی میرا حق ہے کیا
جو دعا مجھ سے بہائی جیسے آب　　دے ثبات اس کو بھی کردے مستجاب
تونے اول مجھ کو سکھلائی دعا　　ہے قبولیت کو بھی تو آسرا
تا کہوں میں سب کے آگے زعم سے　　بخشے مجرم میری خاطر شاہ نے
درد تھا میں سر بسر اور خود پسند　　شاہ نے دے دی دوائے دردمند
شور و شر سے پُر تھا یہ دوزخ بڑا　　فضل اس کا مجھ کو کوثر کردیا
پھونکا از روئے جز دوزخ جسے　　جسمِ دیگر دوں اٹھاؤں پھر اسے
کارِ کوثر کیا، کہ ہوں جو بھی جلے　　اہلیت اگنے کی ان کو بخش دے
قطرہ قطرہ اس کا اعلانِ عطا　　پھونک دے دوزخ جسے پھر لاؤں گا
جیسے مرہم زخمِ بدبو دار پر　　گوشت اُگائے تازہ وہ بارِ دگر
ہے جہنم جس طرح جاڑا خزاں　　اور کوثر جوں بہار و گلستاں
ہے جہنم جس طرح مرگ و فنا　　اور کوثر بانگِ صورِ کبریا
ہے جہنم جیسے مرگ و خاکِ گور　　اور کوثر ہے مثال نفعِ خور
اے تمھارے جسم دوزخ کے جلے　　لطف تم کو سوئے کوثر لے چلے
لائی خلقت نفع تا حاصل کرے　　حیؔ و قیّوم اپنے لطف سے
یہ نہیں کہ نفع خود حاصل کروں　　ناقصوں کو بلکہ تا کامل کروں
تن پرست ان ناقصوں کی عفو کر　　عفو بحرِ عفو سے ہے خوب تر

عفو خلقاں جیسے جوئے رواں
جاتی ہے دریا کی جانب وہ دواں

قلب صد پارہ سے عفو اے داد گر
جوں کبوتر آئے ہر شب تیرے در

تو اڑاتا ہے انھیں وقتِ سحر
تا رکھے محبوس ان کو رات بھر

پھڑ پھڑاتے ہیں دوبارہ وقتِ شام
ہیں انھیں محبوب یہ ایوان و بام

تا کہ رشتہ تن سے اپنا کٹتے ہی
تیرے پاس آئے کیوں جمع ہے وہی

لوٹتے ہیں مطمئن اور سر نگوں
بولتے انا الیہِ راجعون

اور بلاتا ہے اِدھر سے وہ کرم
واپسی پر خت کسارے درد و غم

دہر میں جھیلے ہو غربت کے عذاب
قدر میری جان لی تم نے جناب

آؤ سایے میں شجر کے مستِ ناز
پاؤں پھیلاکر ذرا ہو لو دراز

واہ دیں چل چل کے پاؤں تھک گئے
اب ہو حوروں میں ہمیشہ کے لیے

غمزے والی حوریں ہوں اب مہرباں
کیونکہ آئے ہیں سفر سے صوفیاں

صوفیاں مانندِ نورِ آفتاب
تھے پلیدی میں بڑی مدت خراب

گندگی سے پاک آئے لوٹ کر
جوں ضیا سورج کی بامِ چرخ پر

یہ ہے ٹولی مجرموں کی اس لیے
رخ سوئے دیوار ان کا شرم سے

یہ ہیں واقف اپنے جرم و سہو سے
کعبتینِ شاہ سے ہارے ہوئے

روبرو تیرے ہیں یہ نالہ کناں
مجرموں پر بھی ہے تو ہی مہرباں

جلد تر آلودگاں کو راہ دے
فیض پائیں تا فرات عفو سے

تا کہ دُھل جائیں سبھی جرمِ دراز
تا ہو پاکوں میں شریک اندر نماز

ان گنت لوگ ان صفوں میں ہیں اِدھر
نورِ نَحنُ الصَّافُّوْنَ میں ڈوب کر

اب بیاں اس کا جو کرنا تھا رقم
چاک کاغذ ہوگیا ٹوٹا قلم

ناپا دریا کو سکورے نے کبھی ؟
شیر اٹھایا ہے کبھی برّہ کوئی

گر ہے تو پردے میں پردہ دے ہٹا
ایک نادر بادشاہی دیکھ آ

جام اگر توڑا ہے قومِ مست نے
عذر اس کا ہے کہ تیرے مست تھے

مست تھے گر مال سے اقبال سے — کیا نہیں تھے مست تیرے بادہ کے؟

مست وہ تخصیص سے تیری شہا — عفو اپنے مستوں کی کردے خطا

اے مزہ تخصیص کا وقتِ خطاب — اس کے آگے مات سو بوتل شراب

مست ہوں اب حد کوئی جاری نہ کر — شرح میں حد تا روا ہے مست پر

دے سزا ہشیار میں ہوجاؤں جب — پر نہیں ہونے کا میں ہشیار اب

جس نے بھی چکھی ہے تیرے جام کی — ہوش و حد اس کو نہیں بعد از کبھی

ان پہ عالم سکر کا ہوگا سدا — پس فنا فی العِشق کیوں ہوگا کھڑا

فضل ترا دل سے کہتا ہے کہ جا — تو ہے گرویدہ ہمارے عشق کا

تو مگس لسّی میں میری آپڑی — تو نہیں ہے مکھی صہبا ہے مری

مست تجھ سے گدھ بھی ہے تو ہے اے مگس — شہد کے دریا پہ دوڑاتے فرس

کوہ بھی ذرّے میں مستی میں تری — نقطہ بھی پرکار بھی خط تیرے ہی

فتنے لرزاں جس سے اس کو تیرا ڈر — تجھ کو سستا ہر گراں قیمت گہر

پانچ سو منھ بھی خدا گردے مجھے — جانِ عالم گاؤں گا میں گُن ترے

ٹوٹی پھوٹی اک زباں منھ میں مرے — رازداں وہ بھی ہے ساکت شرم سے

کیا عدم سے بھی گیا گزرا ہوں میں — امتیں پیدا جو اس کے دم سے ہیں

ہیں ابھی آثار غیبی سو ہزار — از نفاست ہونے والے آشکار

سر مرا چکرائے تیری مانگ سے — میں کبھی کے مردہ اس کے سامنے

ہے تری تحریک سے ترغیب بھی — جذبۂ حق پر ہے مبنی رہروی

گرد بے موجِ ہوا کیوں کر اڑے — جب نہ ہو دریا تو ناؤ کیوں چلے

کوئی نزدِ آبِ حیواں کیوں مرے — درد آب خضرؑ پانی کو ترے

دوستِ جاں کا قبلہ آب زندگی — آب سے شاداب باغ و بن سبھی

تیرا آب عشق کیا ہاتھ آگیا — آب خضرؑ اپنے لیے بے کار تھا

آب حیواں سے ہے جاں کو تازگی — پر ہے آبِ آبِ حیوانی تو ہی

تجھ سے لحہ لحہ مرگ و زندگی
قاہری تیرے کرم کی دیکھ لی

ہوگیا جوں خواب یہ مرنا مجھے
اے مرے خالق امیدِ حشر سے

سات دریا بھی جو ہوجائیں سراب
کان کھینچے آب کو لے آ تو آب

عشق بےخوف، عقل لرزاں موت سے
سنگ کیوں بارش سے جوں ڈھیلا ڈرے

مثنوی کی جلد پنجم کا جمال
آسمانِ جاں میں تاروں کی مثال

راہ تاروں سے نہیں پاتے سبھی
جانے کشتاں، ہیئت دان ہی

دوسروں کا کام ہے نظارہ ہی
ہیں قرانِ سعد سے غافل سبھی

میل صبح و شام ان سے چاہیے
ہیں یہ تارے دشمنانِ دیو سے

ان سے ہراک دفعِ شیطاں کے لیے
آگ برساتا ہے قلعۂ چرخ سے

تارا دیو کو باعثِ آزار ہے
مشتری کو وہ قریبی یار ہے

تیر پھینکے قوس اگرچہ دیو پر
مشک پر ہے باغ تالائے ثمر

کشتیِ گمرہ کو توڑے حوت اگر
بوئے کھیتی دوستوں کی ثور ادھر

پھاڑے شب مثل اسد گر شمس ادھر
لعل ادھر خلعت سے ہوگا بہرہ ور

کجروی سرطاں کی ظاہر ہے اِدھر
اور یہی ہے ہیئتِ میزاں اُدھر

پیشۂ مریخ اگر خوں ریزی ہے
خوار پیشِ شمسیِ تبریزی ہے

گرچہ منحوسی ہے تاثیرِ زحل
فکر کی تیزی رہا اس کا عمل

میرے مہر و مہ بجاتیں تالیاں
زہرہ میں دم مارنے کو دم کہاں

بلکہ کھوتا ہے عطارد اپنا گھر
ظلم توڑے وہ جنوں میں جوزا پر

ہاتھ لرزاں دل تپاں ہے مشتری
چاند سطحِ آب پر جوں ٹوکری

جھڑتے ہیں پر نسر کے گر وجہ شرم
طمع سے ہے اژدہا جوں موم نرم

دخترانِ نعش بن کر حاملہ
تالیاں پیشینگی مل کر ایک جا

چھوڑ اشارے کام یہ بے گاہ ہے
سنبلہ سے کہکشاں پُر کاہ ہے

کوہ سے نکلا ہے سورج اِتَّقو
تلخ لگتی ہے مگر یہ گفتگو

دشمنوں میں تو ہے شہد و شیر سا — یہ اثر لائے گا تجھ میں زہر کا

نیست سے ہستی اٹھائے جو بھی سر — زہر ہے اک کو تو دیگر کو شکر

دوست بن خوئے ناخوش دور کر — زہر کی ٹھلیا سے تا کھائے شکر

زہر سے فاروقؓ کو کیا ہو گزند — کیوں کہ وہ تریاقِ فاروقی تھا قند

کر طلب تریاقِ فاروق اے غلام — تا بنے فاروقِ دوراں ، والسلام

◆◆◆

زیرِ نظر کتاب ''مثنوی مولانا روم'' اب تک کے شعری و ادبی کارناموں میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی کا منظوم ترجمہ ہے۔ مذکورہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گی۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ و تصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش، غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی نیز گھرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کرتی ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' شہرت و کامیابی کا ایک اہم ریکارڈ رکھتی ہے۔ یہ کم و بیش چار سو برس سے علما، صوفیہ اور اہل دانش کے درمیان مقبول ہے۔ علمی و روحانی محفلوں میں اس کے اشعار سننے کو ملتے ہیں۔ جس سے روحانی کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

صاحب مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومیؒ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی و شاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ مولانا میں بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ مولانا رومی اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انھی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ ان کی تصنیفات میں مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) وغیرہ شامل ہیں۔

سید احمد ایثار نے محنت اور عرق ریزی کے ساتھ فارسی سے اردو نظم میں منتقل کر کے علم و ادب کی تاریخ میں اپنا نام درج کرا لیا ہے۔ انھوں نے منظوم ترجمے میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ وہ کہیں اصل سے دور نہیں ہوئے ہیں۔ ایک ایک لفظ کا ترجمہ رواں، سلیس اور مطابق اصل ہے۔ ان کا یہ منظوم ترجمہ اردو داں طبقے کے لیے اصلاح و تربیت کا بہترین وسیلہ بنے گا نیز فارسی سے اردو تراجم اور فقہ و تصوف سے تعلق رکھنے والے طلبا کے لیے ''مثنوی مولانا روم'' مفید ثابت ہوگی۔

Set for
ISBN: 978-93-89612-11-0
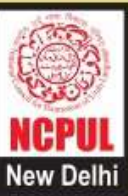
₹ 780/-
(Set)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025